https://ataunnabi.blogspot.com/

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۝

وَفِی الْاَرْضِ اٰیٰتٌ لِّلْمُوْقِنِیْنَ ۝ وَفِیْٓ اَنْفُسِکُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ

اور خدا کی ہستی پر یقین کرنے والوں کیلئے زمین میں نشانیاں ہیں

اور نفس انسانی میں بھی کیا۔ تم انہیں دیکھتے نہیں

قرآنی سائنس

کا

فکری ونفسیاتی اور روحانی حصہ

تالیف

منشی فضل کریم فاضل شرقپوری

مقام اشاعت

محلہ مونگیاں شرقپور شریف ضلع شیخوپورہ

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

86060

طبع اوّل

جنوری ۱۹۷۷ء

قیمت ———— پندرہ روپے

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

انتساب

ہر اُس شخص کے نام جس کے دل میں ایمان کی

صلاحیت اور قدر و قیمت موجود ہے۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

تعارف

اس کتاب کے اندر فکر و نظر کے ذریعہ خدا پر ایمان و ایقان حاصل کرنے کی نشاندہی کی گئی ہے۔ آج ساری دنیا میں جس چیز کا سب سے زیادہ فقدان اور اشد ضرورت ہے۔ وہ خدا کی ذات و صفات پر ایمان ہے۔ مغربی افکار و فلسفہ کی یورش نے اکثر پڑھے لکھے اذہان کو متاثر کیا ہے اور ان پڑھ طبقہ میں بھی اخلاقی پستی کی وجہ سے عملی زندگی میں خدا پر حقیقی ایمان کی روشنی بہت کم نظر آتی ہے۔ انسانیت کا حقیقی ارتقا خدا کے ساتھ علمی و عملی رابطہ میں مضمر ہے۔ جس کے ذریعہ انسان اس کی برکات اور اپنی فوز و فلاح حاصل کر سکتا ہے اور اس کی بنیاد خدا پر کامل ایمان کے اندر ہی موجود ہے۔

ایمان حاصل کرنے کا ایک ذریعہ آیاتِ قرآنی کی دعوت پر کائنات میں غور و فکر کرنا ہے۔ اس لئے فکر کی حدود کا متعین کرنا اور اس کے فقدان کی بجائے قوم کے اذہان کو اس سے مالا مال کرنا وقت کا سب سے زیادہ اہم مسئلہ ہے اور فکر کی تربیت و ورزش کے لئے اللہ تعالیٰ نے جو طریق کار واضح فرمایا ہے۔ اس سے بہتر و اصلح کوئی طریقہ نہیں ہو سکتا۔ اس میں دین و دنیا کے سارے فوائد مضمر ہیں اور علوم و معرفت کے جو خزانے انسان کے ہاتھ آتے ہیں۔ وہ ساری کائنات کو خرید لینے اور اس پر محیط ہو جانے کا ذریعہ بن سکتے ہیں۔ اشیاء و امور کے حقائق کو جاننے میں ان کی نفسیاتی و سائنسی توجیہات کا سارا علم آجاتا ہے۔

آیات پر صدقدلی اور حقیقی غور و فکر سے فردِ واحد کی اجتہادی صلاحیت میں جو رفعت و شان پیدا ہو جاتی ہے۔ اسی کے اندازہ پر اگر قوم کا بیشتر حصہ اس سے مستفید

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ہوجائے تو اس کی سربلندی اور فوز وفلاح کے امکانات پورے طور پر روشن و تابندہ ہو سکتے ہیں۔آیات پر غور و فکر کے اعراض نے ہی اس قوم کے اجتماعی شعور میں اسلام سے حقیقی محبت کا فقدان اور اس کے حق میں کذب و منافقت کو بھر دیا ہے۔ اور وہ صدقدل سے اس کو اپنانے اور اس کے شعائر کو قائم کرنے پر آمادہ و مستعد نظر نہیں آتی۔

ان کی عزت و وقعت دلوں سے کم ہو گئی ہے اور اغیار کے اخلاق کے اخلاق و شعار اس طرح پسند خاطر ہو گئے ہیں کہ لوگوں کے اذہان غیر شعوری طور پر ان سے مرعوب ہو کر ان کی غیر حقیقی عظمت اور چمک دمک کے سامنے جھک گئے ہیں۔ اپنے شعور میں کسی ذاتی اصول و نظریہ کے نہ ہونے اور سیاسی و اقتصادی غلامی کی وجہ سے ہی یہ صورتِ حال پیدا ہوئی ہے۔ اور اس کا ازالہ صرف بلند فکری کی تربیت ہی سے ہو سکتا ہے۔ جس کا راز آیات پر تدبر کرنے میں مضمر ہے۔

اللہ تعالیٰ پر ایمان و ایقان ہی حقیقت میں انسان کی خودداری کی بنیاد ہے اور صرف اسی کے ذریعہ ہی ہم ذہنی غلامی سے نجات حاصل کر سکتے ہیں۔ جب تک یہ چیز پیدا نہ ہو جائے کسی تبلیغ کا ہمیں دوسری قوتوں کی مرعوبیت سے بچانا اور پیچھے ہٹانا کام نہیں آسکتا۔ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات پر ایمان کو دل میں پیدا کرنے کیلئے دوسرے قدرتی وسائل کے ساتھ آیات پر غور و فکر کرنے کا طریقہ ایسا فطری و حقیقی ہے کہ اس کا عامل خدا کی رحمت سے کبھی محروم نہیں رہتا اور خلوص و صدق دلی کی موجودگی میں اس کے بلئے ایمان و اطمینان کا دروازہ ضرور کھل جاتا ہے۔

آج انسان کی ذہنی قوت جس قدر فحش و لغویات میں ضائع ہو رہی ہے وہ اگر فکر کے ذریعہ آیاتِ الٰہیہ کی طرف مرکوز ہو جائے تو یہ امر اس کے قلب و نظر میں انقلاب کا باعث بن سکتا ہے اور خدا پر ایمان کا فروغ ہو کر زندگی اپنے ارتقاءِ حقیقی کی طرف مائل ہو سکتی ہے۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

قرآنِ حکیم کی دعوتِ فکر و نظر اور خالص دینی تعلیم کو سائنس سے اس لئے منسوب کیا گیا ہے کہ جس طرح مادی سائنس کی بنیاد اشیاء کی اقدار وخواص کے علم پر منحصر ہے۔ اور اگر اللہ تعالیٰ کی صنعت نے اشیاء کی تقدیرات میں اتقان و استحکام عطا نہ فرمایا ہوتا۔ تو ہمارا کوئی سائنسی عمل تکمیل پذیر نہیں ہو سکتا تھا بالکل اسی اصول پر ہمارے روحانی ونفسیاتی امور کی خصوصیات و اقدار بھی معین و مقرر ہیں۔ اور ہمارے ظاہری و باطنی اعمال اور عقائد و افکار ہماری سیرت و کردار اور نفسی و روحانی ہیئت کے اطوار میں تبدیلی پیدا کرتے ہیں۔ خدا کا ہر شے کو امرِ حق کے ساتھ پیدا فرمانا ایک ایسا اصول ہے۔ جو کسی وقت بھی منحرف نہیں ہوتا۔ کوئی امر اتفاق و حادثہ کے طور پر وقوع پذیر نہیں ہوتا۔ کائنات میں شرط ومشروط اور علل واسباب کا سلسلہ ہر جگہ جاری و ساری ہے۔ قرآنِ مجید میں تخلیق بالحق کی آیت اسی بات پر مہر تصدیق لگاتی ہے کہ اشیاء و امور اقدار معینہ اور اجلِ مسمیٰ کے ساتھ بندھے ہوئے ہیں۔ جس طرح اشیا سے فائدہ حاصل کرنے کے لئے ان کی اقدار کو نگاہ میں رکھنا پڑتا ہے بالکل اسی طرح عقائد و اعمال کے اثرات کا نفسیاتی و روحانی مفاد حاصل کرنے کے لئے ہمیں انبیائے علیہم السلام کے وحی کے ذریعہ حاصل شدہ قواعد و ضوابط اور معین تاثراتی اقدار کو ملحوظ رکھنا نہایت ضروری ہے۔ قرآنِ حکیم میں اللہ تعالیٰ نے إِنَّا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ اور إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ کی آیات نازل فرما کر جس طرح مادی سائنس کی بنیاد کی طرف اشارہ فرما دیا ہے۔ بالکل اسی طرح نفسیاتی و روحانی امور کو سائنٹیفک ثابت کرنے کے لئے مَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ کی آیت نازل فرما دی ہے۔ اور ہمارے ہر عمل کے اثر و نتیجہ کو معین اقدار میں واضح فرما دیا ہے۔ جس سے ہم کسی طرح اثر پذیر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔

مادی۔ سائنسدان جو آج چاند اور ستاروں پر کمندیں ڈال رہے ہیں۔ وہ

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

بھی حقیقتاً مبدائے کائنات کی تلاش میں ہیں اور جب ان کی عقل وفکر اپنی انتہا کو اپنا کر حیرت زدہ ہو جائے گی۔ تو انشاءاللہ خدا کی ذات پر یقین ان کے باطن سے اُبھر آئے گا۔

زندگی سے متعلق یہ میرے ذاتی تجربات ہیں۔ جنہیں بطور آمد میں نے تحریر کیا ہے۔ اور ذہنی کاوش سے اس کی ترتیب وتنظیم نہیں کی ہے۔ اس لئے اگر کسی قاری کو اس میں مضامین کے ربط کا فقدان نظر آئے تو وہ اس صورتِ حال کو ملحوظِ خاطر رکھے کہ معنوی طور پر یہ کتاب مثنوی حضرت مولانا روم سے مشابہت رکھتی ہے۔ جس میں فصول و ابواب کو ترتیب نہیں دیا گیا اور ایک بات سے فطری طور پر پیدا ہونے والی دوسری بات کو بیان کیا گیا ہے۔ اور یہ ایک حقیقت ہے کہ آمد کی شدت کے وقت ہر انسان اسی قسم کی طرزِ تحریر پر مجبور ہوتا ہے۔

اس کتاب میں قرآنِ مجید کی آیات کے تحت اللفظ ترجمہ کا التزام بھی نہیں کیا گیا ہے بلکہ ان کے مفہومات کی اپنے الفاظ میں تشریح کی گئی ہے۔ جس کی صحت کا مجھے پورے طور پر یقین ہے۔

قرآنِ حکیم کی دعوتِ فکر پر عمل پیرا ہو کر جس طرح میں نے خداوند تعالیٰ کی فعلیت اور ربوبیت کو محسوس کیا اور اس کی صفات و ذات پر ایمان حاصل کیا ہے اس طریق اور اسلوبِ فکر کو آیاتِ قرآنی کی روشنی میں کتاب کے اس حصہ میں واضح کرنے کی کوشش کی ہے تاکہ دوسرے خوش قسمت اشخاص بھی اس کا فائدہ حاصل کر سکیں۔

فضل کریم شرقپوری

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

فہرست عنوانات

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۱	تعارف	۵
۲	اصول وعقیدہ کی اہمیت	۱۷
۳	صحیح عقیدہ وایمان حاصل کرنے کا فطری طریق کار	۱۸
۴	تفکر وتدبر کے قرآنی دلائل وبراہین کی اصل حقیقتا"	۱۹
۵	فکر کا منتہائے مقصود	۲۰
۶	فکر کے موانعات	۲۰
۷	فکر کی تحریک کے معاون خصوصیات	۲۱
۸	ایمان وکفر کے تقابلی خصائص ولوازمات	۲۲
۹	ایمان کے پیدا ہونے کے اسباب وموانعات پر تبصرہ	۲۳
۱۰	کفر کی طبعی خصوصیات	۲۷
۱۱	مومن کے نفسیات اور درجات	۳۰
۱۲	اعمال کے اثرات کے باعث باطنی ہیئت کے اختیار کا کلیہ	۳۲
۱۳	کافر کا اپنی نسبت سے پیار اور اس پر انحصار	۳۴
۱۴	مومن کی قرأت کا طریق	۳۴
۱۵	اپنی حقیقت کے متعلق مومن کے باطن میں سوال	۳۴
۱۶	اشیا کی عدمیت تک . جانے کی مثال	۳۵

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

۱۷	والدین کے ذریعہ طریقِ تخلیق میں حق تعالیٰ کی حکمت	۳۶
۱۸	حق تعالیٰ کی تخلیق کے ادراک سے جذبۂ عبودیت کی تولید	۳۶
۱۹	انسان کے عدمِ محض اور حق تعالیٰ کے خالق ہونے کا بیان	۳۷
۲۰	انسانی تخلیق میں فکر و نظر کے مختلف موضوعات	۳۹
۲۱	مومن ہر شے سے عبرت حاصل کرتا ہے	۴۴
۲۲	مچھر کے وجود میں حق تعالیٰ کی حکمت و ربوبیت کے آثار	۴۵
۲۳	کفر و انکار کے نظری امکانات کا انسداد	۴۶
۲۴	دوبارہ زندگی پر وجدانی شہادت	۴۷
۲۵	انسانی خلافت میں احسانِ خداوندی	۴۹
۲۶	شیطان اور اس کی انسان دشمنی	۵۰
۲۷	حرص کا دامِ فریب	۵۱
۲۸	فطرتِ انسانی و شیطانی کا فرق	۵۲
۲۹	توبہ کے اثرات	۵۳
۳۰	نماز کا تاثر	۵۵
۳۱	نظامِ ربوبیت کی تفصیل	۵۸
۳۲	انسانی نظر کا مغالطہ	۶۲
۳۳	اہلِ ایمان و معرفت کی حق سے محبت	۶۳
۳۴	فانی عناصر و اشیاء سے محبت کا انجام	۶۵
۳۵	تقلیدِ آبائی پر افتخار کی مذمت	۶۷
۳۶	حلال و طیب اشیاء کے کھانے کی تلقین	۶۸
۳۷	قبولِ ہدایت کے لئے ذاتی فکری تحریک کا ہونا لازمی ہے	۷۰
۳۸	قدرتِ مطلقہ کے باوجود سنتِ مقررہ کے اختیار میں حکمت	۷۲
۳۹	امرِ حق کی تشریح	۷۳

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

۴۰	آیات سے اللہ تعالیٰ کی عظمت وقدرت کا شعور	۷۵
۴۱	اللہ کی خالقیت سے اس کی توحید کا ثبوت	۷۵
۴۲	انسان کی شقاوت میں اس کی ضد اور فضول اعتراضات کا کردار	۷۷
۴۳	الحمد للہ کے مفہوم کی تشریح	۷۸
۴۴	بنیادی حقیقتیں	۸۱
۴۵	ردِ شرک اور اثباتِ توحید	۸۲
۴۶	حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر نزولِ سکینت	۸۳
۴۷	سیروا فی الارض	۸۳
۴۸	آیات ونشانات سے تاثرات پیدا ہونے کی نوعیت	۹۶
۴۹	اچھی اور بُری زمین کی مثال پر انسانی نفسیات کا فرق	۹۷
۵۰	شکر کا مفہوم اور اس کا مفاد	۹۸
۵۱	قرآن پاک کے مفہومات کو اخذ کرنے کے مختلف اسلوب	۹۹
۵۲	تکبر اختیار کرنے والوں کے نفسیات	۱۰۰
۵۳	تقویٰ کی حقیقت اور اس کے اثرات	۱۱۴
۵۴	آخرت میں اصلاحِ احوال	۱۱۵
۵۵	دنیا وآخرت کے معانی ومفہومات	۱۱۶
۵۵	رزق میں افراط وتفریط کا علاج	۱۱۸
۵۶	دنیا سے گہرے تعلق وپیچیدگی کی مثال	۱۲۰
۵۷	نیک وبد اعمال کے تاثرات	۱۲۱
۵۸	دنیا پر مر مٹنے والوں کے اقسام	۱۲۲
۵۹	اہلِ علم کے مغالطات	۱۲۳
۶۰	دل کا حقیقی اطمینان اور جنت کا مقام	۱۲۶
۶۱	خیر وشر کے نتائج میں تدریج	۱۲۹

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

۶۲	قیامت میں ہمارے اعمال کی حیثیت کا شہود	۱۳۱
۶۳	دنیا کی فنا و بے ثباتی کا احساس	۱۳۳
۶۴	قیامت کے آثار	۱۴۳
۶۵	زمین میں اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کے ثبوت	۱۴۴
۶۶	نفس سے مغلوب عقل	۱۴۷
۶۷	کل شیئ موزون	۱۵۰
۶۸	توکل کے احوال	۱۵۳
۶۹	حق تعالیٰ کا غلبہ و جلال	۱۵۴
۷۰	بارش و باراں اور پانی کا نظام	۱۵۴
۷۱	جبری مساوات فطرت کے خلاف ہے	۱۵۷
۷۲	اسلام کی تعلیم	۱۵۷
۷۳	روز قیامت اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں	۱۵۹
۷۴	حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ذمہ داری و تسلی	۱۶۴
۷۵	انسانی نفسیات کا عمومی تقاضا	۱۶۷
۷۶	عالم دنیا و آخرت کی تقدیرات میں امتیاز	۱۷۰
۷۷	حضور پاکؐ کی بشریت کا مفاد	۱۷۴
۷۸	انسانیت کی حقیقی عظمت	۱۷۴
۷۹	نظری و تقلیدی استعدادوں کے امتیازات	۱۷۷
۸۰	علم و معرفت کی انتہا	۱۷۹
۸۱	دنیا پر راضی ہونے والوں کی خصوصیات	۱۸۱
۸۲	ایمان کو اپنانے والوں کا باطنی حال	۱۸۴
۸۳	دین کے میدان میں عملی اقدامات کے لئے وسعت	۱۸۴
۸۴	فانی و عارضی خودی کے مقابلہ میں حقیقی خودی کا مقام	۱۸۶

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

۸۵	نسبتِ توحید کا اثر	۱۸۶
۸۶	قدرت و حکمت کا کمال	۱۸۹
۸۷	اہلِ حق کے دل میں محبت کا ارتقاء	۱۹۰
۸۸	عبرت کا مرقعہ	۱۹۱
۸۹	فطرت کی آواز	۱۹۲
۹۰	خلق و ہدایت	۱۹۲
۹۱	لوحِ محفوظ اور اللہ تعالیٰ کا علم محیط	۱۹۳
۹۲	نظامِ ربوبیت کا قیام	۱۹۴
۹۳	ایمان بالغیب کی ضرورت و اہمیت	۱۹۹
۹۴	معیشت کی تنگی	۲۰۰
۹۵	اہلِ دانش کے نزدیک بڑی نشانی	۲۰۲
۹۶	قیامت کی ہولناکی	۲۰۳
۹۷	بعثِ اجساد	۲۰۴
۹۸	اللہ کے نشان	۲۰۶
۹۹	ہر امر کے لئے ایک اثر ہے	۲۰۸
۱۰۰	ہر بات پر قدرت	۲۱۲
۱۰۱	اللہ تعالیٰ کے وعدہ کی حقانیت	۲۱۴
۱۰۲	حقیقی عامل و بے عمل کی پہچان	۲۱۵
۱۰۳	شرک کی اصلیت	۲۱۷
۱۰۴	آیات سے ارتفاعِ حجابات	۲۱۸
۱۰۵	مضطر کی دعا	۲۱۸
۱۰۶	ذات و توحید کی حقانیت کا انسانی فطرت سے ثبوت	۲۲۰
۱۰۷	حکمت در حکمت	۲۲۳

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

۱۰۸	قدرت کا کمال	۲۲۴
۱۰۹	فطرت کی آواز	۲۲۵
۱۱۰	تقویتِ ایمان	۲۲۸
۱۱۱	فکر و نظر کا عمومی مفاد	۲۲۸
۱۱۲	انسانی شرف و کرامت	۲۳۳
۱۱۳	حق تعالیٰ کا طریقِ کار	۲۳۶

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

اصول وعقیدہ کی اہمیت

طبعاً جن لوگوں کے دماغ میں تیزی اور فکر کا مادہ موجود ہوتا ہے۔ ان کے اسلوب نظر اور فکر کے دائرے بھی مختلف صورتوں میں متعین و محدود ہوتے ہیں۔ ہر شخص کے فکر کا دائرہ اس کے باطن میں موجود عقیدہ اور اصول کی بنا پر متشکل ہوتا ہے۔ اور معتقدات کے بُنے ہوئے جال سے باہر جانا اس کیلئے ممکن نہیں ہوتا۔ ایسا فکر منظم اور ایک خاص نظریہ کو پیدا کرنے اور اسے استحکام دینے کا باعث ہوتا ہے اس کی بنا پر دنیا میں مختلف نظریات کا ظہور اور ان پر عملدرآمد کا شعور پختہ و مستحکم ہو رہا ہے۔ اور انسانیت مختلف دوائر میں منقسم ہو کر مصروفِ عمل ہے۔

انسان اپنے باطن میں کسی نہ کسی عقیدہ و اصول کو اپنانے پر مجبور و مضطر ہے۔ اور یہی چیز انسانی زندگی میں اس کے عمل کو فروغ دینے اور اس کی انفرادیت و خودی کو پیدا کرنے کا باعث ہے۔ اگر کسی فرد یا جماعت کے دل میں کوئی اصول و عقیدہ نہ ہو تو اس کے وجود میں ہرگز ہرگز استحکام و پائندگی پیدا نہیں ہو سکتی۔ اس کے حرکات و سکنات اور اعمال محض تقلیدی و نقالی ہونے کی وجہ سے بالکل بے اختیاری اور رعشہ زدہ انسان کے ہاتھ کی حرکت کی طرح ہوتے ہیں اور کسی فائدہ بخش نتیجہ تک نہیں پہنچ سکتے۔ صحیح اور درست عقیدہ سے ہی اچھے اعمال پیدا ہوتے ہیں۔ اور اگر اس میں کجی واقع ہو جائے تو اس کی تحریک پر پیدا ہونے والے اعمال کبھی اچھا نتیجہ پیدا نہیں کرتے۔ باطن کے اسی اصول و عقیدہ کو اسلام میں ایمان کا نام دیا گیا ہے۔ اور اس میں روشنی و تابندگی پیدا کرنے کے لئے ہی قرآن پاک میں بار بار آیات پر فکر کی دعوت دی گئی ہے۔ فطرت کے اصول جو ہر طرف جاری و ساری ہیں۔ انہیں سمجھنا اور تسلیم کرنا ہی درحقیقت ایمان کی جان ہے۔ اور اگر ہم ان سے اعراض و انکار کر کے اپنی وقتی، نفسانی و شہوانی خواہشات کے پیچھے پڑ جائیں تو یہ امر اصول و کلیات فطرت سے انحراف کی بنا پر ہماری ظاہری و باطنی زندگی کے لئے مہلک و تباہ کن ہے۔

ہماری سفلی و حیوانی خواہشات اور فطرت کے کلیات میں فرق و امتیاز کا واقع ہو جانا ایک ایسی حقیقت ہے۔ جس سے ہر شخص کو دوچار ہونا پڑتا ہے۔ ہماری بہتری اسی امر میں ہے کہ ہم اپنی نفسی لغویات سے ہٹ کر فطرت کی ازلی و ابدی ہدایات کو قبول کریں اور ان کے مطابق عملدرآمد کر کے

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

اپنی انفرادی و اجتماعی زندگی کو ظاہر و باطن کے نقصان و زیاں سے محفوظ کریں۔ ہمارا ایمان فطرت کے اصولوں کے عین مطابق ہو جائے تو ہم اپنی صلاح و فلاح کو اپنا سکتے ہیں۔ اور اگر ہمارے دل کی نظلان سے اعراض و اباء کرتی ہے تو بالآخر نقصان و خسران سے کوئی قوت ہمیں بچا نہیں سکتی۔

صحیح عقیدہ ایمان حاصل کرنے کا فطری طریق کار

حق تعالیٰ کی ذات و صفات اور فطرتِ الٰہیہ پر ایمان و ایقان پیدا کرنے کیلئے قرآن پاک کی تعلیم و تلقین کے مطابق آیات پر فکر و نظر سے بہتر و اصلح اور کوئی طریقہ نہیں ہے۔ ایک عامی اور غیر مفکر آدمی جس طرح اپنے گرد و پیش کے ماحول، اپنی نفسی کیفیات روزمرہ کے معاملات اور ان کے اثرات و متعلقات کے اندر گم اور مقید و محصور ہوتا ہے۔ اس کے مقابلہ میں قرآنی آیات کی رہنمائی میں فکر کرنے والا مومن عالم گیر اور فطری حقائق کو اپنی آغوشِ نظر میں دبا لیتا ہے۔ وہ اپنے متعلقات سے بے نیاز ہو کر اور ماحول کے محدود و متعین مادی اثرات کی تنگ گھاٹیوں سے نکل کر فطرت کی وسیع و بسیط فضاؤں میں اپنے توسنِ فکر کو جولاں کرتا ہے۔ اس صورت میں اسے جب فطری اصولوں سے فکری ہم آہنگی حاصل ہوتی ہے اور وجدانی مشاہدہ کے ساتھ اسے جو ایمانی کیفیت حاصل ہوتی ہے۔ اس کی اہمیت سے کچھ وہی شخص واقف ہوتا ہے۔

آیات پر ایمان و ایقان کی روشنی میں اس کی نظر فطرت کے طریق کار کو اپنا لیتی ہے۔ اسے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ کائنات کی ہر چیز اس کی نظر کے سامنے کتم عدم سے منصۂ شہود پر آ رہی ہے۔ اور خالق کائنات کا ہاتھ اس کے سامنے مخلوقات کو بنا رہا ہے۔ حق تعالیٰ کی فعلیت اس کے رُو برو نمایاں ہوتی ہے۔ اور اس کی قدرت و حکمت کا ظہور دیکھ کر انسان کے ایمان میں چار چاند لگ جاتے ہیں۔

حق تعالیٰ کی عظمت اس کی نظروں میں روشن ہو جاتی ہے۔ جس کے نتیجہ میں اس کی رگِ عبودیت جاگ اٹھتی ہے۔ اور وہ اپنے اور ساری کائنات کے رب کے سامنے پوری نیازمندی سے جھک جاتا ہے۔ آیات میں غور و تدبر کا یہی منشاء و مقصود ہے۔ اور اسی غرض کے لئے مومن کو بار بار ان میں فکر و نظر کی دعوت دی گئی ہے۔

عبادت تو عام لوگ بھی کرتے ہیں اور اپنے ایمانِ تقلیدی کی بنا پر کچھ نہ کچھ ذوق و کیفیت حاصل کر لیتے ہیں۔ مگر ایک مفکر فی آیاتِ اللہ کی عبادت جو افعال و صفاتِ حق کو اپنی نظروں میں مشاہد پاکر عظمت و جلال اور لطف و جمال میں ڈوب جاتا ہے۔ ایک عجیب ہی کیف و رنگ پیدا کرتی ہے۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

حَتّٰی یَاْتِیَکَ الْیَقِیْنُ

وہ اپنے مشاہدہ صفات کی بناپر ایمان میں جو فروغ و قوت پاتا ہے۔

وہ اسے عبودیت میں انتہائی منزلوں تک کھینچ لے جاتی ہے۔ اور (وَاعْبُدْ رَبَّکَ حَتّٰی یَاْتِیَکَ الْیَقِیْنُ ہ) کے اصول پر یہ کامل عبودیت اس کے ایمان میں مزید وسعت واستحکام پیدا کرتی جاتی ہے۔ یہ تسلسل و لزوم یقین کامل پر منتج ہوتا ہے۔ اور اس وقت بندہ صفات حق کے پرتو میں ڈوب کر صِبْغَۃَ اللّٰہ کا رنگ اختیار کرلیتا ہے۔ اس بام عروج تک پہنچنے کے لئے عبودیت کی سیڑھی کے سوا کوئی راستہ نہیں ہے۔ نسبت عبودیت جو سب نسبتوں سے ارفع و اعلیٰ ہے۔ حاصل ہونے پر بندہ اور رب کے درمیان ایک ربط پیدا ہوجاتا ہے۔ جس کے ذریعہ وہ ہر وقت اپنے رب کے حضور میں رہتا ہے۔ اور عبادت کے وقت اپنے رب سے سرگوشی کرتا ہے۔ اس وقت اسے جو لذت مناجات حاصل ہوتی ہے۔ وہ اندازہ و بیان سے باہر ہے۔

اس بات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس نعمت غیر مترقبہ کے حاصل ہونے کا منبع ومبدا تفکر فی آیات اللہ ہے۔ جس سے عظمت رب العالمین دل پر مستولی ہوکر عبودیت کی محرک ہوتی ہے۔

تفکر و تدبر کے لئے قرآنی دلائل و براہین کی اٹل حقیقت

تفکر و تدبر کے لئے قرآنی دلائل و براہین ازلی وابدی اور اٹل حقیقتیں ہیں۔ جن میں آج تک کوئی تغیر رونما نہیں ہوا ہے۔ سائنس کے ذریعہ عقل و فکر انسان باوجود اپنی انتہائی ترقیوں کے ان آیات کو عبور کرکے ان کے ماورائی کوئی نئی چیز یا جدید حقیقت دریافت نہیں کرسکے ہیں۔ ان آیات کے نزول کے وقت جس طرح عقل انسانی دلائل و براہین کے تسلیم کرنے اور ان کے سامنے مرعوب و مغلوب اور عاجز ہونے پر مجبور تھی بالکل اسی طرح آج بھی اس کی بے مائیگی اور تسلیم و رضا قائم و برقرار ہے۔ اور فطرت کے مقابلہ میں انسانی قوتیں ان دلائل کے جواب میں کوئی تغیر پذیری نہیں کرسکیں۔ اگر انسان صدق دل کے ساتھ ان پر غور و فکر کرے تو آج بھی قرآنی دلائل کو سننے کے بعد سوائے حیرت زدہ ہونے کے اس کے پاس کوئی جواب نہیں ہے۔ یہی حیرت محمود اور عقل کی فروتنی و بے مائیگی کا احساس ہمیں کائنات کے خالق اور رب العالمین کے حضور میں جھکنے اور عجز اختیار کرنے پر مجبور کرتی ہے۔

سچے فکر و تدبر کے بعد جب ہم اپنے باطن و وجدان سے اس حقیقت کو اپناتے ہیں تو پھر نہیں

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

رب العالمین کی عظمت کو تسلیم کرنے کے لئے کسی دوسرے شخص سے دلائل سننے کی حاجت نہیں رہتی۔

فکر کا منتہائے مقصود

ایک مومن کا حقیقی فکر اس کی باطنی حس کو بیدار کرتی ہے۔ اور عقل کو اس کی انتہائی منزل تک پہنچا دیتی ہے۔ وہاں آدمی بیّن طور پر محسوس کرتا ہے کہ عقل کی دوڑ اور رسائی اس مقام سے آگے نہیں ہے۔ جہاں عقل اپنے ہتھیار ڈال دیتی ہے۔ اور اپنے عجز کو محسوس کرتی ہوئی ساکن و غیر متحرک ہو جاتی ہے۔ وہاں مومن کی فراست ظاہر ہوتی ہے اور فکرِ لطیف کی انتہا وجدان و الہام کی ابتدا تک پہنچا دیتی ہے۔

وجدان کی پورے طور پر بیداری کے بعد کا معاملہ عقل و فہم کے ادراکات سے بالاتر ہے اور اس کی کیفیتوں کو صاحبِ حال ہی پورے طور پر محسوس کر سکتا ہے۔ اس حال کے بعد مومن پر اپنی نفسی اور عقلی فکری تحریکات کا روکنا فرض ہوتا ہے۔ اور وجدان والہام سے آمدہ احکام و اوامر پر کاربند رہ کر اپنی ان باطنی کیفیات کے استقرار و استحکام کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ جس پر حق تعالیٰ کی مدد ان کے شاملِ حال ہو کر انہیں روحانیت کی فضائے بسیط اور باطن کے ان اسرار تک کھینچ لے جاتی ہے۔ جن پر احاطہ کرنا عقل و فکر کی رسائی سے خارج ہے۔

یہ امر مسلّمہ ہے کہ جب تک عقل اپنی انتہا اور عجز کو محسوس نہیں کرتی۔ ساکن ہونے کا نام نہیں لیتی ہے اور عقل کو اپنی انتہا کا احساس دلانے اور سکون تک پہنچانے میں ہماری انتہائی فکری جدوجہد ہی مدد و معاون ہے۔

فکر کے لئے موانعات

فکر کو تحریک میں لانے اور اس کے راستہ کو صاف کرنے کے لئے ابتدائی طور پر ہمیں حقائقِ عالیہ پر ایمان اور بالکل سفلی و مادی چیزوں کی محبت سے نجات کی ضرورت ہے۔

ایک عامی انسان اپنی پیدائش کے بعد زندگی کے ابتدائی مراحل میں اپنے گرد و پیش کی اشیاء، ماحول کے اثرات، عزیز و اقارب اور متعلقات سے اس طرح مانوس و مالوف ہو جاتا ہے۔ اور اس کا نازک ذہن و وجود ان اثرات سے مرعوب و متاثر ہو کر ایک ایسے جال میں پھنس جاتا ہے۔ جہاں اس کا فکر و خیال محدود و متعین ہو کر رہ جاتا ہے۔ اس کی نظر اپنے گرد و پیش کو دیکھنے اور متاثر ہونے میں ایک خاص طرز و اسلوب اختیار کر لیتی ہے اور یہ محدود و متعین نظریہ اور دائرہ خیال اس پر محیط و حاوی ہو جاتا ہے۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

یہ عامی انسان اپنی ضعیف و محدود نظر کے اعتبار سے فطرت کے عالم گیر حقائق کو دیکھنے میں بالکل اس طرح عاجز و مجبور ہوتا ہے۔ جس طرح ایک معمولی حیوان انسان کے وسیع کاروبار اور اس کے جملہ حقائق و اختیارات کو سمجھنے میں قاصر ہے۔ انسانی نفس کے ہیجانات اور احتیاجات اسے اس محدود و ناقص نظر میں مقید رہنے پر مجبور کرتے ہیں۔ اس نظر کا تاثر یہ ہے کہ وہ بار بار آیات کی تلاوت کرنے اور دیکھنے کے باوجود بھی ان کے عجائب و غرائب۔ حسن صنعت اور تنوع خلقت کو نگاہ میں نہیں لا سکتا۔ اس کی نظر اس قدر پست اور بے حس ہوتی ہے کہ وہ اپنے نفسی اور معمولی معاملات کے علاوہ کسی مافوق حقیقت کو نہیں دیکھتا۔ فطری اور عالمگیر حقائق کو دیکھنے میں اس کی نظر قاصر اور طبیعت نہایت درجہ ڈل ہوتی ہے۔ درآنحالیکہ اقتصادی و معاشی معاملات میں وہ شخص نہایت چاق و چوبند اور چست و ہوشیار ہوتا ہے۔ اس نظر کو تبدیل کرنے۔ اس میں وسعت و آزادی اور اعلیٰ حقائق کو اپنانے کی صلاحیت پیدا کرنے میں مفید و معاون امور حسب ذیل ہیں۔

فکر کی تحریک کے لئے معاون خصوصیات

اوّل تو یہ کہ بعض لوگوں کی روح میں فطری طور پر سوز و بیتابی ہوتی ہے اور روحانیت کے قوی ہونے کی صورت میں وہ اپنے ماحول کے اثرات کو توڑ کر آزادی کی بلند فضا میں پرواز کر جاتی ہے۔ ان کے اندر اس قسم کی تڑپ اور باطنی جذب ہوتا ہے کہ وہ طبیعی اور مادی اثرات میں گم ہونے کی بجائے ہر وقت اپنے سوز و اضطراب اور عدم اطمینان کا مظاہرہ کرتی ہے ایسے لوگوں میں تلاش و جستجو کا مادہ فطری و سرشتی ہوتا ہے اگر حالات سازگار ہوں اور فرصت و فراغت کے ساتھ انہیں آیات کا مطالعہ کرنے اور دیکھنے کا موقع مل جائے تو فطرت کے منشا کے مطابق وہ عجائبات کو محسوس کر کے ایمان و ایقان کی دولت کو حاصل کر لیتے ہیں اور مظاہر فطرت میں غور و فکر کا راستہ ان پر کھل جاتا ہے۔ اس غور و تدبر میں انہیں ایک لذت محسوس ہوتی ہے۔ جو دائمی فکر کی محرک بن جاتی ہے۔ اور فکر و ذکر میں جو لزوم واقع ہے۔ اس کے نتیجہ میں وہ شخص ذکر مدام کا حامل ہو جاتا ہے۔

ذکر مدام کیا ہے

خالق کائنات کی عظمت کا ہمیشہ پیش نظر رہنا جو مراقبہ کی حد تک پہنچا دے۔ جو فکر، ذکر کی طرف

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

نہیں پہنچتا وہ سچا اور حقیقی نہیں ہے۔ اور یہ ذکر ہی ہے۔ جو انسان کو جذب و مستی اور شوق و عشق کی منزلوں سے گزار کر روحانیت کے ارفع اعلیٰ مقامات تک پہنچاتا ہے۔ قرآن پاک میں فکر و ذکر کی تلقین ہے۔ اور ان کے مجموعہ کے بغیر زندگی اپنی تکمیل تک نہیں پہنچتی ہے۔

ہست قرآں اختلاطِ ذکر و فکر
فکر را کامل نہ دیدم جز بذکر

(علامہ اقبال)

سچے فکر کے نتیجہ میں دائمی ذکر اور ذکر کے نتیجہ میں مزید وسیع فکر وصول ہوتا ہے۔ دوسرا طریق جو عامی لوگوں میں فکری تحریک کا موجب ہو سکتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ نفسی ہیجانات میں گم گشتگی، روز مرہ کے معمولی واقعات میں انہماک اور اقتصادی و معاشی غلو میں غلو سے باز رہنے کی بتاکید ترغیب دی جائے اور فرصت و فراغت کے مواقع فراہم کر کے اطمینان و سکون کے ساتھ آیات کی تلاوت اور ان کے معانی پر غور و فکر کی تربیت دی جائے۔ جب تک آدمی میں تجرید و تفرید کا کچھ ملکہ پیدا نہ ہو جائے روحِ حقیقی فکر کے لئے آزاد و آمادہ نہیں ہوتی۔ مالوفات و مانوسات جو روحِ انسانی کو ہر وقت اپنے دائرہ میں لے کر اس کی نظر کو مقید و محدود رکھتے ہیں۔ وطن کو چھوڑنے اور سیر و سیاحت اختیار کرنے پر اپنے اثرات کی گرفت کو قدرے ڈھیلا کر دیتے ہیں۔ نئے مقامات اور عجائب و غرائب مصنوعات کو دیکھنے پر انسان میں علمی و فکری ذوق کا ملکہ ابھر آتا ہے۔ اور غور و فکر کے ذریعہ ایمان حاصل کرنے کی راہیں اس پر آسان ہو جاتی ہیں۔

ایمان و کفر کے تقابلی خصائص و لوازمات

حق تعالیٰ پر کامل ایمان جس کے ذریعہ اس کی آیات کی عظمت دل میں قرار پاتی ہے۔ حقیقت میں ایک وہبی امر ہے اور کسب کو اس کے حصول میں بہت کم دخل حاصل ہے۔ یہ ایک نور ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کے اذن سے دل پر وارد ہوتا ہے۔ اور اپنے کسب و اعمال سے ہم صرف اس کو بڑھانے یا گھٹانے کا کردار ادا کرتے ہیں۔ انسان خود اپنی طبیعہ کو پیدا تو نہیں کر سکتا۔ مگر اس کے لئے مناسب زمین تیار کرنے میں اسے عمل دخل حاصل ہے۔

ایمان اور کفر دو ایسے امر حق ہیں جن کے وارد ہونے کے لئے نفس کے مخصوص حالات و کیفیات

86060

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ذمہ دار اور شرط و سبب ہیں۔ جن کے بغیر ان کے دل میں پیدا ہونے کا معاملہ وقوع پذیر نہیں ہوتا۔ اور یہ بات بالکل اسی طرح واقع ہوتی ہے۔ جس طرح دوسرے امور بعض اسباب و لوازمات سے متعلق ہوتے ہیں۔ جس شخص کے دل میں امرِ حق کے لئے تجسّس، نرمی و انابت اور تسلیم کی خو ہو وہ ایمان سے بہرہ ور ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ جو لوگ سخت دل، تنگ نظر، ضدی و بدسرشت اور پست نفسانی خواہشات کے شیدائی ہوتے ہیں اور برے اعمال کے ذریعہ جن کی روح و فطرت پر گہرے پردے پڑ گئے ہوتے ہیں۔ وہ بالعموم نعمتِ ایمان سے محروم رہتے ہیں۔

ایمان کی تعریف اس کے پیدا ہونے کے اسباب و موانعات پر تبصرہ

کسی نادیدہ حقیقت کو ماننے کا نام ایمان ہے۔ اور یہ کوئی عقلی فلسفہ نہیں۔ بلکہ جذبہ ہے۔ جس کے بیدار ہونے کے مختلف ذرائع و مواقع ہیں۔ کبھی کسی سلیم الطبع، متجسس انسان پر علمی و فکری طور پر حقائقِ عالیہ پر اطمینان ہونے کی صورت میں دل سے جاگ اٹھتا ہے۔ کبھی کسی ولیِ کامل کی نگاہِ فیض اثر سے پیدا ہوتا ہے۔ اور کبھی محض فضلِ الٰہی سے آدمی کے باطن میں بیدار ہو جاتا ہے اور اس طرح معلوم ہوتا ہے کہ کسی چھپی ہوئی چیز سے پردہ ہٹا دیا گیا۔ دراصل اس کا سرچشمہ امرِ الٰہی ہے۔ کیونکہ مَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تُؤْمِنَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ کی بہار اس پر ثبت ہے۔

ہر انسان کی فطرت الٰہی ہوتی ہے فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا اللہ کی فطرت وہی ہے جس پر انسان پیدا کیا گیا، مگر جب وہ عالمِ مادی میں قدم رکھتا ہے۔ اور بچپن سے لے کر بلوغ تک دنیا کے سفلی اثرات کو جذب کرتا ہے۔ تو اس کی بہیمی طبع کی اوٹ میں حقیقی فطرت چھپ جاتی ہے اس کی ملکی خصوصیت بہیمیت و سبعیت اور شیطنت کے پس پردہ ہو کر ساقط و صامت اور بے اثر ہو جاتی ہے۔ اس وقت انسان اپنے تخیلات اور نفسی ہیجانات کا غلام بن جاتا ہے۔ والدین کی تربیت اور ماحول کے اثرات میں مقید ہو جاتا ہے۔ اور ظاہر طور پر اس کی اصلاح کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔

لیکن جن نفوس میں جذبۂ آزادی کا وفور اور ہر تقلید سے نفور ہوتا ہے۔ جو سلیم الطبع ارادی گناہوں سے محفوظ، خاموش طبیعت اور متجسس ہوتے ہیں ان کیلئے سعادتِ ازلی صلاح و فلاح کا سامان

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

پیدا کرتی ہے۔ ایسے نفوس جب سن بلوغ کے قریب پہنچتے ہیں تو ان کے باطن میں ضمیر کی آواز پیدا ہو جاتی ہے۔ اور جوں جوں وہ اس آواز پر عمل پیرا ہوتے ہیں۔ یہ آواز بلند تر ہوتی جاتی ہے۔ یہ ایک قسم کا الہام ہوتا ہے۔ جس میں غلطی کا امکان بہت کم ہوتا ہے۔ اس آواز کا مقام آدمی کا دل ہوتا ہے۔ اور دماغ سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ صاحب حال انسان اس حقیقت کو اچھی طرح پہچانتا ہے۔

اس آواز کے محسوس ہونے پر آدمی کے دل میں عالم بالا اور روحانیت سے اعتقاد اور ایمان راسخ ہو جاتا ہے۔ ضمیر کے احکام پر مسلسل عمل کرنے پر آدمی ملائکہ وارواح کے حقائق کو محسوس کرتا ہے۔ یہی آواز اس کے لئے مرشد کامل کا کام کرتی ہے۔ اور وہ امر حق کے تابع ہو جاتا ہے۔ اس کے باطن میں نور و سرور کی افزائش ہوتی ہے۔ اور جب کبھی انسان کی باطنی کدورت اور کسی غلطی کی وجہ سے یہ آواز رک جاتی ہے۔ اور وہ کسی امر میں فیصلہ نہ کر سکے تو انسان کے دل میں نہایت تنگی اور پریشانی واقع ہو جاتی ہے۔ اور یہ تنگی اس کی روحانی عالم کے ساتھ محبت اور عقیدت کی وجہ سے ہوتی ہے۔ مگر یہ حالت طلب صادق والے انسان میں کبھی دیرپا نہیں ہوتی۔ جلدی ہی اسے باطنی فیضان آنا شروع ہو جاتا ہے۔ اور پھر وہ ہدایت و سچائی کے سرچشمہ سے سیراب ہونے لگتا ہے عقل کو گو الہامات میں کوئی دخل نہیں ہوتا۔ مگر ان کے وارد ہونے کے بعد وہ انہیں صحیح تصدیق و تسلیم کرتی ہے۔

بعض لوگوں میں ابتدائے بلوغ کے وقت ضمیر کی یہ آواز پیدا تو ہوتی ہے۔ مگر مادی حجابات کی وجہ سے نہایت مدہم ہوتی ہے۔ وہ اگر اس پر دھیان کر کے عملدرآمد کریں۔ تو بتدریج اس آواز میں بلندی واقع ہوتی ہے۔ اور اگر اس سے بے اعتنائی کریں اور پس پشت ڈال دیں۔ تو یہ آواز بالکل بند ہو جاتی ہے۔ اور وہ انسان نفس اور عقل معاش کے حوالہ ہو جاتا ہے۔ جن کا کام مکاری و حیلہ سازی اور ضمیر کی مخالفت ہے اور اس طرح یہ انسان کو کشاں کشاں پستی و ظلمت کی طرف کھینچ لاتے ہیں۔

بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ کسی امر کے بارہ میں انسان کے ضمیر سے آواز آتی ہے کہ ایسا کام کر مگر وہ لاپرواہی سے اس کے خلاف عمل پیرا ہوتا ہے اور جب اس عمل کا برا نتیجہ پیش آتا ہے۔ تو وہ محسوس کرتا ہے کہ اس نے ضمیر کی آواز کو نہ ماننے کی سخت غلطی کی ہے۔ اگر سلیم الفطرت اور خوش بخت ہے تو آئندہ ضمیر کے احکام پر گامزن ہوتا ہے اور ہدایت کو اپنا لیتا ہے۔ اور اگر طبیعت کا پست اور دنی ہے۔ تو اپنی حیوانی خواہشات کے سپرد ہو جاتا ہے۔ اور ضمیر کی آواز ہمیشہ کے لئے بند ہو جاتی ہے۔ اسلئے ضمیر کا

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

معاملہ بالعموم ایسے لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ جن کی طبیعت میں نہایت درجہ آزادی اور جن کی فطرت کے اندر نسبتِ نبوت کا فیضان ہوتا ہے۔

ایمان کے پراگندہ ہونے کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ ابتدائی عمر میں کسی شخص پر تکالیف اور مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑیں۔ وہ شخص طبعاً حیادار، ضبط وصبر کا مالک اور عام ارادی گناہوں سے بچا ہوا ہو تو یہ مصائب اس کی روح کے لئے مجاہدہ کے قائم مقام بن جاتے ہیں اور اس کے دل میں نرمی وگداز اور جلا پیدا کر دیتے ہیں۔ اس وقت جب یہ شخص سب طرف سے مایوس ہو کر خدا کے حضور میں رجوع کرتا ہے۔ گڑگڑا کر دعا کرتا ہے۔ اور اس کا دل حقیقتاً اس بات کو محسوس کرتا ہے کہ خدا کے بغیر اس کا کوئی یار ومددگار نہیں ہے۔ اس طرح دعا میں خلوص اور خشوع وخضوع اختیار کرنے پر اسے لذتِ مناجات حاصل ہوتی ہے اور حق تعالیٰ کی رحمت جوش میں آکر اسے تسلی بخش دیتی ہے۔ اور وہ روحانی طور پر اپنے سوال کا جواب اور اجابتِ دعا کو محسوس کرتا ہے۔ اس کا حق تعالیٰ کے ساتھ براہِ راست باطنی تعلق پیدا ہو جاتا ہے۔ اس وقت وہ شخص اپنے سارے مصائب کو بھول جاتا ہے۔ اور خدا کا شکر ادا کرتا ہے کہ اس نے ان مصائب کی وجہ سے اپنی طرف رجوع عطا فرمایا اور اس کے دل کو اپنی طرف سے تسلی عطا فرمائی۔

ان احوال میں اس کا نورِ ایمان وایقان بڑھ جاتا ہے۔ اور دعا وعبادت کے اثر سے اس کی روح میں صفائی ولطافت پیدا ہو کر وجدان والہام کی نمو کی صلاحیت ظاہر ہو جاتی ہے۔ یہ انسان کا اپنا ذاتی وعملی تجربہ ومشاہدہ ہوتا ہے۔ اور اس بارے میں کسی دوسرے شخص کا انکار اس کے ایمان میں تزلزل پیدا نہیں کر سکتا۔

ایمان ایک نفسی کیفیت ہے۔ جس کے پیدا ہونے کے اکثر اسباب ولوازمات اور اس کے پھلنے پھولنے کے احکامات انسان اپنی پیدائش کے وقت ساتھ لاتا ہے۔ مابعد کے حالات واثرات سے کفر وایمان کی کیفیات میں کمی وبیشی اور ظہور وخفاء کا عمل ہوتا رہتا ہے۔ اور انسان کا ذاتی کردار ان کی نشوونما میں بہت بڑا حصہ ادا کرتا ہے۔ ایمان وکفر کی کیفیات کا تجزیہ اور تحلیلِ نفسی کرنے پر ہمارے سامنے مختلف نسبتوں کے نہایت وسیع میدان کھل جاتے ہیں۔ جن پر بیک وقت احاطہ کرنا انسانی فکر وخیال کے لئے ممکن نہیں ہے یہ کوئی معمولی کیفیتیں نہیں ہیں۔ اور ان کا فرق مراتب بھی کوئی معمولی چیز نہیں بلکہ

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

جنت و دوزخ کے سارے معاملات ان کی وسعتوں میں سما جاتے ہیں۔

ایمان کا لطیفہ نورانی عطائے ربانی سے فطرتِ انسانی میں ودیعت کیا جاتا ہے۔ ہم اس کی اصل کو عقل و فکر کے زور سے گرفت میں نہیں لا سکتے بلکہ اس کے فطری طور پر حاصل ہو جانے کے بعد اس کی خصوصیات اور نفسی کیفیات پر تبصرہ کر کے اس کے گھٹاؤ اور بڑھاؤ کے مختلف اسباب کو زیرِ نظر لا سکتے ہیں۔

جس طرح نرم زمین ہر قسم کی مفید اور پاکیزہ روئیدگی کے لئے قابل ہوتی ہے۔ اور سخت و سنگلاخ میں سوائے خار زار اور تھوہر کی قسم کے کچھ پیدا نہیں ہوتا اسی طرح ایمان کا شجرِ طیبہ فطرتِ انسانی کے نرم پہلو سے تعلق رکھتا ہے۔ نرم و ملائم اور اثر پذیر دل میں اس کی جڑیں پیوست ہو کر خوب نشوونما پاتی ہیں گویا دل کی نرمی و انابت ایمان کی اصل ہیں۔ جہاں سے یہ مبارک پودا ظہور پذیر ہوتا ہے۔

جو لوگ عمر کے ابتدائی مراحل میں ایمان سے محروم ہوتے ہیں۔ اور مابعد میں بعض اسباب کی بنا پر ایماندار بن جاتے ہیں۔ دراصل روزِ اول ہی سے ان کی فطرت میں ایمان کی جڑیں موجود ہوتی ہیں۔ مگر چند وجوہ کی بنا پر ان کا ظہور اور نشوونما رکا رہتا ہے اور جب ان کے موافق اسباب مہیا ہوتے ہیں تو اس کے برگ و بار ظاہر ہو جاتے ہیں۔

جس طرح نرم زمین اپنے مسامات کے ذریعہ مائے رحمت و رطوبت کو جذب کر کے اپنے اندر محفوظ کر لیتی ہے اور اس سے ہر قسم کے گل و گلزار کو پیدا کرنے کا مفاد حاصل کرتی ہے۔ بالکل اسی طرح مومن کا نرم و پاکیزہ دل ہر وقت علمی ذوق کیلئے کھلا اور ہر قسم کے حقائق کو قبول کرنے کے لئے آمادہ رہتا ہے۔

علوم و واردات کی آمد پر اس کا ذوق وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا جاتا ہے۔ اور ان کے قبول کرنے میں اس کا دل تنگی و گرفتگی محسوس نہیں کرتا۔ نیز حق کو اپنانے میں اپنے سامنے کوئی رکاوٹ نہیں پاتا۔ وہ ہر قسم کی خیرات اور جملہ امکانات پر یقین رکھتا ہے اور قدرت کی وسعت پر اس کا یہ یقین اسے بلند سے بلند تر حقائق کے قریب لئے جاتا ہے۔ فطرت کے ہر اشارہ کو سمجھنے کے لئے اس کا ذوق ہر وقت آمادہ و مستعد رہتا ہے۔ اور اس کے طلب و مقاصد میں مزید وسعت پیدا ہوتی چلی جاتی ہے

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کفر کی طبعی خصوصیات

مومن کے مقابلہ میں کافر اپنے دل کی طبعی سختی کی وجہ سے اپنے نفسی ذوق اور طبعی افتاد کے علاوہ کسی قسم کے علم و واردہ کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔ جس طرح سخت زمین اپنے اندر پانی اور رطوبت کو جذب نہیں کرتی۔ اسی اصول پر کافر کے دل کی سختی حقائقِ فطرت کو اپنے اندر داخل نہیں ہونے دیتی۔ اس کا علمی ذوق محدود و پست ہوتا ہے۔ اور وہ قدرت کی بے نہایت وسعتوں کو تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں ہوتا۔ وہ اپنی تنگ نظر کے معیار پر ہر چیز کو پرکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ اور اسی کے مطابق حکم لگاتا ہے۔ مِنۡۢ بَیۡنِ اَیۡدِیۡهِمۡ سَدًّا وَّ مِنۡ خَلۡفِهِمۡ سَدًّا آیتِ قرآنی کے مطابق کافر اپنے اردگرد تنگ نظری کی دیواریں کھڑی کر لیتا ہے۔ اور ما وراء حقائق کو محسوس نہ کرتے ہوئے اسی تنگی پر مطمئن ہو جاتا ہے۔ اس کا دائرہ نظر چونکہ محدود ہوتا ہے اس لئے اس کے نظریات میں شدت اور تیزی زیادہ ہوتی ہے۔ اور اکثر حالات میں اس کا نفسی اشتعال لے آتش زیر پا رکھتا ہے کافر کی نظر چونکہ اپنے نفسی ذوق کے محدود دائرہ میں مقید ہوتی ہے اس لئے اس میں شدت کے ساتھ غرور و تکبر اور رعونت و خود پسندی کی صفات پرورش پاتی رہتی ہیں۔ عجب و ریا اور مال و جاہ کی محبت اس کی طبعی غذا بن جاتی ہیں۔ آئندہ زندگی اور آخرت کے متعلق اس کی توقعات کچھ نہیں ہوتیں اس لئے اسی زندگی کا عیش و نشاط اس کا سرمایہ حیات بن جاتا ہے۔ اور اپنی سادی زندگی میں وہ بہائم سے بلند مرتبہ ہونے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔

کافر کی یہ پہچان کہ آفاق میں گم ہے
مومن کی یہ پہچان کہ گم اس میں ہیں آفاق

(اقبالؒ)

دل کی تنگی اور بندش کے ساتھ کافر کے نفسیات میں سب سے نمایاں چیز امرِ حق کے متعلق حسنِ سماعت کا فقدان ہے۔ وہ آیات کو سنتا تو ہے۔ مگر غور و فکر کے لئے یہ آواز اس کے باطن تک نہیں پہنچتی۔ اور دلائل و براہین اس پر کچھ اثر انداز نہیں ہوتے۔ آیات بینات اور دلائل و شواہدِ حق کو وہ اپنی ظاہری آنکھوں سے تو دیکھتا ہے۔ مگر اس کی بصیرت مردہ ہوتی ہے۔ جس کی وجہ سے وہ ان کا حقیقی مفاد حاصل نہیں کر سکتا۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

نفسی کیفیات کے اعتبار سے کفار کے بالکل قریب قریب وہ منافق لوگ بھی ہوتے ہیں۔ جو ظاہر زبان سے تو ایمان کا اقرار کرتے ہیں۔ مگر ان کے باطن اس کے انکار کو قبول کرنے سے منکر و قاصر ہوتے ہیں۔ یہ لوگ خود اپنے اور دوسروں کے لئے سراسر دھوکہ ہوتے ہیں۔ ان کی منافقانہ روش انہیں ہدایت کے کسی مرحلہ تک جانے نہیں دیتی اور بالآخران کے ڈھول کا پول کھل جاتا ہے۔

ہمارے مادی عالم سے ماوراء نفس و روح کے احوال و کوائف کو جاننے کی طرف قدم بڑھانے کا نام ایمان ہے اور اس کے بعد ہی ہم حق تعالیٰ کی معرفت کو علیٰ قدرِ استعداد پا سکتے ہیں۔ کفر کا مطلب یہ ہے کہ ہم فی الواقعہ موجود حقائق جو وقتی طور پر ہمیں نظر نہیں آرہے تھے۔ ان کا انکار کر کے ہمیشہ کیلئے ان حقائق کی طرف بڑھنے اور ان کی معرفت حاصل کرنے کا راستہ بند کر لیتے ہیں۔

کسی حقیقت کو اپنے علم تک محدود جان لینا انسان کی انتہائی بدبختی اور شقاوت ہے اور اس طرح کا انکار اس کے لئے علوم و معارف کے حصول کے حق میں سدِ سکندری بن جاتا ہے۔ اس کی مثال اس طرح ہے کہ ایک شخص کسی پہاڑ کی چوٹی پر ٹھنڈے اور میٹھے پانی کا چشمہ دیکھتا ہے اور وہ نیچے آکر اس کے متعلق بیان کرتا ہے تو جو شخص اس کے متعلق اعتقاد کو اپنے دل میں بٹھا لیتا ہے وہ اپنے لئے اوپر جانے کی ہمت و قدرت اور راہ کو کشادہ پاتا ہے۔ مگر جو شخص اس چشمہ سے انکار کر دیتا ہے۔ اس کے دل میں اوپر جانے کی ہمت و تحریک پیدا نہیں ہو سکتی۔

ہر علم میں ترقی ایمان ہی سے ہوتی ہے۔ ظاہری سائنس کے متعلق ہی لیجئے۔ اگر کسی سائنسدان کے دل میں یہ خیال پختہ ہو جائے کہ جو علوم میں نے اپنے مشاہدہ اور تجربات سے حاصل کئے ہیں۔ ان کے ماورائی کوئی اور حقیقت نہیں ہے۔ تو اس کا دل آئندہ ترقی کی کوشش سے ٹھنڈا پڑ جائے گا۔ اور مزید تجربات کرنے کا راستہ اس پر بند ہو جائے گا۔ یہ مادی حقائق کی ماورائیت پر ایمان ہی کا نتیجہ ہے کہ سائنسدان روز بروز نئی نئی ایجادات پر قادر ہوتے جا رہے ہیں۔ اسی طرح روحانی علوم میں بھی ترقی کی طرف قدم بڑھانے کے لئے اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات، ملائکہ، انبیاء، آخرت اور کتب آسمانی پر ایمان لانا شرطِ اولیں ہے۔ یہ ایمان بالغیب ہی ہے جو ہمیں وجودِ ملائکہ، انوارِ نبوت، حقائقِ آخرت اور حق تعالیٰ کی معرفت کے قریب کرتا ہے۔ حالانکہ اس حسی نظر کے ساتھ انسان ان میں سے کسی کی حقیقت کو جان نہیں سکتا۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

مومن کے نفسیات اور درجات

مومن کے نفسیات عجیب و غریب اور اس کے درجات و مراتب بھی بے نہایت ہیں۔ اس کا سینہ حصولِ حقائق کے لئے کھل جاتا ہے اور وہ سراپا تسلیم و نیاز مندی بن جاتا ہے۔ حق کے ہر وارِدہ کو قبول کرنے میں وہ پیش پیش ہوتا ہے اور اپنی وسعت پذیری کے لحاظ سے اس میں جمع ضدین کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ جب وہ حق کی طرف جھکتا ہے۔ تو اثر پذیری کے ملتے پانی سے زیادہ نرم ہو جاتا ہے مگر جب وہ ایمانی حقیقت کو اپنا لیتا ہے اور اپنے دل میں اس پر یقینِ ذاتی حاصل کر لیتا ہے تو اس یقینی حقیقت کو محفوظ کرنے میں وہ اپنے دل کو فولادی سیف سے بھی زیادہ سخت بنا لیتا ہے۔ ابنائے حق کے ساتھ جہاں مومن کا شعار تواضع و فروتنی اور رحم و مودّت کا ہوتا ہے۔ وہی مومن کافر کے سامنے شدّت کا روپ دھار لیتا ہے تاکہ اس کی باطل قوت کا توڑ ثابت ہو سکے۔ الحبّ للہ والبغض للہ میں دونوں صفات چونکہ اللہ واحد کے متعلق ہیں اور اس ذاتِ واحد کے ساتھ مومن کو خاص رابطہ حاصل ہوتا ہے۔ اس لئے اس کی ذات و صفات کی وسعت کی برکت سے مومن بھی اجتماع ضدین کا حامل بن جاتا ہے۔ اور جمال و جلال کی جملہ صفات اس کی ذات میں جمع ہو کر اسے فردِ کامل اور خلقِ عظیم کا حامل بنا دیتی ہیں۔

ہر شخص کے ایمان کی قوت کا مدار اس مشاہدہ یا معرفت کے ضعف و شدت پر ہوتا ہے جو اس کے ایمان کی اوّلین محرک ہوتی ہے۔ فکری یا وجدانی طور پر جس قدر کسی شخص کو حقائقِ عالیہ کے متعلق معرفت ہوتی ہے اتنا ہی زیادہ اس کا ایمان قوی ہوتا ہے۔

ایمان کے ضعف و قوت کے آثار ہمارے احوال کے تغیر اور قوتِ عمل کی تحریکات سے پہچانے جا سکتے ہیں۔ جتنا کسی شخص کے اندر ایمان زیادہ قوی ہوتا ہے۔ اتنی ہی زیادہ شدت کے ساتھ ایمانی تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے اس کی قوتِ ارادی میں وسعت، عدم تذبذب، سرور و کیف اور ایک قسم کی سرمستی کی حالت ہوتی ہے۔ جس کے نتیجہ میں نیکی و ایثار کے کاموں میں اسے خاص قسم کی لذت حاصل ہوتی ہے۔ برائی سے اس کے دل کو طبعاً نفور ہونے لگتا ہے۔ جب وہ شخص نیکی کا کام کرتا ہے تو اس سے روح کو جو سرور و انشراح اور لطافت و پاکیزگی حاصل ہوتی ہے اور ضمیر پر سے جو حجابات دور ہوتے ہیں۔ انہیں وہ یقینی طور پر محسوس کرتا ہے اس احساس کے اندر سے باطنی جنت کا کیف و سرور

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

طلبا ہے۔ اگر کبھی غلطی سے وہ برائی کا کوئی کام کرتا ہے تو اسے محسوس ہوتا ہے کہ اس کے ایمان میں فسخ واقع ہو گیا ہے۔ برائی کے جو کثیف اثرات روح پر مترتب ہوتے ہیں۔ انہیں وہ اپنے وجود میں دواں دواں دیکھ کر افسوس کرتا ہے۔

روح کو اپنی فطرت کے اعتبار سے معروفات سے محبت اور منکرات سے نفرت واباہے۔ اسی لئے جب کوئی آدمی برائی کرتا ہے تو اس سے روح کی نورانیت میں کمی واقع ہوجاتی ہے اور اس پر سیاہی کے نقطے پڑ جاتے ہیں اور برائی کے اندر دوزخ کا جو مادہ موجود ہے اسے حقیقی مومن انسان محسوس طور پر پہچان جاتا ہے روح کی لطافت کے ساتھ نیکی و بدی کے اثرات کو محسوس و مشاہدہ کرنے پر ایماندار آدمی جنت و دوزخ کے حقائق کا پورے وثوق کے ساتھ یقین حاصل کرتا ہے۔ وہ اپنے اندر ایک میزانِ عدل کو موجود پاتا ہے۔ جس پر نیکی و بدی کے اثرات کو تولا جاتا ہے۔ وہ اپنے باطن میں دقتی طور پر موجود جنت و دوزخ کی کیفیات کو بھی دیکھتا ہے اور اگر کسی دوسرے شخص کی طرف نگاہ کر کے اپنی فراست کے ساتھ اس شخص کی نیکی و بدی کے نفسیاتی اثرات کا تجزیہ کر سکے تو اس کے اندر موجود دوزخ و جنت کی مقدار اسے نظر آجاتی ہے۔

ایک دفعہ ایمان کے مکمل طور پر دل میں داخل ہوجانے کے بعد آدمی کی نظر میں انتہائی وسعت پیدا ہوجاتی ہے۔ اس کی عقلِ سلیم اور فکرِ لطیف نیکی سے ہمکنار ہو کر فراستِ صادقہ کا چولہ بدل لیتے ہیں اور ان کے اندر غلطی کا شائبہ نہیں رہتا۔ کیونکہ صاحبِ فراست یَنظُرُ بِنُورِ اللّٰہ ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا نور ہر شے کی حقیقت پر محیط ہے مومن جب صاحبِ فراست بن جاتا ہے تو وہ صاحبِ اجتہاد بھی ہوجاتا ہے۔ وہ تقلید و تقیّد سے ہمیشہ کے لئے آزادی حاصل کر لیتا ہے۔ حقائقِ امور کے متعلق اس کی بالغ نظری کے سامنے کوئی اشکال واقع نہیں ہوتا۔ حقائقِ اشیاء، سیاستِ مُدن اور قانون و فقہ کے متعلق وہ سارے معاملات کو کماحقہٗ سمجھ جاتا ہے۔

اُمورِ شریعت میں انسان کے انفرادی و اجتماعی مفاد میں جو تلازم و تطابق ہے اسے وہ کلی طور پر جاننے لگتا ہے۔ اور ان تمام امور کو سمجھنے پر رموزاتِ رسالت کے متعلق اس کے ایمان و معرفت اور محبت میں نہایت درجہ افزونی ہوتی ہے۔

ایمانِ کامل کے بعد جب انسان قرآن پاک کے مطالعہ میں مشغول ہوتا ہے تو اس پر قرآنی حقائق کا نزول و ورود شروع ہوجاتا ہے۔ اور نہاں در نہاں معانی اس پر واضح ہوتے چلے جاتے ہیں۔ بعض دفعہ

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

معانی اس پر اس طرح وارد ہوتے ہیں گویا نزولِ کتاب ہو رہا ہے۔ اس وقت آدمی کے دل میں نہایت درجہ سرور اور معرفت کا کیف ہوتا اور اسے محسوس ہوتا ہے کہ سارے جہان کے علم اس کے قدموں کے نیچے ہیں۔ اس کی خودی نہایت درجہ بیدار ہوتی ہے اور اس وقت میں اس کی انفعالیت سارے جہاں کی فعالیت پر محیط ہوتی ہے اس عالم میں وہ ہدایتِ الٰہی کے علاوہ اخذِ علم کے دوسرے سارے طریقوں سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ جب تک انسان پر نزولِ کتاب نہ ہو اور وہ اس کی کیفیات سے کما حقہٗ واقف نہ ہو جائے علمی اشتباہ کا ازالہ نہیں ہو سکتا۔ اور انسان کی طبیعت بیرونی مطالعہ سے سیر نہیں ہوتی۔ اسی حقیقت کے متعلق علامہ اقبالؒ نے کیا خوب کہا ہے ؎

تجھے کتاب سے ممکن نہیں فراغ کہ تو
کتاب خواں ہے مگر صاحبِ کتاب نہیں

اس نزولِ کتاب میں جب بتدریج اضافہ ہوتا ہے تو یہ علم لدنّی کا قائمقام بن جاتا ہے۔ مختصر طور پر کفر و ایمان کی خصوصیات سے واقف ہونے کے بعد یہ حقیقت واضح ہے کہ ایک مومن ہی اپنے دل کو مادی حقائق سے قدرے آزاد کر کے حق تعالیٰ کی بیان کردہ آیات پر غور و فکر کے لئے آمادہ و مستعد کر سکتا ہے۔ آیات کا مطالعہ ہی اس کے دل میں مختلف سوالات پیدا کرتا ہے اور خود ان آیاتِ بینات ہی سے ان سوالات کے جوابات باصواب اور براہین قاطع حاصل ہوتے ہیں۔ جن پر عقلِ سلیم قانع اور ذوق و وجدان مطمئن ہو جاتے ہیں۔ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ (البقرہ) فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ابتدائے آیات میں سے یہ بات ثابت ہے کہ مطالعہ کتابِ پاک سے ہدایت و فلاح کا دروازہ صرف مومنین، متقین اور مخلص عاملین کے لئے ہی کھلتا ہے۔

جن لوگوں کی طینت کو حق تعالیٰ نے کفر پر بنایا ہے۔ اور دل کی تنگی کی وجہ سے وہ انکار پر جم گئے ہیں۔ ان کے سامنے آیاتِ بینات کا بیان اور حقائقِ فطرت کی تشریح فائدہ مند نہیں ہوتی۔ یا دیانِ حق کے ساتھ بغض و عناد اور حسد و دشمنی کی بنا پر خود حقائق نے جن کے دلوں پر مہر لگا دی ہو ان کے سینہ کو کشادہ کرنا اور اس میں نورِ ایمان کا داخل کرنا کسی انسان کے بس کی بات نہیں ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام اور وہ مخلص لوگ . . . .

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

جن کے دلوں میں نسبتِ نبوّت کا پرتو اثر انداز ہے۔ ہدایت اور فوز و فلاح کی روشنی کو سب انسانوں تک پہنچانے میں نہایت حریص ہوتے ہیں۔ وہ جس نور و طمانیت کو اپنے دل میں موجود پاتے ہیں اسے عام انسانوں تک پہنچانے کی انتہائی کوشش کرتے ہیں۔ اور جب اس کوشش میں انہیں اکثر جگہ ناکامی کا سامنا ہوتا ہے۔ تو وہ اپنے دل میں نہایت درجہ قلق و اضطراب، درد و حزن اور ملال کو جگہ دینے لگ جاتے ہیں۔

اس موقعہ پر اپنے مخلص بندوں کے لئے حق تعالیٰ کی رحمت جوش میں آتی ہے اور لَا تَحْزَنْ عَلَیْهِمْ کی آیتِ مبارکہ نازل کر کے ان کے دلوں کی ڈھارس بندھاتا ہے۔ ان کی ذمہ داری کو صرف ہدایت کی تبلیغ تک محدود کرتا ہے اور نسبتِ نبوّت کے جوش میں ہدایت کے کُلی اجرا کا جو کام انہوں نے اپنے ذمہ لگا لیا تھا۔ اس سے انہیں سبکدوش کرتا ہے۔ اور ان پر اپنی مشیتِ ازلی کا راز واشگاف کرتا ہے کہ منکر لوگوں کے دلوں کے ساتھ ہم نے کفر کو پیوست کر دیا ہے۔ اور ہماری مشیت کے بغیر کوئی اسے ان سے جُدا نہیں کر سکتا۔

اعمال کے اثرات کے باعث باطنی ہیئت کے اختیار کا کلیہ

قدرت کا قانون، فطرتِ الٰہی کی سنتِ جاریہ اور نفسیاتِ انسانی کا مسلّمہ ہے کہ انسان اپنے اعمال و کردار سے جس حال و کیفیت کو اپنے اندر جمع کر لیتا ہے۔ اسے آسانی کے ساتھ چھوڑنے پر آمادہ نہیں ہوتا اور یہ حال اس کی روح کے لئے ایک جال بن جاتا ہے۔ جس کی کڑیاں امتدادِ زمانہ اور مداومتِ عمل و کسب کے ساتھ مضبوط سے مضبوط تر ہوتی چلی جاتی ہیں۔ کُلُّ نَفْسٍ بِمَا کَسَبَتْ رَهِیْنَةٌ کے قاعدہ کلیہ کے مطابق جب انسان ایک فعل کی مداومت کرتا ہے، تو اس کی لذت اس کے نفس میں راسخ و مرکوز ہو جاتی ہے اور مابعد میں اس فعل سے باز رہنا قریب قریب ناممکن ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مومن اپنے ایمانی تقاضا کے مطابق عمل کر کے اپنے ایمان کو بڑھاتا ہے۔ اور کافر و منافق اپنی طبعی روش پر چل کر اپنے کفر و نفاق کو مستحکم کرتا ہے۔ اعمال کے باطنی اثرات و کیفیات کے دھارے کا رُخ موڑنا ابتدا میں آسان ہوتا ہے۔ مگر مدتِ مدید تک ان کے مسلسل تکرار سے جو اثر و حال پیدا ہو جاتا ہے۔ اس کا مٹانا اور مٹانا شدید جد و جہد کا رہینِ منت ہوتا ہے۔ اور اس اجتہاد کا خود عامل کے

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ایقان سے پیدا ہوتا اس سے ہی زیادہ شامل ہے۔ جہاں کہیں بھی اس کا ... ہوتا ہے اس کے پس منظر میں ضرور کسی قوی صاحب توجہ بزرگ کا تصرف شاملِ حال ہو کر کارفرما ہوا ہے۔

کافر کا اپنی نسبت سے پیار اور اس پر انحصار

مذکورہ کلیات کی رو سے ہی كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ کا اصول و نظریہ پیدا ہوتا ہے۔ اور ہر شریر و فاسق اپنے عمل و حال کا مداح بن جاتا ہے۔ اپنے عمل کے سوا کوئی بات پسندِ خاطر نہیں ہوتی۔ اور انسان ہر شر و فساد کو اپنی نظر میں حسن و خوبی گمان کرکے کلیتاً اس میں گم ہو جاتا ہے اور اس کے رو براہ آنے کی کوئی امید نہیں رہتی۔ کافر اپنے محدود نظری علم کے ماسوا سے انکار کرتا ہے۔ اور اس میں تقلیدی استعداد کا فقدان ہوتا ہے۔ اور اگر تقلیدی حس ہوتی بھی ہے تو وہ تعصبِ جاہلی میں گم رہتی ہے۔ اور اس کے اندر نہایت درجہ ضد اور ہٹ دھرمی ہوتی ہے۔ وہ اپنی طبعی نسبت کو چھوڑ کر کسی دوسری نسبت کو قبول کرنے پر آمادہ نہیں ہوتا۔

مومن کا علمی ذوق ہر نسبت کو قبول کرنے کے لئے آمادہ و تیار

اس کے برخلاف مومن فکر و نظر کی وسعت کے باوجود ایمان بالغیب اور تقلید فی الحق کیلئے مستعد رہتا ہے۔ اس کا سینہ وسیع ہوتا ہے اور جب ایک نسبت میں پختگی کے بعد اس کے لئے کسی دوسری نسبت کا دروازہ کھولا جاتا ہے۔ تو گو اس نئے دروازے میں داخل ہوتے وقت وہ قدرے ہچکچاہٹ اور تکلیف محسوس کرتا ہے۔ مگر اس کا وجدان حقیقتِ جدیدہ کی لذت و شناسائی کے لئے قدم آگے بڑھاتا ہے اور وہ نئی نسبت کے مفادات سے بہرہ اندوز ہوتا ہے۔

حسنِ سماعت مومن کا طرۂ امتیاز ہے اور اس کی یہی صفت آیات پر غور و فکر کرنے کی داعی ہے۔ جب وہ تلاوت کرتا ہے۔ تو اس میں عجلت و تیزی مطلقاً نہیں ہوتی بلکہ ٹھہراؤ اور نرمی کا انداز ہوتا ہے۔ ہر آیت کا بار بار تکرار کرکے وہ اس کے معارف و معانی کو اخذ کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

مومن کی قرأت کا طریق

بوقتِ قرأت وہ اپنی روح کی تمام قوتوں کو حسنِ سماعت میں جمع کر لیتا ہے۔ اور اسی یکسوئی کے

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

بل پر الفاظ سے ماورائی معانی کو اپنے سامنے مجسم پاتا ہے۔ اس کے لئے عامی لوگوں کی طرح تلاوت میں کتاب کو ختم کرنے کا تصور نہیں ہوتا اور کلام پاک کو گھاس کی طرح کاٹتے چلے جانا اس کے لئے ناممکن ہوتا ہے۔ مومن کی روح کلام کے معانی کے ساتھ ربط و پیوستگی حاصل کرتی ہے اور ارفع و اعلیٰ عالم گیر حقائق کو اس کا علمی ذوق اپنی آغوش میں لیتا جاتا ہے۔ کلام اور صاحبِ کلام کی عظمت اس کے دل پر مستولی ہوتی ہے اور اس کے نتیجہ میں کلام کے اسرار و معانی حال و حقیقت کی صورت میں اس کے دل کی گہرائیوں میں اترتے چلے جاتے ہیں جب تک وہ ایک آیت کے معانی و مطالب کو کلی طور پر اپنے دل میں جذب نہیں کر لیتا دوسری آیت کی طرف پلک کر نہیں جاتا اور وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا کا پورا مفاد حاصل کرتا ہے۔

اپنی حقیقت کے متعلق مومن کے باطن میں سوال و جواب

جب مومن کے دل میں غور و فکر اور حقیقت کی تلاش و جستجو کا داعیہ پیدا ہوتا ہے تو اس کا سب سے پہلا سوال اپنے نفس و ذات کے متعلق ہوتا ہے کہ میں کیا ہوں اور کہاں سے آ گیا ہوں؟

اس کے جواب کی تلاش میں اس کا فکر اپنے ماضی کی طرف دوڑتا ہے اور وہ اپنا تجزیہ اور تحلیلِ نفسی کرتا ہوا بالآخر ماں باپ کے نطفہ تک پہنچ جاتا ہے۔ اس صورتِ حال کو تصور میں لانے پر ظاہری نظر میں اس کے ماں باپ ہی خالق معلوم ہوتے ہیں۔ مگر جب اس کے خیال میں وسعت آتی ہے۔ اور وہ قیاس کرتا ہے کہ میرے ماں باپ بھی میری طرح مجبور محض اور اپنی خلقت میں اپنے ماں باپ کے محتاج ہیں تو ان کے خالق ہونے کا نظریہ معدوم ہو جاتا ہے۔

اب اس کا فکر نسلِ انسانی کے ماضی کی طرف چلتا ہوا نوعِ انسانی کو محدود ہوتا ہوا محسوس کرتا ہے۔ اور بالآخر اس تناسل کا سلسلہ کم ہوتے ہوتے ایک ماں باپ پر ختم ہوتا ہے جو سب سے اوّل پیدا ہوئے اور جن سے پہلے کوئی انسان روئے زمین پر موجود نہیں تھا۔

اس نظریہ میں کسی قسم کا اشکال نہیں ہے۔ اور معمولی قسم کا آدمی بھی اسے اپنے ذہن و فکر میں اپنا سکتا ہے۔ یہ صورتِ حال بیّن اور واضح ہے۔ تاریخی شواہد اس پر مکمل طور پر دلالت کرتے ہیں اور ظاہری حواس سے بھی ہم اسے محسوس کرنے میں کوئی دقت نہیں پاتے۔ تناسل کا یہ سلسلہ نوعِ انسانی کے علاوہ دیگر ہر قسم کی جاندار مخلوق میں بھی جاری و ساری ہے۔ حیوانات سے نچلے درجہ میں

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ت میں بھی یہی صورتِ حال ظہور پذیر ہے۔ اور یہ ایک مضبوط و مستحکم نظام کی شکل اختیار کئے
ئے ہے۔

جب ہم اپنے تصور میں انواعِ مخلوقات کے اجدادِ اولین تک پہنچ جاتے ہیں تو اس وقت
کے متعلق جو سوال ہمارے ذہن میں پیدا ہوتا ہے۔ وہ حقیقی اور مشکل سوال ہے جس کے حل
ہماری عقل و فکر پیچ و تاب کھاتی اور راستہ کو مسدود پاکر حیرت زدہ ہو جاتی ہے۔

اس مقام پر انواعِ مخلوقات کے مبداءِ اول کو جاننے کا علم فکر کو تازیانہ لگاتا ہے۔ تو ایمان کی
نی میں آیات کا مطالعہ ہی اس کی جولانی کا راستہ پیدا کر دیتا ہے۔

کی عدمیت تک جانے کی مثال

اس وقت ہمارے طرزِ فکر و نظر کا راستہ بالکل اُس رہگذار کی طرح ہوتا ہے۔ جو ایک پہاڑ
یدھا چلتے چلتے بالآخر ایک ایسے مقام پر پہنچ جائے۔ جہاں پہاڑ کے ختم ہونے پر راستہ مسدود
ہو۔ اس کی نظر کے سامنے بادلوں کا گھٹا ٹوپ اندھیرا ہو۔ اور ظاہری طور پر
بنا اس کے لئے ناممکن ہو۔ مگر اس راہگذار کی جدت پسند اور مضطرب روح
ید ہونے کی بجائے منزل کی تلاش میں ہر امکانی راہ پر چلنے کے لئے تیار ہو اور اس جدوجہد میں جب
وہ نیچے کی طرف جست لگائے اور عمق میں اترنا شروع کر دے تو دورِ نشیب میں اسے ایک ایسی حسین
وح پرور وادی نظر آجائے۔ جس کا اسے پہلے تصور بھی نہیں تھا اور اس وادی کی وسعت میں فردوس
گوش مناظر و نغمے اسے اپنے اندر جذب کر لیں۔

جس بات کے جاننے میں انسان حیران و ششدر ہے۔ اسی بات کو اس کا خالق جب اپنی عظمت
قدرتِ کاملہ کے طور پر پیش کرتا ہے اور وہ آیات مبارکہ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ يَكُ شَيْـًٔا۔
سورۂ مریم) اور هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْـًٔا مَّذْكُوْرًا (سورہ دہر)
کے مضامین کو اپنے فکر کا مرکز بناتا ہے۔ تو اچانک اس کا فکر اپنی عدمیت کی طرف لوٹ جاتا ہے۔
عدم کی گہرائیوں میں غوطہ زن ہو کر جب وہ اپنے وجود کو تلاش کرتا ہے۔ اور کچھ نہیں پاتا تو فطری وجدانی
طور پر اس کے باطن سے اپنے اور تمام اشیاء کے خالق کا یقین ابھر آتا ہے۔ اور اب اگر توفیقِ حق شاملِ
حال ہوتی ہے۔ تو اس مومن کا فکر اپنے خالق و رب کی قدرت و حکمت کے نشانات کی تلاش میں سرگرم
عمل ہو جاتا ہے۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

اس موقعہ پر مومن کی عقل و فکر کو اپنی جولانیوں کے لئے نہایت وسیع میدان نظر آتے ہیں۔ جن
کی وسعتوں کا احاطہ کرنا انسانی امکان سے خارج ہے۔ جس پر آیات مبارکہ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا
وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ ۔ ـــــ دلالت کر رہی ہیں۔ ہر انسان اپنی
قوت اور فکری استعداد کے اندازہ پر اس میدان کی سیر کرتا ہے۔ اور اس کے مطابق اس کے بیان کا
ہوتا ہے۔

جب بندہ مومن اشیا کی عدمیت میں ڈوب کر فعلیت حق کا ملاحظہ کرتا ہے تو اس کی چشم بصیرت
شیونات و صفات حق کو دیکھنے کے لئے وا ہو جاتی ہیں۔ سب سے پہلے جن صفات کے نشانات
نظر آتے ہیں۔ وہ حق تعالیٰ کی قدرت مطلقہ اور حکمت بالغہ کی صفات پاک ہیں اور ان کے ساتھ ہی اس
کے کامل اور محیط علم عظمت و جلال اور لطف و رحمت کا شعور بھی شامل ہو جاتا ہے۔

عدم میں اشیاء کو بے نشان پانے کے بعد ذات مطلق واحد القہار کا احساس و شعور اس کے
لاشعور سے ابھر آتا ہے۔ اور توحید خالص کے ادراک کا راستہ اس کے لئے آسان ہو جاتا ہے
جب فکر پر اشیا کی عدمیت کا تصور غالب آجاتا ہے۔ تو والدین کے خالق ہونے کے متعلق
ابتدا میں جو مغالطہ ہوا تھا۔ وہ بالکل نابود ہو جاتا ہے۔ اور انسان کو ہر شئے کے معائنہ میں فعلیت
صفات حق کی تلاش کے سوا کچھ نہیں سوجھتا۔

والدین کے ذریعہ طریق تخلیق میں حق تعالیٰ کی حکمت

حق تعالیٰ ہر طریق پر مخلوق کو پیدا کرنے پر قادر ہے مگر والدین اور نطفہ کے ذریعہ طریق تخلیق کو
اجرا کرنے میں جو مفاد و حکمتیں مضمر ہیں۔ اور جو حسن و خوبی پیدا ہو کر کائنات میں استقرار و استحکام
ہو سکا ہے۔ وہ کسی اور طریق میں متصور نہیں ہو سکتا۔

تخلیق کائنات سے ذات مطلق کا مقصود سوائے ظہور صفات کے اور کچھ نہیں اور اس
تخلیق میں ان تقدیرات معینہ اور سنت جاریہ میں جس طرح کثرت سے ظہور صفات کا انتظام وانصرام ہے
کسی اور طریق میں ممکن نہیں ہے۔

حق تعالیٰ کی تخلیق کے ادراک سے جذبہ عبودیت کی تولید و توثیق

جب انسان اس بات کو جان جاتا ہے کہ اس کی اور اس کے آباؤ اجداد کی تخلیق اللہ تعالیٰ نے
فرمائی ہے۔ تو اس کی عبودیت کا جذبہ حق تعالیٰ کے لیے خالص ہو جانا لازمی امر ہے۔ جو لوگ اس

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

نہیں اپناتے انہوں نے گویا اللہ تعالیٰ کی خالقیت اور اپنے مخلوق ہونے کو تسلیم نہیں کیا۔ اور ان لوگوں کی ہدایت و رہنمائی کے لیے ہی اللہ تعالیٰ نے مندرجہ ذیل آیات کو نازل فرمایا ہے۔ یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ وَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ .... وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۔ (سورہ بقرہ)

غور و فکر کے دوران، فطری طور پر انسان کی نظر سب سے پہلے جس چیز یا بات کی طرف اٹھتی ہے اللہ تعالیٰ نے بھی سب سے اوّل اسی کا مذکور فرمایا ہے کہ لے گروہ انسان تو اپنے اس رب کی عبادت کر جس نے تجھے اور تیرے آباؤ اجداد اور جملہ اسلاف کو پیدا فرمایا ہے۔ یہ ایک ایسا حکم ہے جس میں کسی سلیم الطبع انسان کے لئے مجالِ انکار نہیں اور جب ایک انسان صدق دل اور سکون و اطمینان کے ساتھ، ان آیات پر غور و فکر کرتا ہے۔ اور چشم بصیرت سے اس امر کو واضح طور پر دیکھتا ہے کہ اس کی اور اس کے آباؤ اجداد کی پیدائش و ربوبیت حق تعالیٰ کی صفت و قدرت کی رہینِ منت ہے تو اس کا دل خود بخود اس ذاتِ مقدس کی عبادت گزاری کے لئے آمادہ ہو جاتا ہے۔ عناصر عالم کی ساری قوتوں کو جب وہ حق تعالیٰ کا مخلوق و مسخر اور اس کی مقررہ تقدیرات کا پابند پاتا ہے اور صرف اس واحد القہار کی قدرت و جبروت کو کارفرما دیکھتا ہے تو شرک کے سارے داعیات اس کے باطن سے مٹ جاتے ہیں۔ حق کے مقابلہ میں جن عناصر و اشیاء کی عظمت اس کے دل میں پہلے جاگزیں ہوتی ہے۔ انہیں حق تعالیٰ کا مخلوق و مسخر دیکھ کر دل کی تعظیم حق کے لئے خالص ہو جاتی ہے اور تقویٰ کا شعار اس کی روح کا شیوہ بن جاتا ہے۔ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ میں حق تعالیٰ نے جس علم و معرفت کی یاد دہانی کرائی اور ان کی طرف بلایا ہے وہ پورے طور پر دل کو اپنے احاطہ میں لے لیتے ہیں۔

انسان کے عدمِ محض اور حق تعالیٰ کے خالق ہونے کا بیان

کائناتِ عالم کی ہر شے میں حق تعالیٰ کے علم و حکمت، قدرت و ربوبیت اور حسنِ صنعت کے نظائر جلوہ فرما ہیں۔ غور و فکر کیلئے انسان کا اپنا وجود ہی اس قدر صنائع و عجائبِ حکمت کا مرقعہ ہے کہ اس کی ساری عمر صرف ہو جائے مگر وہ ان پر کلی طور پر عبور حاصل نہیں کر سکتا۔

انسان اپنی پیدائش کے ابتدائی مراحل سے لے کر عمر کے انتہائی انجام تک اپنے وجود کے مختلف تغیرات کو دیکھتا ہے۔ تو اس میں کسی مقام پر بھی اپنا ذاتی تصرف محسوس نہیں کرتا۔ اگر انسان

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کے وجودی ذرات اور مادہ اس کی پیدائش اور تشکیل و ترتیب میں خود مختار ہوتا تو انسان کے پاس اختیار کا علم ہونا ضروری تھا۔ اور وجودی تغیرات کے رونما ہونے سے پہلے اسے ان کے متعلق مکمل ہونا چاہیے تھا۔

کیا انسان کو اس بات کا کلی علم ہے کہ اس کا مادۂ اولیٰ اور ماں باپ کا نطفہ کن عناصر سے ترکیب پایا ہے؟

کیا انسان کو نطفہ کے وجود میں پیدا ہونے اور پختگی تک پہنچنے کے سارے مراحل سے گزرنے کا علم حاصل ہوتا رہتا ہے؟

کیا نطفہ اس بات کو جانتا ہے کہ اس پر کیا تغیرات رونما ہونے والے ہیں؟ رحم کے اندر وجود انسانی کی ترکیب و تشکیل میں کئی تغیر و تبدلات ہوتے ہیں۔ اور وہ ارتقائی مراحل کو طے کرتا ہوا بالآخر مکمل وجود انسانی کی شکل اختیار کرلیتا ہے۔ اور پھر قدرت کاملہ اسے رحم سے باہر لانے کا انتظام و ہدایت فرماتی ہے۔

کیا اس سارے عرصہ میں اپنی ذات کے متعلق کوئی علم و تصرف ہوتا ہے؟ ان تمام حالات میں انسان محض مجبور و بے بس ہے اور اس کا ذاتی ارادہ و اختیار کہیں نظر نہیں آتا۔ اس لئے ارشاد باری
هُوَ اَعْلَمُ بِكُمْ اِذْ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاِذْ اَنْتُمْ اَجِنَّةٌ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ فَلَا تُزَكُّوْا اَنْفُسَكُمْ
جس کا مطلب ہے کہ تم اپنے پیدا ہونے میں مجبور محض ہونے کا قیاس کرو۔ اور اپنے وجود کو مقدس مت سمجھو۔ تمہارا خالق ہی بہتر جانتا ہے کہ اس نے تمہارے مادہ اولیٰ کو زمین کے کن عناصر سے اکٹھا کیا اور کس طرح عجز محض کے وقت ماں کے رحم میں تمہیں پرورش دے کر مکمل کیا۔

پیدائش کے بعد تمہاری ماں کے دل میں شدید محبت ڈالی اور اس کے وجود میں تمہاری خوراک کا انتظام کیا۔

اس حُسنِ صنعت اور نظام ربوبیت میں کیا تمہارا کوئی ذاتی عمل دخل ہے؟ جب تک تمہارا معدہ کمزور اور لطیف غذا کا محتاج تھا تمہیں ماں کا دودھ پلایا اور جب اس میں تحمل و برداشت اور گاڑھی و سخت غذا کی ضرورت ہوئی تو تمہارے دانت پیدا کئے اور مناسب غذائیں مہیا کرنے کے لئے ماں باپ کو تمہارا خادم بنا دیا۔ اب تمہارے قوائے ظاہری و باطنی میں حرکت و بیداری

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

پیدا فرمائی اور بتدریج انہیں نشوونما اور قوت دے کر تمہیں تکمیلِ وجود کے درجہ تک پہنچایا۔ وقتِ مقررہ پر تمہارے اندر ضعف و کہولت کے آثار پیدا ہوتے ہیں اور تم انہیں اپنے ذاتی اختیار سے روک نہیں سکتے ہو۔ اس کے علم ازلی میں تمہاری اجل کا وقت مقرر ہے اور جب وہ آجاتا ہے۔ تو تم بالکل بے بس ہوتے ہو۔ تمہارے ظاہری و باطنی قویٰ کی حدود متعین ہیں۔ تم ان میں تغیر و تبدل نہیں کر سکتے ہو۔ تمہاری عمر کا یہ سارا نظام تعمیر و شکست تمہاری مرضی کے بغیر وقوع پذیر ہو رہا ہے۔ جب تم اس سارے سلسلہ پر ٹھنڈے دل سے غور کرتے ہو تو کیا تمہارا ضمیر و وجدان پکار نہیں اُٹھتا ہے کہ کوئی زبردست خالق و مالک ہے جو اس سارے کارخانہ کو چلا رہا ہے۔ جب تم اپنی بے بسی سے واقف ہو چکے اور تمہارے سوا کوئی دوسرا کارکن بھی نظر نہیں آتا۔ تو پھر اس باطنی الہٰی قوت و قدرت کے اعتراف میں کونسی چیز مانع ہے؟ اسی قدرت کے مالک کا ذاتی نام ہی اللہ تعالیٰ ہے۔ جو تمہیں اور تمہارے آباؤ اجداد کو پیدا کرنے کا دعویٰ فرماتا ہے۔ اور اپنی عبادت کی طرف بلاتا ہے۔ ان حقائق کو سمجھنے کے بعد اس کی خالقیت کو مان لینا اور اس کی آیات کے معانی کی حقانیت کو اپنانا ایک مفکر کے لئے بالکل آسان ہو جاتا ہے۔

انسانی تخلیق میں فکر و نظر کے مختلف موضوعات

حق تعالیٰ کی صفات کو دیکھنے کے لئے مخلوقات میں فکر و نظر کے کئی پہلو ہیں۔ ابھی ہم حق کی خالقیت اور قدرت و ربوبیت کا نظارہ انسانی وجود کی تخلیق میں کر رہے تھے۔ اب ذرا اس کی حسنِ صنعت اور کمالِ ترتیب پر نظر ڈالئے تو اس پہلو میں آپ کو جو علم وصول ہوگا وہ کچھ کم حیرت انگیز نہیں ہے۔ اور اس طرح آپ کے وجدان میں حق تعالیٰ کے علم و حکمت اور قدرت و رحمت کے اعتراف کا جو جذبہ پیدا ہوگا۔ اس کی کیفیات کو نظر انداز نہیں کر سکیں گے۔

یہ بات انسانی نفسیات کا قاعدہ بن گیا ہے کہ اس کے سامنے جو چیز اپنے کثرتِ وقوع کی وجہ سے بالکل عمومیت اختیار کر جائے اس میں خواہ کتنے ہی عجائب و غرائب موجود ہوں نظروں سے اوجھل ہو جاتے ہیں۔ یہی صورتِ حال انسانی خلقت میں عجائبِ صنعت کو دیکھنے کی ہے۔ جب تک ہم فکر کو مقید کر کے اس طرف نہ چلائیں خود بخود کام نہیں کرتا ہے۔ اور یہ مسلّمہ بالکل واضح نظر آتا ہے کہ بدیہی امور میں فکر کا چلانا زیادہ مشکل ہوتا ہے۔ البتہ جب کبھی کوئی غیر معمولی حسین و جمیل اور متناسب الاعضاء شکل یا غیر معروف اور نئی چیز نظر آتی ہے۔ تو انسان قدرے حیرت و استعجاب محسوس کرتا ہے۔ اور مومن

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ہونے کی صورت میں حق تعالیٰ کی حسنِ صنعت کا اعتراف اس کے باطن میں جاگ اٹھتا ہے۔ اور اس کی زبان پر خود بخود فَتَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ کے الفاظ آجاتے ہیں۔

نفسی ہیجانات سے فراغت حاصل کرکے اگر ہم سکون و اطمینان کے ساتھ خلقتِ انسانی میں غور و فکر کرنا شروع کریں تو حق تعالیٰ کے کمالِ علم و حکمت اور قدرت و صنعت کے عجائب ہماری نظروں کے سامنے آجائیں گے۔

مختلف غذاؤں کو عورت و مرد کی وجودی مشینوں میں ہزاروں عوامل و مراحل سے گزار کر مادۂ منویہ اور انسانی جوہر کو ایسی شکل میں تبدیل کرنا۔ جس کے اندر، اُن کے جملہ ظاہری و باطنی اطوار و خصوصیات کا عکس غیر منفک طور پر شامل ہو جائے کیا رب العالمین کی حکمت و قدرتِ کاملہ کا ثبوت نہیں ہے؟
اس مادہ کو ایک خاص مقام میں محفوظ و جمع کرنے کے لئے مرد و عورت میں شہوانی جذبات اور اعضائے تناسل کو پیدا کرکے کس طرح صحبت و مجامعت کے عمل کو قائم کیا۔ اور اس طریقِ کار سے کس طرح انسانی زندگی میں اس قدر رومان و رعنائیاں پیدا کر دیں۔

کیا یہ سب کام بغیر اس کی حکمت و رحمت کی مجوزہ سکیم کے رونما ہو گئے ہیں؟ نظامِ عالم میں جس طرح انسانی زندگی کے قیام کے لئے خورد و نوش کی اشیاء کو پیدا کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے۔ بالکل اسی قدر و اہمیت کے ساتھ نسلِ انسانی کی بقا و استقرار کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ اور جنسی معاملات میں کسی وقت کمی واقع نہیں ہوتی۔ رحمِ عورت میں نطفہ پر جو تغیرات رونما ہوتے ہیں اور جس طرح وجودِ انسانی کے اعضاء و جوارح کی تقسیم و تعمیر ہوتی ہے کیا اس میں کسی انسانی علم و ارادہ کو دخل حاصل ہے؟ رحمِ مادر میں تعمیرِ وجود کی تکمیل اور روح کی روانی کے بعد اس کے تغذیہ کے لئے جس طرح خونِ حیض کو غذائے لطیف میں تبدیل کیا کیا جاتا ہے۔ کیا اس کے پیدا کرنے میں ماں اور بچہ کو کوئی اختیار حاصل ہے؟ اور کیا اس میں حق تعالیٰ کی کامل رحمت و ربوبیت کے نشانات موجود نہیں ہیں؟ رحمِ مادر میں جب بچہ تکمیل و پختگی حاصل کر لیتا ہے۔ اور اس مقام میں اُسے تنگی محسوس ہوتی ہے۔ تو کون اس کے دل میں اس بات کا علم و ارادہ القاء کرتا ہے کہ الٹا ہو کر اس تنگ راستے سے باہر نکلنے کی کوشش کرے؟

بچہ کے پیدا ہونے سے عرصہ پہلے اس کی خوراک کا انتظام ماں کی چھاتی میں نہایت موزوں جگہ پر کر دیا گیا۔ اور اس میں ایسی صنعت کی کارفرمائی کی کہ وہ نہایت آسانی کے ساتھ اس لطیف و مناسب غذا

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کو اخذ کر سکے اور ماں کو بھی کوئی دقت و تکلیف محسوس نہ ہو ۔ بلکہ بچہ کے دودھ پینے کے بعد اس میں لذت وہلکا پن آجاتا ہے ۔ کیا اس سارے عمل میں ماں اور بچہ کو کوئی اختیار حاصل ہے؟ اور قدرت کی جانب سے وہ اس کے لئے مجبور و پابند نہیں بنا دیئے گئے ہیں ؟

اب ذرا انسانی وجود کی صنعت و تشکیل اور اس کے اعضا کی تعمیر و تکمیل پر غور کرو کہ کس طرح بغیر ہمارے ارادہ اور علم و احساس کے خود بخود نشوونما اور ارتقا کی منازل کو طے کرتے چلے جاتے ہیں ۔ ان کے بنانے اور ترکیب دینے میں اللہ تعالیٰ کی حکمتِ کاملہ نے جس حسنِ صنعت سے کام کیا ہے انسان اس کی داد کیا دے سکتا ہے ۔ جو اُن کے باطنی اعمال و ہیئت اور عمیق حکمتوں کو سمجھنے میں بالکل قاصر و نا اہل ہے !

ابتدائے نظر میں ایک قطرۂ ناچیز سے مختلف اعضا کو نکالنا بجائے خود اس قدر حیرت زا ہے کہ انسان قدرتِ مطلقہ کے سامنے مبہوت ہو جاتا ہے ــــــــــ نہ کوئی ہاتھ کام کرتا ہوا نظر آتا ہے ۔ اور نہ کوئی شے اُس سے مس کرتی ہوئی دکھائی دیتی ہے ۔ ایسا مصور و نقاش حق تعالیٰ کے سوا کوئی اور موجود نہیں ہے ۔ جس کے محض ارادہ کرنے سے ہی اشیاء کا وجود پیدا و متشکل ہوتا چلا جائے ۔

جب انسان اعضا کی موزونیت و مناسبت کو ملاحظہ کرتا ہے ۔ تو حق تعالیٰ کی حکمت و قدرت اس کے سامنے مجسم ہو کر آجاتی ہے ۔ مختلف ہڈیوں کے جوڑ ، رگوں ، ریشوں ، پٹھوں اور گوشت و پوست کے اختلاط سے سر اور چہرہ کی بناوٹ ، ناک کان اور آنکھوں کی مناسب تشکیل اور ان میں مختلف حواس و قویٰ کی افزائش و ظاہری زیبائش کیا کمالِ صنعت و قدرت کی مکمل نمائش نہیں؟ ان اعضا و قویٰ کا آپس میں ربط و ضبط باطنی حکمتیں اور مفاداتِ ناظر کے لئے ایک نہایت تفصیل طلب عنوان کی حیثیت رکھتے ہیں ۔ اس تفصیل میں جو لذت و کیفیت خود ایک محقق و مفکر کو اپنی جدت و جدت حاصل ہوتی ہے ۔ وہ دوسرے کے بیان کرنے میں نہیں آسکتی ۔ اس لئے اس تحریر میں ہمارا مقصود صرف فکر کی راہ کو کھولنا اور آیات کی نشاندہی کرنا ہے ۔ سر اور چہرہ کو گردن کی جوڑ دار ہڈیوں پر رکھا ۔ اس کے مفاد اور فطری ضرورتوں کو اس حکمت و احسن طریق سے پورا کیا کہ ایک عادل و صادق مفکر کے سامنے اگر اور کوئی دلیل نہ ہو اور وہ صرف گردن کی ہڈیوں کے جوڑ کا معائنہ کرے

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

توان کے خالق کی حکمتِ کاملہ اور حسنِ صنعت پر ایمان لانا اس کے لئے ناگزیر ہو جاتا ہے۔

کیا عجیب حکمت وصنعت ہے کہ تم ان ٹھوس ہڈیوں کو دائیں بائیں آگے پیچھے، اوپر نیچے ہر طرف گھما سکتے ہو اور بوقت ضرورت تن کر کھڑا ہو جانے پر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک ہی ہڈی ہے۔ اور اس میں کسی قسم کا جوڑ نہیں ہے۔ عام حالات میں آدمی اس بناوٹ کی قدر و قیمت سے غافل ہوتا ہے۔ لیکن جب اس میں کوئی نقص واقع ہو جائے یا ایک پٹھا ہی ناکارہ ہو جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ہم اس ہیئت و صنعت کی تکمیل کے کس قدر محتاج ہیں۔

ربوبیتِ حق نے ہماری ضرورتوں کو کس طرح پورا کیا ہے اور ہماری تخلیق میں قدرت کے ساتھ کس طرح رحمت کو شامل فرمایا ہے۔ گردن سے نیچے انسان کے اصل ڈھانچہ کی بناوٹ ہے جس میں اس کی زندگی کو چلانے کی مشینری نصب کی گئی ہے۔ اور مختلف اعضا کا باہمی ربط اس طرح بنایا گیا ہے کہ ہر ایک دوسرے کا محتاج ہے۔ ہر عضو میں علیحدہ علیحدہ خواص و قوی کو مقدر و معین کیا گیا ہے۔ اور ہمارے علم و ارادہ کے بغیر وہ ان تقدیرات پر اس طرح کاربند ہیں کہ ہم ان کے خالق کی صنعتِ کامل کو نگاہ میں لائے بغیر نہیں رہ سکتے۔

انسان کو چونکہ اشرف المخلوقات بنایا گیا ہے۔ اس لئے اس کی بناوٹ میں بھی دیگر حیوانات سے امتیازی شان رکھی گئی ہے۔ جو اس کے دو ہاتھوں سے کام کرنے۔ دو ٹانگوں پر کھڑا ہونے اور چلنے پھرنے سے نمایاں ہے۔

ان اعضا کے جملہ مفادات و مصالح کی تفصیل پر حاوی ہونا تو بہت مشکل ہے۔ ہم اگر ایک ہاتھ کی بناوٹ و تقدیرات پر ہی غور کریں۔ تو اس میں ہزارہا حکمتیں نظر آتی ہیں۔ جن میں سے چند بطور نمونہ درج کی جاتی ہیں۔ ہاتھ کو نہایت مناسب موقعہ پر لمبے بازو کے سرے پر بنایا تاکہ کھڑے اور بیٹھے ہر صورت میں اشیاء کو پکڑنے میں آسانی ہو۔ اس ہیئت کے برخلاف تصور کر کے دیکھو کہ اگر یہی ہاتھ لمبے بازو کی بجائے وجود کے کسی اور حصہ کے ساتھ جڑے ہوئے ہوتے تو ضروریاتِ زندگی کے پورا کرنے میں کس قدر مشکل کا سامنا ہوتا۔ کیا یہ رب کی رحمت اور کمالِ حکمت و صنعت کی دلیل نہیں ہے؟

اب ہتھیلی پر غور کرو۔ اسے چوڑا کر کے اس کی تقسیم پانچ انگلیوں میں کی اور ہر ایک انگلی میں تین

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

تین پوریں رکھیں۔ چار انگلیوں کو ایک طرف رکھا اور انگوٹھے کو ایک طرف تاکہ انگوٹھا سب پر گھوم سکے۔
اور چاروں انگلیوں کو طول میں مختلف رکھ کر ایک صف میں ایک دوسرے کے بعد رکھا۔

اس ترتیبِ خداداد سے بہت فوائد ہیں۔ لینا، دینا اور پکڑنا سب اس سے ہوتا ہے۔ اگر انگلیوں کو پھیلا ہوا رکھو تو ایک طشتری ہے۔ جو چاہو اس پر رکھ لو اور اگر ان کو بند کر لو تو مارنے کا آلہ گھونسہ ہو جاوے گا۔ اگر ادھ کھلی رکھو تو چلو و چمچے کی صورت ہو جاوے گی اور اگر ملا کر کھول دو تو کھرپی یا بیلچے کی شکل بن جائے گی۔ پھر انگلیوں کے سرے پر ناخن پیدا کئے کہ ان کی زینت ہو اور پشت کی جانب سے ان کی روک ہو تا کہ کٹ نہ جائیں۔ اور باریک چیزیں جو پوروں سے نہ اٹھ سکیں ان کو بھی اٹھا سکے اور اپنا بدن حاجت کے وقت ان سے کھجا سکے۔ پس ناخن سب اعضا میں ادنیٰ ہے۔ لیکن اگر بالفرض نہ ہو اور آدمی کو خارش ہو جاوے تو نہایت عاجز اور خفیف ترین خلق ہو جائے اور کوئی بدن کھجلانے میں اپنے ناخن کا قائم مقام نہ ہو سکے۔ ہاتھ کی صنعت میں اس ترکیب و ہیئت کے برخلاف اگر تمام دنیا کے عالم مل کر کوئی اور ہیئت اختیار کرنا چاہیں تو ہاتھ سے جو کام اس وقت سرانجام پا رہے ہیں دوسری ہیئت میں وہ ہرگز ہرگز مکمل نہیں ہو سکیں گے۔ تو ثابت ہوا کہ حق تعالیٰ نے ہمارے اعضا کی تخلیق میں غائیتِ حکمت اور کمالِ رحمت سے کام لیا ہے۔ اور جو صورت اس وقت وقوع پذیر ہے۔ اس کے برخلاف کسی دوسری صورت کا زیادہ مفید حالت میں قائم ہونا ممکن ہی نہیں ہے۔

اسی اصول پر مکمل وجودِ انسانی میں ہڈیوں کے جوڑ اور ان کی ہیئتِ ترکیب اس وضع سے بنائی گئی ہے کہ اس میں حُسنِ صوری و معنوی کے ساتھ ہر قسم کے مفادات جمع ہو گئے ہیں۔ بدنِ انسانی میں اگر ایک جوڑ میں بھی تغیر و تبدل کیا جاوے یا ایک ہڈی کو اپنی موجودہ صورت سے بڑھایا گھٹا دیا جاوے تو وہ پہلی صورت سے بہرحال گھٹیا و ناقص ہو گی اور ہم اس نقصان کو فوراً محسوس کرنے لگیں گے۔

انسان چونکہ اکثر طور پر اپنی بہیمی خودی اور نفسی ہیجانات میں گم رہتا ہے۔ اس لئے اپنی ذات کو مرکزِ فکر بنانے کی بجائے دوسری اشیاء پر توجہ کرنا
اس کے لئے زیادہ سہل و آسان ہے۔ اور یہ بات ہر صاحبِ فکر کو اپنے تجربہ سے ثابت ہو جاتی ہے۔

حق تعالیٰ نے قرآنِ حکیم کی اکثر آیات میں ساری مخلوقات کی تخلیق اور اس کے نظامِ ربوبیت

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

پر غور و فکر کی دعوت دی ہے۔ اور اپنی آیات کو اپنی عظمت و قدرت کی دلیل کے طور پر پیش فرمایا ہے حق تعالیٰ کی حکمت و قدرت کے نشانات ہر چھوٹی بڑی شے میں موجود ہیں اور یہ حقیقت ہے کہ ہمارا ناقص و محدود فکر بڑی اور عظیم الشان اشیاء و آیات کی نسبت بالکل چھوٹی اور کم عمر مخلوقات میں غور و فکر کرنے پر آسانی محسوس کرتا ہے۔ اور اسے اس چیز کے عدم و وجود اور مدتِ حیات پر احاطہ کرنے میں کوئی زیادہ وقت پیش نہیں آتی۔

بڑی اشیاء کی تقدیرات میں نہایت وسعت ہوتی ہے۔ اور ان کے کل علم پر احاطہ کرنے میں ہمارا فکر اپنا عجز محسوس کرتا ہے۔ مگر چھوٹی اور حقیر اشیاء کی تقدیرات آسانی سے ہمارے دامِ فکر میں آجاتی ہیں۔

جن لوگوں کی نظریں اشیاء کے مفاد و منافع کی وجہ سے ان کی عظمتوں میں گم ہو جاتی ہیں۔ اور وہ اشیاء کو دیکھنے کے بعد اپنی نظر کو ان کے خالق کی طرف پھیرنے کی توفیق نہیں پاتے۔ ان کے نزدیک اپنی ذاتی پسند اور مفاد و مطلب کے اعتبار سے اشیاء میں تفریق ہوتی ہے۔ اور وہ حقیر و غیر مفید مخلوقات کو قابلِ اعتنا نہیں سمجھتے ہیں۔

مومن ہر شے سے عبرت حاصل کرتا ہے

مگر جن لوگوں کی نظر ہر شے میں آیاتِ حکمت اور مظاہرِ قدرت کی متلاشی ہوتی ہے۔ وہ کسی چیز کو بھی نظروں سے گرا کر اس کے متعلق حقارت کا احساس اپنے اندر پیدا نہیں ہونے دیتے۔ ہر چیز کی تخلیق میں حق تعالیٰ نے اپنی حکمت و قدرت اور نظرِ رحمت کو شامل فرمایا ہے۔ اس لئے اس کے نزدیک کوئی ادنیٰ سے ادنیٰ مخلوق بھی حقیر نہیں ہے۔ اور اہلِ ایمان و نظر کو ہر شے میں اس کی حکمت و ربوبیت کے آثار دکھائی دیتے ہیں۔ اس بنا پر حق تعالیٰ نے فرمایا ہے اِنَّ اللّٰہَ لَا یَسْتَحْیٖٓ ...... اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْخٰسِرُوْنَ۝

جن لوگوں کی نظر ادنیٰ مادی و سفلی دائرہ میں مقید و محدود ہے۔ وہ اکثر مخلوقات میں عبرت کی بجائے اعتراض و حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں اور آیاتِ حق کی صورت میں جو اشیاء مومنین کے لئے باعثِ ہدایت ہوتی ہیں۔ غلط نظر والوں کیلئے ذریعہ ضلالت و گمراہی بن جاتی ہے۔ اور یہ گمراہ ہونے والے صرف وہی لوگ ہوتے ہیں۔ جن کے دل اللہ کی عظمت سے بے بہرہ اور فسق و فجور میں مبتلا

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ہوتے ہیں۔

جن کی روحیں اپنی اصل کو بھول کر نفس کی وقتی لذات کے دام میں گرفتار ہو گئی ہیں۔ یہ لوگ ان ادنیٰ لذات کے حصول میں خدا کی زمین میں فساد پھیلانے سے بھی باز نہیں رہتے۔ یہی لوگ دراصل گھاٹے میں ہیں۔ جو اپنی بے بصری پر قانع ہو گئے ہیں۔ اور دنیا میں اس خسارہ کا احساس نہیں کرتے۔ موت کے بعد جب نفس کے حجابات اٹھ جائیں گے اور روح کو اپنی اصل کا ادراک ہو گا۔ اس وقت نظر روشن و تیز ہو گی اور جن چیزوں کی الفت و محبت نے اسے اندھا کر رکھا تھا۔ وہ اس سے جدا کر دی جائیں گی تو فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَاءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ کے مصداق اس کی نظر ہر شے کی حقیقت سے واقف ہو جائے گی۔

مچھر کے وجود میں حق تعالیٰ کی حکمت و ربوبیت کے آثار

مقید و کلا آمد اشیاء تو در کنار مومن جب ایک ادنیٰ و حقیر اور مضرت رساں مخلوق مچھر کو بھی دیکھتا ہے تو اس کی فکر اس میں بھی حق کی حکمت و ربوبیت اور حسنِ صنعت کے وہ نظائر دیکھتی ہے۔ جو کافر سارے زمین و آسمان کو دیکھنے پر بھی محسوس نہیں کرتا۔ اس چھوٹے سے جانور میں اللہ تعالیٰ نے کس طرح اعضا کو تقسیم کیا۔ اور اس کی ضرورت کی ہر چیز عطا فرمائی ہے۔ اس کے بازو اور ہاتھ پاؤں بنائے گئے اور آنکھ کان، اور باطن کے اعضا بھی مثل دیگر حیوانات کے پیدا فرمائے۔ اس کے وجود میں قوتِ غاذیہ جاذبہ، دافعہ، ماسکہ اور ہاضمہ ویسی ہی دی ہے جیسے حیوانات میں اور اس کو غذا کے تلاش کرنے اور اسے حاصل کرنے کا سامان عطا فرما دیا۔ اس کی تیز نوکیلی سونڈ پیدا کی اور انسانی جلد کے مسام اس کو بتلا دیئے۔ اور خون کو چوسنے اور پینے کا طریقہ الہام فرمایا۔ سونڈ کو باوجود اتنی پتلی ہونے کے کیسا مجوف بنایا کہ اس میں سے خون پتلا ہو کر اس کے پیٹ میں چلا جائے اور تمام اعضا میں پھیل کر اس کو غذا پہنچا دے۔ اس کو کیسے بتلا دیا کہ انسان اس کو ہاتھ سے مارا کرتا ہے۔ اور بھاگنے کا حیلہ بھی سکھلا دیا۔ اور اس کا سامان اس کو عنایت کیا۔ اس کے کان ایسے بنائے کہ ان سے ہاتھ کی تھوڑی سی حرکت بھی سن لیتا ہے۔ گو ابھی ہاتھ اس سے دور ہی ہوتا ہے۔ حرکت کے سنتے ہی کاٹنا چھوڑ کر بھاگ جاتا ہے۔ جب ہاتھ ٹھہرتا ہے۔ تو پھر چلا آتا ہے۔ اس کی آنکھ کے ڈھیلے ایسے بنائے کہ غذا کی جگہ دیکھ لیتا ہے۔ باوجودیکہ چہرہ ذرا سا ہی ہوتا ہے۔ اور چونکہ اپنی چھوٹائی کی وجہ سے اس

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کے ڈھیلے پپوٹوں کے متحمل نہیں۔ اس لئے اس صانعِ حکیم نے اس کے دو زائد پاؤں بنا دیئے جن کے ذریعہ مکھی کی طرح اپنے ڈھیلوں کی صفائی کرتا رہتا ہے۔ غرضیکہ اس کی زندگی اور ربوبیت کا مکمل انتظام ہے۔ اور انسان کے لئے اس میں عبرت و بصیرت کا مکمل سامان ہے۔

کفروانکار کے نظری امکانات کا انسداد

حق تعالیٰ کی خالقیت کا عرفان ہی درحقیقت ہمارے ایمان کی جان ہے۔ اور انسان کو کفر سے بچانے کے لئے ہی اللہ تعالیٰ نے مندرجہ ذیل آیات کو نازل فرمایا ہے کَیْفَ تَکْفُرُوْنَ بِاللّٰہِ ..... ثُمَّ اِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ کفروانکار کے نظری امکانات کو مسدود کرنے کی دلیل میں حق تعالیٰ جس امر کی طرف انسان کو متوجہ فرماتے ہیں۔ وہ اس کی موت و حیات کا واقعہ ہے۔ جس کے ظہور سے ذاتِ باری تعالیٰ کے ارادہ وقدرت کا ثبوت فراہم ہو رہا ہے۔ کیا کارگاہِ عالم میں موت و حیات کا یہ ہنگامہ ایک امرِ عظیم نہیں ہے؟ جو غافل انسان کی توجہ کو اپنی طرف مبذول کر سکے؟

کیا عدم میں اسے اپنا کوئی ذاتی وجود محسوس ہوتا ہے۔ جسے اپنے تصرف سے کھینچ کر وہ منصہ شہود پر لے آیا ہو؟

کیا اس نے خود اپنے اعضا وقویٰ کے اقدار کو متعین کیا ہے۔ اور ان کے تغیر و تبدل کا اسے کوئی اختیار حاصل ہے؟

کیا اسے اپنی موت پسند ہے۔ اور اس کے لئے وقت اس نے خود مقرر کیا ہے۔ اگر ان تینوں باتوں کا جواب نفی میں ہے۔ تو لامحالہ اسے تسلیم کرنا پڑے گا کہ کوئی فوق و قاہر قوت اسے ان سب باتوں پر مجبور کر رہی ہے اور ایک سلیم الفطرت انسان کا عقل و وجدان یقیناً اس بات کے ماننے پر رضامند ہے۔ کیونکہ پیدا ہونے والی ہر شے کی ہیئت و ترکیب اور حسنِ صنعت اس بات پر شہادت دے رہی ہے کہ اس کا بنانے والا زبردست علم و حکمت اور قدرت کاملہ کا مالک ہے اور بغیر اس کے ارادہ و تصرف کے کوئی چیز خود بخود پیدا نہیں ہو سکتی۔

جب ہم ایک شخص کی تین باتوں کو دلائل و شواہد کے ساتھ بالکل سچا ماننے پر تیار ہیں۔ اور بدیہی طور پر انہیں دیکھ رہے ہیں تو اس کی چوتھی بات کو بغیر دلیل کے ماننے پر ہمیں ہچکچاہٹ نہیں ہونی چاہیئے۔ جس کی سچائی اظہر من الشمس ہو۔ اور اپنی ساری زندگی میں ہمیں اس کے خلاف کوئی

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

حقیقتی شہادت نہ ملی ہو تو اس کی بات کا انکار کرنا سراسر ہماری ہٹ دھرمی اور کور باطنی ہے۔

ہمارا عدم محض ہونا۔ اس کا ہمیں پیدا کرنا اور پھر موت کی طرف کھینچ لے جانا ایسی باتیں ہیں جن میں کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ اور ہر شخص ان تینوں باتوں کو اپنی آنکھوں سے واضح طور پر دیکھ رہا ہے۔

دوبارہ زندگی پر وجدانی شہادت

اب چوتھی بات یہ ہے کہ وہ ہمیں موت کے بعد دوبارہ زندہ کر کے اپنے حضور میں حاضر کرے گا اس کے متعلق اگرچہ کوئی تاریخی و علمی شہادت ہمارے سامنے موجود نہیں۔ مگر ہمارے جس وجدان نے اسے اپنا خالق تسلیم کیا ہے۔ وہی ہمیں اس کی اس بات کو ماننے پر مجبور کر رہا ہے۔ بھلا جو قوت ہمیں پہلی بار عدمِ محض سے عالمِ وجود میں لا سکتی ہے۔ کیا اس کے لئے یہ امر مشکل و بعید ہے کہ موت کے بعد ہمیں دوبارہ زندہ کر سکے۔ جبکہ ہمارا مادۂ اولیٰ اور ساری زندگی کے روحانی تاثرات کا دفتر مکمل طور پر موجود ہے ایک مومن کے یقین میں تو یہ بات آسانی سے آتی ہے کہ اگر وہ قادرِ مطلق ہمیں کئی لاکھ دفعہ زندگی و موت کی کشمکش میں مبتلا کرے تو اس کے نزدیک کچھ مشکل نہیں ہے کَمَا بَدَأْنَا اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِیْدُہٗ۔ جیسے پہلے بنایا پھر اسی کو دُہرائیں گے۔ اور مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِیْهَا نُعِیْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى ترجمہ:۔ اس میں تمہیں پیدا کیا۔ پھر اس میں واپس لے گئے اور آخری بار پھر اس میں سے تمہیں نکال کھڑا کریں گے۔ مومن کو جب اشیاء کی عدمیت تک پہنچنے کا ملکہ حاصل ہو جاتا ہے تو اس کے ساتھ ہی اس کی فکر و نظر اور فہم و فراست میں لطافت پیدا ہو کر ایسی قابلیت آجاتی ہے کہ وہ اشیاء کی تقدیرات اور انسان کے باطنی نفسیات کا اجمالی طور پر مطالعہ کر سکتا ہے۔

تقدیرات کے مطالعہ کے بعد جب انسان اشیا کی اجل پر نگاہ ڈالتا ہے۔ اور اس کی عمومیت کو ملاحظہ کرتا ہے۔ تو اس کے لئے حیرت و معرفت کا ایک نیا باب کھل جاتا ہے۔ اس وقت اس کی یہ کیفیت ہوتی ہے کہ وہ جس چیز پر بھی متوجہ ہوتا ہے۔ اس کی عدمیت و اجل بیک وقت اس کے سامنے آجاتی ہے اور اس کی نظر و فکر اس شے کی ساری مدتِ حیات پر محیط ہو جاتی ہے۔ اس وقت وہ ناظر اس شعر کے الفاظ سے قمر زباں اور معانی کی کیفیت سے مبہوت ہو جاتا ہے۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

صورت از بے صورتی آمد بروں باز شد انّا الیہ راجعون

یہ صورت حال صرف انسان اور حیوانات کے متعلق ہی وقوع پذیر نہیں ہوتی بلکہ ہر جاندار اور نباتات وجمادات کو دیکھ کر قائم ہوجاتی ہے۔

فکر و نظر کا یہ ملکہ جب آدمی میں اچھی طرح راسخ ہوجاتا ہے اور وہ چھوٹی بڑی اشیا کی اجل کو دیکھنے میں منہمک رہتا ہے تو یکایک ایک خیال اس کے گوشۂ دل سے اُبھر آتا ہے۔ اور وہ اَجل مُسمّیٰ ورودِ قیامت کو مجسم طور پر اپنے سامنے محسوس کرنے لگتا ہے۔ اشیاء کی اجلِ عمومی اس کے لئے اجلِ عالم کی دلیل بن جاتی ہے۔ اس بات کو سمجھنے کے لئے خیال میں ذرا وسعت کی ضرورت ہے۔

کیا یہ ہمارا دن رات کا مشاہدہ نہیں ہے کہ ہر شے اپنی مدّتِ حیات کو ختم کرکے پردۂ عدم میں روپوش ہورہی ہے۔ چھوٹی اور حقیر اشیا کی اجل قریب ہے۔ اور بڑی و کارآمد اشیا کی مدتِ حیات طویل ہے؟

جب ہم ذرا غور سے دیکھیں تو اس عالم کی کوئی شے ایسی نہیں جس کے لئے اجل کا وارد ہونا تصور میں نہ آتا ہو۔ نباتات وجمادات، اویار وامصار بڑے بڑے دریا و پہاڑ غرضیکہ اس عالم کی ہر بڑی سے بڑی شے کے لئے اجل کے وارد ہونے کو یقین وقیاس قبول کرتا ہے۔

کائناتِ عالم کے اکثر عناصر کے مقابلہ میں انسان کی حیثیت نہایت ضعیف اور کم درجہ ہے۔ اس لئے وہ اپنے سے کم حیثیت اور چھوٹی اشیا کی اجل کو تو آسانی سے محسوس کرسکتا ہے۔ مگر بڑی اور طویل عمر کی اشیا کی اجل کو دیکھنے میں اس کے فکر وخیال کا ضعف اور بے مائیگی مانع آتی ہے۔

موت وحیات کے متعلق اصول وکلیہ ایک ہی ہے۔ جو ساری کائنات میں جاری وساری ہے۔ صرف اشیاء کے حجم وہیئت کے اعتبار سے مدتِ حیات میں تفاوت وفرق ہے۔ اس قسم کے مفکر کیلئے روزِ قیامت کے یقین کرنے میں کوئی تامّل نہیں ہے۔ جبکہ ہر چھوٹی بڑی شے کی اجل وانہدام کو وہ بدیہی طور پر دیکھ رہا ہے۔ اور اسے کائنات کے اندر ہر شے وجود سے عدم کی طرف بھاگتی ہوئی نظر آتی ہے۔ بڑے بڑے عناصر واجرام کے اعدام وانہدام کے بعد جب پورے کرۂ ارض اور فلکیات کی موت کا وقت آئے گا۔ تو وہی روزِ قیامت ہوگا اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ اپنی قدرتِ مطلقہ سے عالمِ آخرت کا ظہور فرماکر دوبارہ انسان کو زندہ فرمائے گا۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

انسانی خلافت میں احسانِ خداوندی

حق تعالیٰ نے تخلیقِ انسان میں اپنی حکمت و صنعت کے آثار کی طرف رہنمائی کر کے جس احسان مندی کا احساس دلایا ہے۔ آیۃ مبارکہ ھُوَالَّذِیْ خَلَقَ لَکُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا اس کی تکمیل کرتی ہے اور اس کے بعد اس کی خلافتِ ارضی کے قصہ کو شرح و بسط سے بیان فرمانا اس پر مزید اضافہ ہے۔

قرآنِ مجید کا بیشتر حصہ انہی احساناتِ خداوندی اور تکمیلِ ربوبیت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ تاکہ ایک بندۂ مومن عبادت و شکر گزاری کے جذبات سے معمور ہو کر قربِ حق میں اپنی ذات کی تکمیل اور حقیقی خلافت کی معراج تک پہنچ جائے۔ انسان کی فطرت کے اندر علم و معرفت کی جن بلند استعدادوں کو بھر دیا گیا ہے۔ ان کی کلی حقیقت سے تو ان کا خالق ہی واقف ہے مگر ان کی طرف اشارہ کر کے اور فرشتوں کو ان کے سامنے سجدہ ریز بیان فرما کر ہمارے شعورِ ذات اور احساسِ خودی کو جو تازیانہ لگایا گیا ہے۔ اس کا درد کچھ اہلِ دل ہی محسوس کرتے ہیں۔ فرشتوں کے تقدس اور بلند مرتبت کو ایک عامی آدمی نہیں جان سکتا۔ ابتداء میں وہ ان پر ایمان بالغیب کے لئے ہی مجبور ہے۔ مگر انہیں سے جو صاحبِ ذوق لوگ حسنِ عمل سے اپنے اندر حقیقی تقدس و اتقا کو اپنا لیتے ہیں اور حق کی طرف کامل توجہ ان کی روح کو لطیف و نورانی کر دیتی ہے۔ وہ ملائکہ کے انوار اور ان کی برکت...... کا مفاد حاصل کرتے ہیں۔

یہ لوگ جو فرشتہ کی ذات و صفت سے واقف ہو جاتے ہیں۔ جب اس بات کا احساس کرتے ہیں کہ یہی فرشتے خلیفۃ اللہ اور حقیقی آدم کے حضور سجدہ ریز ہیں اور اس کی غلامی کو اپنا فخر سمجھتے ہیں۔ تو ان کا دل انسان پر احسانِ خداوندی کی معرفت سے معمور ہو جاتا ہے۔ اور ان کے ذوق و وجدان میں خدا کے حضور شکر و نیاز مندی کی عجیب و غریب لہریں اٹھتی ہیں۔ یہ کیفیت ایک متوسط الحال مومن کی ہے۔ لیکن جو خوش قسمت انسان فضلِ خداوندی سے ذات و صفاتِ حق کی معیت و قربت میں بلند مدارج تک پہنچ جاتے ہیں۔ اور جن کی روحانیت اپنی لطافت و نورانیت میں درجہ کمال کو اپنا لیتی ہے۔ تو وہ حقیقی خلافت کے مرتبہ تک پہنچ کر خود فرشتوں کے حاکم و آمر بن جاتے ہیں۔ فرشتے فوج در فوج ان کے حضور میں حاضر رہتے ہیں۔ اور چشم و ابرو کے اشارہ پر عامل ہوتے ہیں۔

یہی لوگ حقیقتِ خلافت اور کرامتِ انسانیت کو سمجھ کر عینی مشاہدہ سے احسانِ خداوندی کو

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

محسوس کرتے ہیں اور اس کے نتیجہ میں ان کا دل حق تعالیٰ کے حضور میں جن نیاز و آداب کو بجا لاتا ہے۔ اس سے صرف وہی لوگ واقف ہوتے ہیں۔ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا کے اشارہ سے ہماری قوت تسخیر اور اشیائے کائنات سے حصول مفاد کی وسعت کو اجاگر کرنا مقصود ہے تاکہ ہم منشائے فطرت کے مطابق اشیا سے پورے طور پر مستفید ہو کر احسانات خداوندی کے شعور کو اپنا سکیں اور اس کے نتیجہ میں ظاہری و باطنی ترقی کے راستے ہم پر کھل جائیں۔

شیطان اور اس کی انسان دشمنی

شیطان کی انسان دشمنی اور اس کی اطاعت و خیر خواہی سے انکار کے بیان میں بھی ایک عجیب حکمت و حقیقت کا اظہار ہے۔ افرادِ کامل جو فرشتوں کے ناظر و متبوع ہوتے ہیں۔ وہ شیطان کے وجود کو بھی مجسم طور پر دیکھتے اور محسوس کرتے ہیں۔ اور اپنے آپ کو اس کے شر سے بچاتے رہتے ہیں۔

ایک عامی آدمی گو اس کے وجود کو کلی طور پر محسوس نہیں کرتا لیکن اگر وہ اس کے متعلق خدا کی بیان کردہ انسان دشمنی پر ایمان لے آئے تو اپنی گراوٹ و برائی سے بچنے کے لئے اس کے اندر جو قوتِ مقابلہ اور اس کی ایمانی و حفاظتی قدروں میں احساسِ خودی پیدا ہو جاتا ہے۔ وہ ایک عظیم الشان کیفیت ہے۔ شیطان جو انسانی نفس کی زمین میں ایک شعلہ جوالہ کی صورت میں نمودار ہو رہا ہے۔ اپنی طبیعت و طینت کے اعتبار سے مجسم کبر و غرور ہے۔ اور اس کی یہی صفات اسے انوارِ انسانی کے سامنے سجدہ ریز ہونے سے مانع ہوتی ہیں۔ ظاہری آگ کے شعلہ کی جو کیفیات و اثرات ہم محسوس کرتے ہیں۔ بالکل اس کے قریب قریب ہی نفس کی یہ باطنی حرارت اثر پذیر ہوتی ہے۔ شیطان کا سب سے زیادہ آلہ کار اور اثر قبول کرنے والا ہمارا نفس ہی ہے۔ جس کے اندر وہ اپنا داعیہ القا کرتا رہتا ہے۔ حق تعالیٰ کے شیطان کو پیدا کرنے میں جو عمیق حکمتیں ہیں۔ انہیں نہ کہیں بیان کیا گیا ہے اور نہ ہم پورے طور پر سمجھ سکتے ہیں۔

قرآن مجید کی حکمتِ عملی کا تقاضا یہی ہے کہ شیطان کی فطرت و طینت اور اس کے طریقِ کار کا بیان فرما دیا گیا ہے تاکہ ہم اس کے مقابلہ میں اپنے باطن کو محفوظ رکھنے کے لئے دفاعی قوتوں کو جمع کر کے بروئے کار لا سکیں۔ حق تعالیٰ نے اپنی رحمت سے جہاں انسان کے باطن میں عقل و فراست فکر و خیال اور ضمیر کے داعیاتِ خیر کا ذخیرہ جمع فرما دیا ہے۔ وہاں اس کے مقابلہ میں اپنی حکمتِ کاملہ سے انسان

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

نفس پر جو تمام حرکات و اعمال کا منبع ہے۔ ایک ایسی حرارت کو بھی مسلط کر دیا ہے۔ جو اپنی طبیعت و
کے اعتبار سے تمام امکانی شر و فساد کی جڑ ہے۔ ان قوتوں کے تقابل میں جو کیفیت اور تماشا ظاہر
تا ہے۔ اس سے نفس پر غالب اور بلند پایہ صاحبِ عقل و نظر ہی لطف اندوز ہو سکتے ہیں معارجی
ان تو اکثر نفسی حرارت کے اثرات میں کھو جاتا ہے۔ اور اس کی ضعیف عقل و فکر اس میں تحلیل ہو
تی ہے۔

عقل و ضمیر کی گرفت کمزور ہونے پر اس کا نفس اور زیادہ قوت و شوکت اختیار کرتا ہے۔
راس میں مضر حرارت تمام خیرات کو جلا کر نیست و نابود کر دیتی ہے۔ عقل جسے قوت حاکم بنایا
یا تھا۔ اور جو خیر و شر کے معلوم کرنے میں مشعلِ راہ کا کام دیتی تھی۔ نفس کے سامنے مغلوب ہو کر
د اس کا آلۂ کار بن جاتی ہے۔ اور نفس قاہر اس سے حیلہ و مکر، فریب و دغا اور نفاق و خیانت کے
یجاد کرنے کا کام لینے لگ جاتا ہے۔

جس طرح شعلہ اوپر کو اٹھتا ہے۔ اور نیچے بیٹھنا اس کی طینت کے منافی اور ہستی کی نابودہ ہے۔
س طرح حرارتِ نفسانی بھی خیر و مصالح کے سامنے تواضع و فروتنی اختیار کرنے سے ابا و انکار کرنے
یں اپنی طبعی خاصیت پر ہے۔ شعلۂ نفس ہر حالت میں اپنے غلبہ کا متمنی ہے۔ اور حرص و ہوا
اس کی خواہش کو بروئے کار لانے میں سب سے بڑا ہتھیار ہیں۔

حرص کا دامِ فریب

آدم علیہ السلام کو اپنے دام فریب میں لانے کے لئے شیطان نے اس جذبۂ حرص کے ہتھیار
سے کام لیا ہے۔ علم و عقلِ کل اور خیرات و حسنات سے مزین و آراستہ ہونے کی وجہ سے شیطان انہیں
اپنے معمولی ہتھیاروں سے مغلوب نہیں کر سکا تھا۔ اور ایسے اشخاص کے سامنے وہ صریح برائی اور انکار
کو پیش کرنے کی جرأت بھی نہیں کر سکتا۔

حرص ایک ایسی شے ہے۔ جس میں خیر و شر کے دونوں پہلو پائے جاتے ہیں۔ اور اس میں
ہر انسان کے لئے مغالطہ کا وسیع امکان ہے۔ حرص و طلب در اصل ایسے پر ہیں۔ جو انسان کو بلندیوں کی
انتہا تک بھی لے جاتے ہیں اور پستی کے غار میں بھی لے اترتے ہیں۔ غرض شیطان نے آدم علیہ السلام
کے لئے اس حرصِ محمود کا دام لگایا۔ خَالِدُ فِی الْخُلْدِ ہونے کی تمنا کو ان کے دل میں جگہ دی تو انہوں نے

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

شجر ممنوعہ سے ایک دانہ کو کھالیا۔ امر حق کی تعمیل میں لغزش و کوتاہی کے بعد ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ جب آدم علیہ السلام پر جنت کی لطیف و پرکیف ہواؤں کا ورود بند ہوگیا۔ اور انہیں اکرام حق کی خلعت فیضانی سے محرومی و عریانی کا احساس ہوا جبکہ وہ زمین پر عالم دنیا میں اتار دیئے گئے تو انابت و ندامت کا جذبہ بشدت کے ساتھ ان کے باطن سے ابھر آیا۔

فطرتِ انسانی و شیطانی کا فرق

فطرتِ انسانی و شیطانی میں یہی بیّن فرق ہے کہ تحقیق ابن آدم اپنی خاکساری کی وجہ سے غلطی و گناہ کے احساس کے بعد اپنے آپ کو ندامت کی طرف مرجوع پاتا ہے۔ مگر شیطانی اثر کا آلہ کار دل و دماغ اپنے کفر و انکار اور بغاوت و شقاوت پر جم جاتا ہے احساس زیان و کمتری کا جذبہ اس کے اندر پیدا ہی نہیں ہوتا۔ اور یہی ایک کافر و مفتر فاسق کے نفسیات کا اجمالی نقشہ ہے۔

احساسِ ندامت

ایک مومن جب احساسِ ندامت سے بھرپور ہو کر اپنے رب کی طرف پوری نیاز مندی و تضرع سے رجوع کرتا ہے۔ اور شیطانی اثرات سے محفوظ دامن ہونے کے لئے اس کے دروازہ کو کھٹکھٹاتا ہے اور اس امر میں صرف اس کی طرف اپنے خلوص و توکل کو قائم کرتا ہے۔ تو بالآخر رحمتِ حق جوش میں آجاتی ہے۔ اور القاء ربانی سے مومن کی زبان پر ایسے الفاظ دعا و نیاز مندی خود بخود آجاتے ہیں۔ جن کا مقبول و منظور ہونا بارگاہِ خداوندی میں مقدر ہوتا ہے۔ فَتَلَقّٰۤى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَیْهِ ؕ کی مثال پر اس کی توبہ قبول ہو جاتی ہے۔ اور رحمتِ حق اسے اپنے دامن میں ڈھانپ لیتی ہے۔ سابقہ گناہوں کے اثرات اس کے باطن سے محو ہو جاتے ہیں۔ اور شیطانی خوف و اضطراب دفع ہو کر سکون و اطمینان آجاتا ہے۔

شیطان اپنے جال کو سمیٹ لیتا ہے اور ہیبتِ حق سے دبک کر کسی نامعلوم گوشے میں جا چھپتا ہے۔ حمایتِ حق مومن کو اپنے محفوظ قلعہ میں داخل کر لیتی ہے۔ جہاں شیطانی افواج کا عمل دخل امکان سے خارج ہے۔ یہ صرف ایمانی خصوصیات انابت و نرم دلی ہی کی تاثیر ہے کہ انسان اپنے رب کے ساتھ خالص ہو کر ہمیشہ کے لئے شیطانی حملوں سے محفوظ ہو جاتا ہے۔

خلوص بالحق

انسانی وجود میں شیطانی رَو کے عمل دخل کے ہزاروں طریقے ہیں اور انسان اپنی عقل و فکر

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کی ساری قوتوں کے باوجود ان کے روکنے اور اپنے آپ کو محفوظ کرنے میں عاجز و قاصر ہے۔

حق تعالیٰ کے فرمان کے مطابق اس سے مکمل امان حاصل کرنے کا صرف ایک ہی طریقہ ہے اور وہ حق تعالیٰ کے ساتھ نیازمندی اور خلوص حاصل کرنا ہے۔ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ کہہ کر شیطان نے اس بارے میں اپنے عجز کا اعتراف کیا اور حق تعالیٰ نے لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ کا وعدہ وعید فرما کر مخلصین کے لئے دائمی امن کی راہ کھول دی ہے۔

توبہ کے اثرات

قبولِ توبہ کے بعد حق تعالیٰ جب اپنے کسی بندہ کے لئے دامن رحمت کو کھول کر اسے اپنے سایہ عاطفت میں چھپا لیتے ہیں۔ تو سابقہ گناہوں کی معافی اور روح پر ان کے تاثرات سے نجات کے ساتھ سب سے بڑا فائدہ یہ حاصل ہوتا ہے کہ اس بندہ کو اپنی نئی منزلوں کا سراغ مل جاتا ہے۔ آئندہ کیلئے اس پر نیک عمل کی راہ کھل جاتی ہے۔ اور ذات وصفات کی معرفت کی راہ میں یہ امر اسے سنگِ میل کا کام دیتا ہے۔

واردات روحانیہ کے حقائق عالیہ کا دورہ اس کے جان و ایمان میں تازگی پیدا کرتا ہے۔ اور حق تعالیٰ کی رحمت و رافت اس کے عزم و حوصلہ میں قوت و پختگی پیدا کرتی ہے۔ اس کی روح میں سرور و نشاط بھر جاتا ہے۔ اور حق کی راہ میں کوئی رکاوٹ اس کے مانع نہیں آتی۔ حق تعالیٰ کی معرفت کا ادراک و احساس اسے اپنی طرف جذب کر لیتا ہے۔ اور امر حق پر قائم ہو جانے کے صلہ میں فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ کی بشارت اس کی روح کا حصہ بن کر ہر وقت اس کے شعور کو اپنا جلوہ دکھاتی ہے۔ حق کی طاعت و عبادت میں اس کے لئے لذت اور امورِ خیر اس پر آسان ہو جاتے ہیں۔ ہر مشکل و مصیبت کے وقت وہ وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ کے فرمان کے مطابق صبر اور نماز کے ذریعہ اپنے رب کی امداد حاصل کرتا ہے۔

امداد بالصبر والصلوٰۃ

صبر و صلوٰۃ سے امداد حاصل کرنا صرف انہی لوگوں کے لئے ممکن ہے۔ جن کے تصور پر ہر وقت حق تعالیٰ کی عظمت و معیت کا غلبہ رہتا ہے۔ اور اس کی طرف رجوع و ملاقات کا خیال ان کے شعور ولاشعور پر محیط ہو گیا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ ...... وَاِنَّهُمْ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

صبر اور نماز ظاہر میں تو دو ہلکے سے الفاظ ہیں مگر ان کے حقائق و اثرات میں اس قدر وسعت ہے کے سمجھنے کے لئے ایک عمر درکار ہے۔ ان ہر دو حقائق کا آپس میں ربط اتنا مضبوط ہے۔ گویا ایک دو سے لازم و ملزوم ہیں۔

صبر کیا ہے؟ امر حق کی اطاعت و فرمانبرداری اور راہ ہدایت پر چلنے میں پیش آمدہ مشکلات مصائب کا خندہ پیشانی سے مقابلہ کرنا۔ اپنے راہ کی رکاوٹوں کو دور کرنے میں حوصلہ نہ ہارنا اور اپنے کی امداد و اعانت کی اُمید کو مضبوطی سے تھامے رکھنا۔

حقیقی نماز جو اپنے رب کے حضور میں باریابی اور ملاقات کی قائمقام ہے۔ ہمیں صبر پر قائم میں مدد دیتی ہے۔ اور صبر کے عمل سے ہم نماز پر استقامت حاصل کرتے ہیں۔ اس لزوم کو ان ہر دو جدا نہیں کیا جا سکتا۔ اور ایک عمل پر قائم ہوتے وقت ہم دوسرے سے بے نیاز نہیں ہو سکتے یہ دو امور خیر صرف انہی لوگوں کے لئے آسانی کے ساتھ قابلِ عمل ہیں۔ جو فکری اور حالی مشاہدہ کے اپنے رب کی عظمت کا ملاحظہ کرتے ہیں اور اس کے نتیجہ میں خشوع و خضوع جن کی روحوں کا شعار بن گیا قیامت و آخرت کا تصور اور اپنے رب کے حضور میں حاضری و جوابدہی کا منظر ہر وقت ان کی چشم ایمان کے پیش نظر رہتا ہے۔

صبر و استقامت ہمارے راہ کی تنگی و صعوبت کو دور کر کے ہمیں منزلِ مقصود کے قریب کر ہیں اور نماز و نیاز مندی ہمیں اپنے ربّ کی قربت کی طرف لے جاتی ہے۔ مومن کا مقصود و منزل یہی ہے کہ اپنے رب کی ذات و صفات میں گم ہو کر ان کے رنگ میں رنگا جائے اور اس کی قربت معیت کو پورے طور اپنائے۔ اس سے اعلیٰ و ارفع مقصودِ حیات نہ کوئی ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔ عظم و معیتِ حق کے تصور سے جاہل و عاری بھلا کس طرح ان اعمال کو آسانی و رغبت سے ادا کر سکتا اس کے لئے نماز ایک بھاری بوجھ ہے۔ جسے نہایت تنگی و بے دلی سے اُٹھاتا ہے۔ اور اس وجہ اس کے حقیقی اثر و مفاد سے بے بہرہ ہے۔ عبودیت ہی صفاتِ حق تک پہنچانے کا واحد ذریعہ ہے اور کے وسیلہ سے ہم اللہ کے رنگ میں رنگے جا سکتے ہیں۔ جس سے بہتر اور کوئی رنگ نہیں۔ صِبْغَةَ اللّٰهِ ۔۔۔ وَنَحْنُ لَہٗ عٰبِدُوْنَ ۰ اعمالِ عبودیت میں نماز سب سے افضل و اعلیٰ ہے۔ اور یہی مومن کو اس کی حقیقی معراج تک پہنچاتی ہے۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کیفیتِ نماز

نماز ایک ایسی عبادت ہے۔ جس میں بندہ اپنے رب سے ہم کلام ہوتا ہے۔ حقیقی نماز میں حال پہلے وارد ہوتا ہے۔ اور اس کے نتیجہ میں حرکات بعد میں صادر ہوتی ہیں۔ اپنی تلاوت کے ابتدائی جملہ "بسم اللہ الرحمن الرحیم" کے مفہوم کو اگر کسی کا دل اپنا لے تو وہ اس بات کو جان جاتا ہے کہ ہر شے کا قیام اللہ کی ذاتِ پاک سے ہے جو رحمان و رحیم ہے۔ اس میں اس کی توحید کا اقرار ہے۔ اور کائنات کی ہر شے کو دیکھتے وقت اپنے دل میں اس کے ذکر اور یادداشت کی تلقین ہے۔

توحید پر دلیل

ابتداً جب ہماری نظر توحید سے واقفیت حاصل کرتی ہے۔ تو اس کے نتیجہ میں ایک حقیقت ہمیں ہر جگہ مشترکہ نظر آتی ہے۔ اور خیال کرنے پر ہر شخص اسے آسانی سے محسوس کر سکتا ہے کہ جب ہم انسانوں اور دوسرے جانوروں کے چھوٹے چھوٹے بچوں کو دیکھتے ہیں تو ہمیں ان کی آنکھوں میں ایک مشترک نور اور معصومیت نظر آتی ہے۔ ہماری روح کو ان سب کے ساتھ ایک گونہ محبت محسوس ہوتی ہے۔ یہ نور ہمیں ہر جگہ واحد نظر آتا ہے۔ مخلوقات میں سے ہر شے کی فطرت جب تک معصوم رہتی ہے ہمیں اس کی آنکھوں سے یہ نور صاف طور پر نظر آتا رہتا ہے۔ گو یہ ایک چھوٹی سی بات ہے مگر جس کے مشاہدہ میں آکر دل میں بیٹھ جائے اس کے لئے توحید کا مستقل ثبوت ہے۔

اللہ تعالیٰ کی خالقیت کو محسوس کرنے کے بعد ایک صاحبِ فکر کے لئے اس کی صفات میں سب سے زیادہ واضح صفتِ ربوبیت کا ظہور ہے۔ اور شائد اس لئے شارع علیہ السلام نے سورہ فاتحہ کو نماز کی ہر رکعت میں دہرانے کا التزام فرمایا ہے۔ جس کے شروع میں اللہ تعالیٰ کی صفت ربوبیت کا بیان ہے۔

نماز کا تاثر

جب بندہ اللہ تعالیٰ کی خالقیت و ربوبیت کا یقین و معرفت حاصل کرکے اس کے حضور میں بصد عجز و نیاز کھڑا ہوتا ہے۔ اور خشوع و خضوع کے ساتھ اپنے رب کی حمد و ثنا اور تسبیح و تحمید پکارتا ہے۔ تو اس کی روح کا تعلق اپنے رب کے ساتھ قائم ہو جاتا ہے۔ جس میں روح کو عجیبہ

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

طرح کی لذت محسوس ہوتی ہے۔ اور آیات کے معانی خود بخود اس کے دل سے ابھرتے چلے آ ہیں۔ جب وہ پورے خلوص کے ساتھ اپنے رب سے ہدایت واستقامت کی دعا مانگتا ہے اس میں لذتِ مناجات کے علاوہ بندہ کو قبولیتِ دعا کا پورا احساس ہوتا ہے۔ اور وہ اپنے رب طرف سے جواب اور تسلی کو پورے طور پر اپنے دل میں محسوس کرتا ہے۔ اس طرح بندہ کا دل سر انبساط اور عیشِ روحانی سے بھر جاتا ہے۔ اور یہ عبادت اپنی لذت وکیفیت کی وجہ سے اس پ نہایت ہلکی اور آسان ہو جاتی ہے۔ رکوع وسجود کی نیازمندی میں بندہ کو حق تعالیٰ سے جو قرب حاصل ہو ہے۔ وہ اور کسی طریقِ عبادت میں وصول نہیں ہو سکتا۔

کیفیات کے حصول میں معرفت کا مفاد

کیفیات کے حصول کا انحصار انسان کی معرفت پر ہے۔ جس قدر زیادہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کے متعلق یقین ومعرفت حاصل ہوں گی اس قدر زیادہ نماز کا مفاد حاصل کیا جا سکے گا اور اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے ہی اللہ تعالیٰ نے اہلِ عقل کو مندرجہ ذیل آیات میں غور وفکر کرنے کی دعوت فرماتی ہے۔ وَ اِلٰـهُكُمۡ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ...... لِقَوۡمٍ يَّعۡقِلُوۡنَ ٥ تمہارا خالق ومعبود برحق واحد ہے۔ اس کے سوا کوئی قابلِ عبادت وپرستش نہیں اور وہ نہایت رحم والا ہے۔

یہ دعویٰ ہے۔ جو خالق اپنی مخلوق کے سامنے بیان فرما رہا ہے۔ اور چونکہ وہ اپنی ذات میں نہایت درجہ کی رحمت رکھتا ہے۔ اور مخلوق کے نظری حجابات سے واقف ہے۔ اس لئے اس دعویٰ کو قابلِ قبول بنانے کے لئے خود ہی دلیل وثبوت فراہم کرتا اور اسے اچھی طرح دیکھنے سمجھنے اور پرکھنے کی تلقین فرماتا ہے۔ انسان کو احسنِ تقویم میں پیدا فرما کر جس طرح اس نے اسفل السافلین کی تنگ وتاریک گھاٹی میں دھکیلا ہے۔ اور سفلی ومادی تعینات کے اندھے اثرات میں محبوس کیا ہے اس کے پیشِ نظر وہ اپنے کسی دعویٰ کو بغیر دلیل کے منوانے پر مُصر نہیں ہے۔ اور جو لوگ اس کے پیش کردہ ثبوت کو حسنِ سماعت اور نظرِ عبرت وبصیرت سے سنتے اور دیکھتے ہیں۔ اپنی رحمت سے ان پر اس ثبوت کی حقانیت کے احساس کا راستہ بھی وہ خود ہی آسان کر دیتا ہے۔

اس کی غیرت وغضب تو صرف ان لوگوں کے لئے ہے۔ جو اس کے دعویٰ کو ماننے سے انکار بھی کرتے ہیں اور اس کے پیش کردہ دلائل وبراہین پر نظر وفکر اور غور وتدبر سے لاپرواہ اور

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کنارہ کش ہو کر بالکل بے اعتنائی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ ان کی سب سے بڑی سزا یہی ہوتی ہے کہ وہ اس دعویٰ کی حقانیت کے احساس و معرفت سے محروم رہتے ہیں اور دعویٰ کو بدل وجان برحق تسلیم و محسوس کرنے والوں کے لئے جو سرمدی سرور و نشاط اور حقیقی عیش و مسرت وصول ہوتے ہیں۔ آخرت میں ہمیشہ اس کے لئے حسرت بداماں رہتے ہیں۔

عناصرِ عالم کے اتحادِ عمل میں توحید کا ثبوت

آیاتِ مذکورہ بالا میں تخلیقِ کائنات کے بعد نظامِ ربوبیت میں جس طرح عظیم الشان عناصر کا آپس میں ربط و اتحاد اور استحکام و استقرار قائم کیا گیا ہے۔ وہی نظر و فکر کا مرکزی نقطہ ہے۔ اس حقیقت کو جاننے کے لئے ہمیں ساری کائنات کو بیک نظر دیکھنے کی ضرورت ہے اور یہی امر بے بصیرت اور محدود نظر والوں کے لئے مشکل تر ہے۔

ایک معمولی سے معمولی اور ادنیٰ مخلوق کے احیا و بقا اور ربوبیت میں بھی جس طرح اعلیٰ سے اعلیٰ اور عظیم الشان عناصر کا اتحاد و عمل اور مربوط و منظم کارگزاری شامل حال ہے۔ اسے احساس و نظر میں لانے پر ثابت ہوتا ہے کہ اس ساری کائنات اور نظامِ عالم پر مکمل قبضہ و کنٹرول ایک ایسی ذاتِ واحد قاہر و جبار کا ہے۔ جس کے حکم کے سامنے کسی شے کو مجال سرتابی نہیں۔ سورج، چاند، تارے سمندر، پہاڑ، ہوائیں، بادل، دریا اور مٹی وغیرہ غرض تمام عناصر و اجزائے عالم اپنی اپنی متعین حدود و اقدار کے اندر اپنے اپنے فرائضِ حیات کو ادا کر رہے ہیں۔ اور ان سب کی متحدہ کارگزاری کے نتیجہ میں یہ عالم رنگ و بو قیام و پرورش پا رہا ہے۔

وہی ذاتِ پاک الٰہِ حقیقی ہے۔ جو اس سارے نظامِ ربوبیت پر حاوی و محیط ہے۔ اور اس کا واحد ہونا خود اس نظامِ کائنات کے باحسن وجوہ جاری و ساری ہونے سے ثابت ہو رہا ہے۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

نظامِ ربوبیت کی تفصیل

مخلوقات کے وجود کے انفرادی و اجتماعی نظام میں غور و فکر کرنے والوں کے لئے اس کے جمال و رحمت کی تابانیاں دلوں کو مسحور و مشکور اور منتظر کو روشن کر رہی ہیں۔ ہمارے سامنے انار کا ایک دانہ ہے۔ اس کی انفرادی طبیعت و خصوصیات مفاد منافع اور صوری و معنوی جمال و کمال سے قطع نظر جب ہم اس کی پیدائش نشو و نما اور اتمامِ ارتقاء کی صنعت کے عجائب و غرائب اور اس میں عناصرِ عالم کی کارگزاری کو مفصل طور پر دیکھتے ہیں تو ہمیں تمام عناصر کے ربطِ عمل اور مؤثرات کا ایک طولانی نقشہ نظر آتا ہے۔ اس کے ابتدائی تخم کو قدرتِ مطلقہ کی تخلیق قرار دے کر اسے ایک ایسے خطۂ زمین سے متعلق کرتے ہیں جس کے باطنی اجزاء و عناصر کو اس پھل کی طبیعت و خواص اور اجزائے وجود سے کلی مناسبت ہے۔ اب اگر ہم اسے خودرو ہی تصور کریں اور اس میں انسانی تصرف کو شامل نہ کریں۔ تو بھی جن عناصر نے اس کی تخلیق و تکمیل میں اپنا کردار ادا کیا ہے ان کی فہرست اور ترکیبِ عمل کچھ کم طولانی نہیں ہے۔ اس کے تخم کو ہواؤں کے تصرف نے نشیب و نرم اور مناسب جگہ تک پہنچایا اور اسے مٹی سے ڈھانپ دیا۔

زمین میں نباتات کی بود و نمود اور نشو و نما کے لئے بنیادی طور پر چار چیزوں کی ضرورت ہے۔ جن کے بغیر کوئی نبات اپنے حیات و قیام کو اپنا نہیں سکتی۔ اول ایسی زمین جس میں اس نبات کے لئے مناسب اجزائے خوراک موجود ہوں۔ اور اس کی نرمی کی وجہ سے ہوا، پانی اور سورج کی حرارت اس میں اپنا عمل دخل کر سکیں۔ اور نبات کی جڑیں اس میں پھیل کر مٹی سے پانی کے ذریعہ اپنے اجزائے خوراک کو جذب کر سکیں۔

زمین کے اجزاء کی نبات سے مناسبت کے متعلق حق تعالیٰ کی تقدیرات کا کلیہ ہر وقت ہمارے مشاہدہ کے سامنے ہے۔ اور ہم دیکھتے ہیں کہ جن اجزائے زمین سے کسی نبات کو مناسبتِ طبعی حاصل نہیں ہوتی۔ اس

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

قطعہ ارض میں وہ نبات پیدا ہونے اور نشو و نما حاصل کرنے سے قطعاً انکار کر دیتی ہے۔ اور اگر پیدا ہوتی ہے تو اچھی طرح پھلتی پھولتی نہیں۔

حق تعالیٰ نے خلق زمین کے روز اوّل سے قِطَعٌ مُتَجٰوِرٰتٌ فِی الْاَرْضِ کی تقدیر پر مختلف نباتات کو مختلف قطعات ارض سے متعلق کر دیا ہے۔

اس طریق پر کرۂ ارض کے مختلف قطعات پر اختلاف نباتات سے جو رنگینی و بوقلمونی پیدا ہو گئی ہے۔ وہ ہمارے سامنے حق تعالیٰ کی حسن صنعت اور اختیار و قدرت کا مظاہرہ کرتی ہے۔

حیات نباتات کے لئے دوسری اہم چیز پانی ہے۔ جس کے بغیر وہ اجزائے زمین کو جذب کر کے اپنے وجود کا حصہ نہیں بنا سکتے۔

پانی کو پیدا کرنے اور نباتات تک پہنچانے میں حق تعالیٰ کی حکمت علمی نے جو طریق اختیار فرمایا ہے۔ وہ نہایت وسیع اور عالم گیر ہے اور اسے زیر نظر لانے کے لئے ہمیں نہایت بلند فکری کی ضرورت ہے۔

ابتدائے نظر ہی سے محسوس ہونے لگتا ہے کہ حق تعالیٰ کے کمال علم و حکمت نے کس طرح ساری کائنات کی تقدیرات اور مخلوق کے حوائج و ضروریات پر احاطہ کر رکھا ہے۔ روز اوّل سے اس نے ایسا مربوط و منظم سلسلہ بنایا ہے۔ جس میں کسی قسم کا ردو بدل نہیں ہوتا اور ہماری ساری سائنسی و علمی ترقیاں اس کے نظام ربوبیت و صنعت کے سامنے حیران و ششدر رہیں۔

اس کے نظام کی باطنی حکمتوں تک پہنچنا تو ہمارے امکان سے باہر ہے مگر اس کی ظاہرہ ہیت و تقدیرات کو دیکھ کر بھی اس عظمت و حکمت کے سامنے ہمارا فکر و خیال کافی مرعوب و مغلوب ہو جاتا ہے۔

ابتدائے آفرینش ہی میں اس نے سارے تعمیری نظام کو مکمل کر لیا ہے۔ اور اَجَلٌ مُّسَمًّى تک برقرار رکھنے کے لئے سارے سامان مہیا کر دیئے ہیں۔

سمندر کو محیط بیکراں بنایا اور زمین کو اس میں سے نکال کر اس قدر وسعت دی جس کے لئے سمندر آبی ضروریات کا کفیل ہو سکے۔

ظاہری نظر میں تو یہ بات مضحکہ خیز ہے مگر حقیقت حال پر نظر کرنے سے ثابت ہو جاتا ہے کہ زمین کی ساری آبی ضروریات سمندر ہی سے پوری ہوتی ہیں۔ اور وہ اپنے بخارات سے بادل و بارش پیدا کر کے

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

تقدیرات حق کی پابندی میں زمین اور اہل زمین کی آب نوشی کا فریضہ سرانجام دیتا ہے۔ ہواؤں کو پانی کے ساتھ جو تعلق ہے۔ وہ ہمارے سائنسی تجربات نے بالکل ظاہر کر دیا ہے۔ جب ہم سمندر کے کنارے اس کی لہروں کے سامنے کھڑے ہو کر دیکھتے ہیں تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہوائیں سمندر میں سے پیدا ہو کر ہماری طرف آ رہی ہیں۔

ہواؤں کے عالم گیر کُلّی نظام پر تو ہمیں کچھ احاطہ نہیں ہے مگر اتنی بات تو ہم میں سے ہر شخص جانتا ہے کہ ہوائیں سمندر سے پانی کو اٹھا کر زمین کی طرف آتی ہیں۔ اور بلند پہاڑوں سے ٹکرا کر مختلف طبعی مراحل و عوامل مقدرہ سے گزرتے ہوئے بارش برساتی ہیں۔ اور ہم دیکھتے ہیں کہ وہی بارش کا پانی پہاڑوں میں جذب ہو کر مابعد میں مختلف چشموں اور کاریزوں کی شکل میں زمین پر آبپاشی کرتا ہے۔ پہاڑوں کو مختلف سلاسل میں پیدا کرنا اور زمین کے سینہ پر انہیں استحکام و استقرار عطا کرنا اپنے اندر جو عمیق حکمتیں رکھتا ہے۔ ان کا حقیقی و کلی علم تو خالق و صانع کے پاس ہے۔ مگر جو بات ہمارے نظری اور سائنسی تجربہ سے ثابت ہو رہی ہے۔ اس سے ان کی ضرورت و اہمیت کا جو احساس پیدا ہوتا ہے۔ وہ بھی کچھ کم نہیں ہے۔

اگر بلند پہاڑ نہ ہوتے تو زمین پر بارش کا ایک قطرہ بھی نہیں گر سکتا تھا۔ ان کی مخصوص شکل و ہیئت میں حق تعالیٰ نے بارش کے زائد پانی کے لئے جو گزرگاہیں اور راستے بنا دیئے ہیں وہ بھی اہل نظر کے لئے اس کی منظم حکمت کا ثبوت فراہم کرتے ہیں

اگر ان مخصوص راستوں کے ذریعہ پانی کے مسلسل اخراج کا انتظام نہ ہوتا اور یہ جمع شدہ پانی ایک دم طبقہ زمین کی طرف آتا تو وہاں آبادی و زراعت کا کوئی امکان قائم نہیں رہ سکتا تھا۔

ندی، نالوں اور دریاؤں کا پانی وسیع میدانوں میں اپنی جو کارروائی کرتا ہے وہ اظہر من الشمس ہے۔ یہی بارش اور دریاؤں کا پانی زمین کے مسامات کے ذریعہ اس کی تہہ میں جمع ہو کر ہمارے لئے کنوئیں اور چشمے فراہم کرتا ہے۔ جس سے ہم زراعت و آبنوشی کی ضروریات کو پورا کرتے ہیں۔

اس نظام کی وسعت و ہمہ گیری اور کثرت و تنوع ہی ہمارے فکر کو حق تعالیٰ کی حکمت و قدرت اور حسن صنعت کے ملاحظہ کرنے میں مانع ہو گئی ہے۔

جن علاقوں میں پانی کی قلت ہے اور لوگوں کو اس کا احساس شدت سے ہے۔ وہاں اس کی فراہمی و دستیابی پر انسانوں کے دلوں میں شکر خداوندی کے جذبات ضرور اپنا جلوہ دکھاتے ہیں۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ندی، نالوں اور دریاؤں کے پانی کو کھیتوں تک پہنچانے میں انسانی حکمت عمل نے جو مظاہرہ کیا ہے۔ اہل ایمان کے نزدیک وہ بھی حق تعالیٰ کی ہدایت و حکمت کا مرہون منت ہے۔ اور انسانی عمل و صنعت بھی حق تعالیٰ کی تخلیق ہی کا ایک حصہ ہے۔ پانی کی خاصیت ہے۔ اور ہمارے روزمرہ کے تجربہ سے ثابت ہے کہ وہ اوپر سے نیچے اور بلندی سے نشیب کی طرف جاری ہوتا ہے۔ مگر جب ہم نباتات میں ملاحظہ کرتے ہیں کہ پانی نیچے سے اوپر کی طرف چڑھ رہا ہے اور ہر ڈال ڈال پتی پتی تک اپنی رطوبت کے ذریعہ اجزائے زمین کی خوراک کو پہنچا کر طراوت و تازگی پیدا کر رہا ہے تو یہ امر ہماری حیرت کی افزونی کا باعث ہوتا ہے۔ جہاں حق کی تقدیرات نے اشیاء کے خواص مقرر فرمائے ہیں۔ وہاں اس کی قدرت مطلقہ اپنے حسب منشا ان سے ہر طریق پر کام لینے پر قادر ہے۔ وہ کون ہے۔ جو اپنے تصرف سے پودے میں پانی کی الٹی گنگا چلا رہا ہے؟ یقیناً وہی ہے جو پودے کو عدم سے وجود میں لایا۔ اس کی جڑوں میں زمین سے اخذ غذا کی صلاحیت پیدا کی اس کے تنے کے پوست کو نرم اور مسامدار بنایا۔ اس کی ٹہنیوں اور پتوں میں ریشے پیدا کئے اور انہیں شاخ در شاخ نئی کونپلوں تک پہنچایا۔ جن کی نمو و نمود اور نزاکت سب سے زیادہ پانی اور خوراک کی محتاج ہے۔ پودے کو پیدا ہونے۔ زندہ برقرار رہنے اور نشوونما پانے کے لئے، تیسری جس چیز کی اشد ضرورت ہے وہ ہوا ہے۔

ہمارے سائنسی تجربات نے ثابت کر دیا ہے کہ جس طرح انسان اور دوسرے حیوانات ہوا کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے بالکل اسی طرح نباتات بھی اپنے قیام حیات اور نشوونما کے لئے اس کے محتاج ہیں قربان جائیے اس کی قدرت و رحمت کے کہ جس چیز کی مخلوقات کی زندگی کے لئے سب سے زیادہ ضرورت ہے اسے سب سے زیادہ عام اور سہل الحصول بنا دیا ہے۔ نباتات کو زمین اور پانی کی تلاش میں تو اکثر انسانی تصرف کا محتاج ہونا پڑتا ہے۔ مگر ہوا ہر جگہ موجود ہے اور اس کے حصول میں کسی قسم کا احتیاج واقع نہیں ہے۔ جو اس کی رحمت و ربوبیت کی بین دلیل ہے۔ چوتھی چیز سورج کی دھوپ اس کی روشنی و حرارت، نباتات کی نشوونما، قیام و بقا اور افزائش نسل کے لئے نہایت اہم اور ضروریات زندگی کا جزو لاینفک ہے۔

یہ امر بھی ہمارے روزمرہ کے مشاہدہ اور سائنس کے عملی تجربات سے ثابت ہے کہ جس پودے تک سورج کی حرارت و روشنی بالکل نہ پہنچ سکے وہ نمود حیات کے نظارہ سے محروم رہتا ہے اور جس پودے کو تھوڑی مقدار میں دھوپ اور روشنی حاصل ہو وہ اس پودے کی نسبت جسے طبعی ضرورت

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کے مطابق یہ غذائی نعمت مل رہی ہو بہت کم مقدار میں قدآور ہو کر پھلتا پھولتا اور بارآور ہوتا ہے چنانچہ درختوں کے گھنے سایہ کے نیچے پیدا ہونے والے پودے اپنی اسی حالت کا اظہار کرتے ہیں۔ اور یہ بات تو ہر شخص جانتا ہے کہ پہاڑی اور سرد علاقہ میں جہاں دھوپ تیز نہیں ہوتی جو فصلیں چھ ماہ کے عرصہ میں بارآور ہوتی ہیں۔ وہ گرم علاقہ میں دو تین ماہ میں پک کر تیار ہو جاتی ہیں۔ اور اگر اس کی مثال درکار ہو تو آپ ملاحظہ فرما سکتے ہیں کہ مکی کی فصل پنجاب کے گرم اور میدانی علاقہ میں دو ماہ میں بالکل تیار ہو جاتی ہے۔ مگر یہی مکی کاغان کی سرد وادی میں اپنے بارآور ہونے کے لیے پورے چھ ماہ کا انتظار کراتی ہے۔ اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ وہاں برفانی پہاڑوں میں حرارت کی کمی اور سایہ کی وجہ سے روشنی کا فقدان ہے اور ان کھیتوں کو دھوپ بہت تھوڑے عرصہ کے لئے میسر آتی ہے۔ سورج کی اہمیت سے واقف ہونے کے بعد اب اس بات پر غور فرمائیے کہ وہ کون ذاتِ عظیم ہے۔ جس نے اسے پیدا فرما کر ایک انداز سے پر مقرر و مسخر فرمایا ہے۔ اس کے نکلنے اور غروب ہونے سے دن اور رات کا مستحکم نظام پیدا فرمایا جس سے اس کے متعین اوقات میں ایک سیکنڈ کا فرق بھی واقع نہیں ہوتا۔ اگر دن یا رات اپنے معینہ اوقات میں کوئی غیر معمولی تبدیلی پیدا کر لیں تو کیا یہ نظام عالم برقرار رہ سکتا ہے؟ دن کی مدت میں غیر معمولی طول ہونے سے تمام اشیا جل جائیں اور اسی طرح رات کے طول سے بھی تمام کارخانہ عالم سرد اور منجمد ہو کر رہ جائے۔

رات اور دن کی سردی و گرمی میں ایک ایسا توازن عطا فرمایا ہے۔ جو جملہ مخلوقات کی حیات و بقا کا کفیل و ضامن ہے۔

جہاں ان کی روشنی ہمارے کاروبارِ حیات میں زندگی و حرارت پیدا کرتی ہے وہاں رات کا اندھیرا سکون و راحتِ جاں ہے۔

اور پودے کی زندگی پر دن رات کا اختلاف جو اثرات پیدا کرتا ہے اس کی مفصل کیفیت تو عوامی نظروں سے پنہاں ہے۔

اب ہمارا زیرِ نظر انار کا پودا ان سب عناصر عالم کے مقدور عمل و خدمت سے اثر پذیر ہو کر اور فائدہ اٹھا کر اپنے سن بلوغ کے قریب پہنچ چکا ہے اور مناسب موسم پر اس میں پھول آنے شروع ہو گئے ہیں۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

گہرے سبز پتوں میں گھرے سُرخ پھول بھی کیا دل آویز اور جاذب نظر ہیں کہ انسان کا ذوق نظارہ سیر ہونے اور نگاہ اٹھانے کا نام نہیں لیتا۔ جن کا فکر و نظر خالق کی حسین صنعت کا ملاحظہ کرنے کا عادی ہو چکا ہے وہ اس میں کمال ربوبیت اور جمال و رحمت کے نشان و نظائر بخوبی محسوس کرتے ہیں۔ قدرت کے عام قاعدہ میں جہاں انسان اور جملہ انواع حیوانات میں مذکر و مؤنث کے جوڑے پیدا کئے گئے ہیں اور ان کی افزائش نسل کا انحصار ان کے اختلاط پر رکھا گیا ہے۔ وہاں نباتات میں بھی یہی اصول عمل پذیر ہے۔

ربط و اختلاط مادہ اور جو ہر وجود کے لئے ہر قسم کے حیوانات میں مذکر و مؤنث ایک دوسرے کے قریب آتے۔ پیار و محبت کرتے اور جفت ہوتے ہیں۔ مگر نباتات کے لئے ایک دوسرے سے پیوست ہونا اور ذاتی طور پر مادہ کا تبدیل کرنا امکان سے خارج ہے اس لئے حکیم مطلق نے اپنی کمال قدرت سے اس کا انتظام اس طرح فرمایا کہ چھوٹے چھوٹے کیڑے مکوڑے، پروانہ تتلیاں مختلف قسم کی مکھیوں اور ہواؤں کو نباتات پر مسلط کر دیا جو ایک پھول سے چھو کر دوسرے کی طرف منتقل ہوتے ہیں اور ان کے ساتھ نر کا مادہ مؤنث تک پہنچ جاتا ہے اور ہمارے شعور و نظارہ کے بغیر غائبانہ طور پر یہ عمل وقوع پذیر ہوتا رہتا ہے۔

بعض نباتات میں نر اور مادہ کے پودے علیحدہ علیحدہ ہوتے ہیں اور اکثر میں ایک ہی پودہ سے علیحدہ علیحدہ نر اور مادہ کے پھول نمودار ہوتے ہیں۔

اس جنسی عمل سے فارغ ہو کر انار کا پودا بار آور ہو چکا ہے۔ چھوٹے چھوٹے گول پھل روز بروز اپنے وجود و حجم میں بڑھ رہے ہیں مگر ان کی لسّنگی اور سختی میں کوئی نمایاں فرق نہیں ہے۔

بہت کم لوگوں کو یہ بات معلوم ہے۔ اور ہمارے سائنسی تجربات بھی مکمل طور پر اسے اپنے احاطہ علم و مشاہدہ میں نہیں لا سکے کہ اس پھل پر خام سے پختہ سخت سے نرم اور خشک سے مرطوب ہونے میں کس طرح چاند اور ستاروں کی روشنی و ٹھنڈک اپنے عمل و اثر کی کارفرمائی کر رہی ہے۔ اور ان سے اثر پذیری کے بعد ہی پھل کھانے کے قابل ہوتا ہے۔

چاند کی سردی اور رطوبت کو ہم اپنے وجودی تجربہ کی بنا پر محسوس کر سکتے ہیں۔ مگر ستاروں کی روشنی کے عمل و دخل کے متعلق ہمارا علم تشنۂ تکمیل ہے۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ستاروں کے اثرات کا علم تو دور کی بات ہے اسے خاص لوگوں کے لئے چھوڑ کر جب ہم انار کی اندرونی ہیت و ساخت کو مرکز فکر بناتے ہیں تو حکمت و قدرت الٰہی اور صنعت کاملہ نظر آنے لگتی ہے۔ کہ کس طرح اس نے تخم کے اوپر نرم و لطیف گودا بنا کر اس میں ترش و شیریں مختلف قسم کا رس بھر دیا ہے اور ان دانوں کو گچھوں اور لڑیوں کی صورت میں جما دیا۔

ان دانوں کو ایک دوسرے کی رگڑ سے بچانے کی خاطر ان کے اوپر اور درمیان نہایت نرم و نازک پوست کا غلاف چڑھایا اور پھر ان سب گچھوں کے مجموعہ کو نہایت مناسب قدر جسم کے ساتھ گول شکل میں نمایاں فرمایا اور اس سب مجموعہ کی حفاظت کے لئے اوپر سخت زرد چمڑہ کی قسم کا پوست بنا دیا۔ یہ سب امور اس کی کمال قدرت اور حکمت و ربوبیت کا ثبوت ہیں۔ دیکھنے کی بات تو یہ ہے کہ ایک معمولی انار کے پھل کی تخلیق و تکمیل کے عمل میں کائنات کے جملہ عناصر عظیم متحدہ طور پر اپنی کارفرمائی کرتے ہوئے نظر آرہے ہیں۔ اور اگر ان میں سے ایک شے بھی اپنے فعل و عمل میں قاصر ہو جائے تو ایک انار پر کیا موقوف ہے۔ دنیا کی کوئی چیز بھی اپنے وجود کی تکمیل تک نہ پہنچ سکے۔

انسانی نظر کا مغالطہ

ان سب کو کنٹرول کرنے اور اپنے اپنے وظائف کی ادائیگی پر مجبور کرنے والی قوت اللہ تعالیٰ کے سوا اور کون ہے؟ مگر یہاں انسانی نظر ایک مغالطہ کا شکار ہوتی ہے۔

جو لوگ اپنی ساری زندگی میں اپنی ذات پر نفع یا نقصان کی جہت سے مؤثر عناصر واقتدار کے سامنے مشکور یا مرعوب ہونے کے عادی ہیں۔ اور جن کی پست ذہنیت اور ناقص فکر و خیال اشیا و عناصر مؤثرہ کی عدمیت تک پہنچ کر انہیں اپنی ذات و حقیقت میں عدم محض اور قائم بالحق نہیں دیکھ سکتی وہ ان عناصر کے سامنے دست بستہ ہو کر اپنی عبودیت کا اظہار کرنے لگتے اور وہ اس ظلم کو محسوس نہیں کرتے۔ جس میں وہ خالق حقیقی واحد القہار کے حق کو چھین کر مخلوق مجبور کو دے رہے ہیں۔ رب العالمین کے حق کو چھیننے میں گو کوئی اصل و حقیقت نہیں ہے مگر ان ظالم لوگوں کی اپنی دانست و خیال ہی ان کے پاؤں کی زنجیر بن کر انہیں ایک غلط نظریہ

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کی مقید بنادیتی ہے۔

انہی عناصر عظیم کہیبت ورعب نے سابقہ زمانہ میں پست وفطرت اور تنگ نظر جہلا کو اپنا نشانہ بنایا اور وہ انہیں دیوی دیوتا کا نام دے کر ان کے بت بنا کر پرستش کرنے اور ان سے اس طرح محبت کرنے لگ گئے جس طرح خالق حقیقی سے کرنی واجب ہے۔ اور بالکل اس ذہنیت کے لوگ آج کل بھی اشیا کی محبت میں گم ہو کر ان کے خالق سے غافل و مہجور اور راہ حق سے دور و نفور ہو گئے ہیں۔

اہلِ ایمان و معرفت کی حق سے محبت

یہ روح کی آزادی کے ساتھ فکر و نظر کی وسعت اور ایمان کی روشنی ہے۔ جو ہمیں مخلوقات کے دام فریب سے نکال کر حقیقی خالق و مالک اور سرچشمہ قوت و قدرت کی بارگاہ تک پہنچاتی ہے۔ اور ایسا انسان ہی اپنی روح کی ساری محبت کو اللہ تعالیٰ کے لئے وقف کرتا ہے اسی لئے فرمانِ باری تعالیٰ ہے کہ: وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ (ترجمہ) اور جو لوگ ایمان والے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ سے اشد محبت رکھتے ہیں۔ فکر سلیم کے نتیجہ میں جن لوگوں کو اشیاء کا ذاتی عدم محض اور قیام بالحق نظر آ کر ایمان و ایقان کی روشنی کو وجدان و الہام کی سرحدوں تک پہنچا دیتا ہے اور وہ ان کے ذریعہ اپنے رب کو محسوس و معلوم کرنے لگ جاتے ہیں۔ وہ اس کے ساتھ شدید محبت کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

فانی عناصر و اشیاء سے محبت کا انجام

اور جن ظالم و جاہل لوگوں نے اپنے دلوں کو عناصر کی مستعار قوتوں سے باندھ رکھا ہے۔ اور وہ انہیں اپنے وجود و قوت میں حقیقتِ عینیہ کا رتبہ دے رہے ہیں۔ جب موت کے بعد اس عالمِ رنگ و بو کے تقیدات سے چھوٹ کر آزادی حاصل کریں گے۔ اور عنصری حجابات ان سے رفع ہو کر کشفِ حقیقی تک پہنچ جائیں گے۔ اور ان کی نظر و بصیرت میں چمک پیدا ہو کر صورتِ حال کو اپنی اصلیت میں دیکھنے لگیں گے تو وہ محسوس کریں گے کہ عناصر کی قوتیں نابود ہو گئیں۔ ان کی ایکٹنگ اور تماشا ختم ہو گیا۔ جن قوتوں کو وہ مستقل سمجھ رہا تھا وہ ڈھلتی چھاؤں تھیں۔ جن ارباب و عناصر کو اپنے

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

وجود میں قائم بالذات اور سرچشمہ قوت سمجھ رہا تھا۔ وہ اسے پردہ سکرین پر چلتی پھرتی تصویریں ثابت ہوں گی اور ان کے پسِ منظر حقیقی مؤثر اور کارگزار حق تعالیٰ کی قدرت کا اظہار ہونے لگے گا۔ اس وقت حقیقت کا احساس وادراک ہی اس کے لئے عذاب کی صورت اختیار کرلے گا۔

دنیاوی زندگی میں حق سے اعراض اور باطل وفانی قوتوں سے عقیدت ونیازمندی کا خسارہ اس کے دل میں حسرت کی آگ لگا دے گا۔ اس کا احساسِ زیاں ہی اس کے لیے جہنم زا ہو گا۔ اس کی اپنی فطرت اور روح کے تقاضے جاگ اٹھیں گے اور ان کے حصول سے مجبوری ومعذوری اس کے لئے عذابِ شدید کے مترادف ہو گی اس نے قریبی اور ظاہری اسباب پر جو تکیہ اور توکل باندھا تھا وہ اس سے علیحدہ ہو جائیں گے۔ وہ اسباب ہی اس متوکل پر لعنت ڈالیں گے اور اپنی بیزاری کا اظہار کریں گے۔

اس وقت جب باطل کا طلسم ٹوٹ جائے گا۔ اور حقیقتِ حال اس پر ظاہر ہو جائے گی۔ تو خواہش کرے گا کہ کاش مجھے دوبارہ دنیا میں جانا نصیب ہوتا میں بھی مناظر کی ان عارضی، فانی اور باطل قوتوں سے اس طرح اظہارِ نفرت کروں جس طرح آج وہ مجھ سے علیحدہ ہو کر چھوڑ گئے ہیں۔ اس وقت اپنی جان وروح پر ظلم کرنے والوں کے عقائد واعمال کا پول کھل جائے گا حق سے دوری ومہجور ہونے کے احساس سے ان کی حسرت کی آگ اور زیادہ تیز ہو جائے گی اور حق تعالیٰ کے سوا کوئی قوت انہیں اس آگ کے عذاب سے باہر نہیں نکال سکے گی۔ مندرجہ ذیل آیات میں انہی حقائق کا بیان فرمایا گیا ہے۔

وَلَوْ يَرَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا .... وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ۝ (البقرہ)

ان اہلِ نار کے بھی مدارج ہوں گے۔ جو لوگ نفس کی رذالت وکمینگی اور ادنیٰ خواہشات میں گرفتگی کے باعث اشیاء ولذاتِ زندگی کی شدید محبت کا شکار ہو کر حق سے غافل رہے ہوں گے اور اس کے ذکر وعبادت سے فائدہ مند تو نہیں ہوئے مگر ان کے دل سے کبھی کبھار حق تعالیٰ کی ذات کے احساس اور ایمان کی روشنی اجاگر ہوتی ہو گی۔ وہ روح پر باطل کی محبت سے متعلقہ اعمال کے اثرات زائل ہونے پر دوزخ کی بھٹی سے نکال لئے جاویں گے۔

لیکن جن لوگوں پر دنیاوی زندگی میں انکار واستکبار غالب رہا اور انہوں نے احساسِ حق

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

متعلق اپنی روح کی آواز کو شدت سے دبائے رکھا۔ اُن کی کافرانہ زندگی کے اثرات اس قدر شدید ہوں گے جن کی پاداش میں ہمیشہ کے لئے نذرِ آتش رہنا ان کے لئے مقدر ہوگا۔

شدتِ حرص سے عقل و بصیرت کا زوال

اشیائے خورد و نوش کی حرص ہی انسان کے لئے برائی اور ظلم و جور کی محرک اور اس کی عقل و بصیرت کے زائل ہونے کی سب سے بڑی وجہ ہے۔ اس لئے حق تعالیٰ اپنی رحمت سے کافۃ الناس کو خورد و نوش کی اندھی محبت اور شدید حرص سے بچنے کا احساس دلاتے ہیں۔ اور زمین میں سے صرف حلال و طیب اشیاء کے استعمال ہی کی اجازت فرماتے ہیں۔

انسان کو مغلوب و گمراہ کرنے میں شیطان کا سب سے بڑا ہتھیار یہی پست بہیمی خواہشات کا اس کے دل میں ابھار و اظہار کرنا ہے۔ اور اس کے بعد انسان حرص و شہوت کے نشہ میں مقتضائے فطرت کے خلاف ہر قسم کے ناجائز اعمال اور جدو جہد شروع کر دیتا ہے۔

شیطان کی طینت اور انسان دشمنی کا اظہار حق تعالیٰ کی رحمت اور اتمامِ حجت ہے۔ اس کا سرشتی تقاضا یہی ہے کہ وہ انسان کو برائی اور بے حیائی کے کاموں کی طرف بلاتا ہے۔ اور حق تعالیٰ کی عظمت کو اس کی نظروں سے اوجھل رکھنے کے لئے اسے غلط نظریات کا پابند بناتا ہے۔

جس دل پر شیطان کا قبضہ ہوتا ہے وہ اس میں فطرت و سنت اور تقدیرات الٰہیہ کے خلاف عقائد کو پرورش دیتا ہے۔ اور وہ شخص ظنی اوہام و تصورات میں گرفتار ہو کر حق کے متعلق فضول اور لایعنی گفتگو شروع کر دیتا ہے۔

تقلیدِ آبائی پر افتخار کی مذمت

حرص کے متعلق تادیب و تنبیہ کے بعد حق تعالیٰ گمراہ لوگوں کی دوسری بنیادی غلطی اور ان کی نفسی کیفیت کا اظہار فرماتے ہیں کہ جب انہیں امرِ حق کی طرف بلایا جاتا ہے اور وہ راستہ ان کے آبائی طور و طریق کے خلاف ہوتا ہے۔ تو وہ لوگ اپنے آبائی طریق میں گرفتاری پر فخر کا اظہار کرنے لگ جاتے ہیں حالانکہ ان کے آباؤ اجداد کا راستہ امرِ حق کے خلاف اور فرسودہ و باطل ہوتا ہے۔ اور اس میں کسی عمل خیر کا ایک جز بھی شامل نہیں ہوتا۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ان کے آباؤ اجداد جو عقل و فراست اور فطرت سے دور محض ظن وتخمین اور نفسانی خواہشات پر چند رسم و رواج کے پابند ہوتے ہیں اپنے اخلاف کے لئے ضلالت و گمراہی کا باعث بن جاتے ہیں۔

انسانی نفسیات کا یہ خاصہ ہے کہ وہ جن اعمال و کوائف میں عرصہ دراز تک مبتلا رہتا ہے۔ ان کا تأثر اس کی روح کی گہرائیوں میں جم کر اس کی طبیعت کا جزو لاینفک بن جاتا ہے۔ اور قومی و اجتماعی عصبیت کی صورت میں وہ لوگ ان امور پر فخر و مباہات کرنے لگتے ہیں۔

یہی کبر و غرور اور فخر و مباہات ان کے لئے زنجیر پا ہوتے ہیں۔ اور ان کی نظر کو مقید و محدود کر کے داعیان حق کی طرف بنظر استحسان دیکھنے سے روک دیتے ہیں۔

ان منکر لوگوں کی نفسیاتی کیفیت کچھ اس قسم کی واقع ہو جاتی ہے کہ مدعیان حق کی آواز ان کے نزدیک بے معنی ہو جاتی ہے جس طرح جنگل کے جانور ہماری بات کی اصل و حقیقت کو نہیں سمجھتے اور صرف شور و پکار محسوس کرتے ہیں۔ بالکل اس طرح منکرین بات کے مفہوم و مطالب کو سمجھنے اور حقیقت حال کو دیکھنے میں نرے بہرے گونگے اور اندھے ہوتے ہیں اور ان کی عقل و بصیرت کالعدم ہو جاتی ہے۔

حلال وطیب اشیاء کے کھانے کی تلقین

مذکورہ تقدیرات اور تنبیہات کے اظہار پر یقیناً ایک مومن کا نفس عظمت و جلال حق کے سامنے دبک جاتا ہے۔ اور وہ اپنی نفسانی خواہشات اور طبعی ضروریات کی تکمیل میں بھی حد اعتدال سے کمی پر اتر آتا ہے۔

اس نشۂ اتقا میں جو شخص اپنے نفس و وجود کے فطری حقوق کو ادا نہیں کرتا اور اپنے وجودی ضعف و اضمحلال سے غافل ہو کر فرائض کی ادائیگی میں قاصر ہونے کے احتمال تک پہنچ جاتا ہے۔ اس کے لئے اللہ تعالیٰ کی حکمت و رحمت آواز دیتی ہے یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ کہ اے ایمان والو اللہ تعالیٰ نے تمہیں جو پاکیزہ رزق دیا ہے۔ اس میں سے کھاؤ۔ جہاں عامۃ الناس کو حرص خورد و نوش کی افراط کے مہلک اثرات سے ڈرایا جا رہا ہے۔ وہاں مومنین کو اس کی تفریط سے بچایا جاتا ہے۔

عامۃ المومنین کے لئے اس حکم خداوندی میں ہزار در ہزار حکمتیں اور مصلحتیں یکجا بیان کر کے اللہ تعالیٰ نے انسانی زندگی کے مقصود کو واضح فرما دیا ہے۔ حکمت و تدبیر خداوندی میں تقدیرات عالم کچھ اس طرح وا کی گئی ہیں کہ ان کا مسلسل ظہور وہی منشائے ایزدی نظر آتا ہے۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

انسان کو خلیفۃ الارض اور اشرف المخلوقات بنایا گیا ہے۔ اور باقی تمام اشیائے کائنات کو اس کے قیام و بقا اور تعمیری مقاصد کی تکمیل کے لئے خادم و مسخر بنا دیا گیا ہے۔ انسانی زندگی کا قیام و استحکام کھانے پینے اور طبعی و نفسی ضروریات کو پورا کرنے میں ہے اور خداوند تعالیٰ کی ربوبیت نے ان اشیاء کے ذخائر کو اپنے علم و حکمت کے خزانہ میں مقدارِ کثیر و وافر میں جمع کر رکھا ہے۔ اور اس دنیا میں ان کا اظہار و نزول حسبِ ضرورت اور قدرِ معلوم پر ہوتا رہتا ہے۔ انسان کے وجود کی تعمیر اور اس کی غذائی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے حق تعالیٰ نے اناج دودھ، گوشت، سبزیاں، پھل اور دیگر ہزاروں قسم کی اشیا اور نعمتوں کو محیر العقول طریقہ پر اپنی حکمت و رحمت سے مہیا فرما دیا ہے۔ ان تمام اشیاء کے پیدا کرنے سے مقصود یہی ہے کہ انسان انہیں صحیح فطری طریقہ پر استعمال کر کے تمتع حاصل کرے اور اس کے نتیجہ میں اپنے اور ان تمام اشیاء کے خالق کے حضور میں۔ تہ دل سے شکر بجا لائے اور اپنے جذبۂ عبودیت کی تکمیل کر کے اپنے موحد صادق ہونے کا ثبوت پیش کرے۔

اس صورتِ حال میں اس کے خالق و مالک کی رضا و خوشنودی کا راز مضمر ہے۔ اور اس طریقہ سے وہ اپنی روح کے مقصدِ حیات کی تکمیل اور حقیقی خوشی کو اپنا سکتا ہے۔ جو لوگ اس کی حلال و طیب نعمتوں کے استعمال اور جائز تمتع سے اعراض و نفرت کرتے ہیں ان کا جذبہ غیر فطری ہوتا ہے اور یہ ان کے خالق کی رضا و مشیت کے بالکل خلاف ہے۔

جو شخص طیب اشیاء و نعمائے سے نفور رہتا ہے۔ وہ گویا خدا کی جنت کو ناپسند کرتا ہے۔ جس میں خدا نے اپنی کمال رحمت سے بندوں کے لئے ہر قسم کی نعمتوں اور لذائذ کو جمع فرمایا ہے۔

ایسے مسخ شدہ مذاق کا آدمی شکرِ نعمت کی عبادت سے محروم رہتا ہے۔ مگر ایسا مومن جو اپنے نفس کے تزکیہ اور اصلاح اور اسے لذائذِ دنیا کی چاٹ کی غرقابی سے نکالنے کے لئے کسی نعمت کے استعمال سے وقتی طور پر رک جاتا ہے۔ وہ اس کلیہ سے مستثنیٰ ہے۔

جب تک خداوند تعالیٰ کو اس دنیا کا قائم رکھنا اور اس صورت میں اپنی صفات و شیونات کا ملاحظہ کرنا منظور ہے۔ نعمائے الٰہی کی آمد و رسد کا یہ سلسلہ اس طرح جاری رہے گا اور انسان کیلئے شکرِ نعمت کے ذریعہ تکمیلِ عبودیت کا دروازہ کھلا رہے گا۔

آیت مذکورہ میں رزق و نعمت کا کھانا اور شکر کا بجا لانا گویا عبودیت کا لازمہ بن گیا ہے۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

قبولِ ہدایت کے لئے ذاتی فکری تحریک کا ہونا لازمی ہے

ہدایت و ضلالت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ اور جن لوگوں کے باطن میں وہ ضلالت کے داعیات کو مقدر کر دیتا ہے۔ وہ دلائل و براہین کے دیکھنے پر بھی ہدایت کو قبول نہیں کرتے۔

وہ آیات کی عظمت کے سامنے مبہوت و حیرت زدہ بھی ہوتے ہیں مگر ان کا باطن اس کے اثر کو قبول نہیں کرتا۔ مندرجہ ذیل آیات کے بیان سے اس حقیقت کا اظہار پایا جاتا ہے۔ (البقرہ) اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّیَ الَّذِیْ ..... اِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ۔ قبولِ ہدایت سے محرومی کی اصل وجہ یہی ہوتی ہے کہ جو شیطانی خصائص اس کے دل پر محیط ہوتے ہیں۔ وہ ان آیات و براہین کا تاثر دل کے اندر نہیں جانے دیتے کسی دوسرے کے حقیقت کو بیان کرنے پر جو حیرت پیدا ہوتی ہے۔ وہ عارضی اور خام ہوتی ہے۔ اور انسان کی ذاتی فکری تحریکات کے معدوم ہونے کی وجہ سے دلائل کا عارضی مشاہدہ اس کی روح پر اثر انداز نہیں ہوتا۔

حق کا حقیقی شہود اس کے نصیب نہ ہونے میں سب سے بڑی رکاوٹ اس کے کبر او ر غرور کی شیطانی صفات ہوتی ہیں۔

اس کی مثال مذکورہ آیات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور نمرود کا مباحثہ ہے۔ جس میں اپنے کبر و نخوت اور عارضی قوت کی وجہ سے اول تو وہ حق کے زندہ کرنے اور مارنے کی قدرت کو ہی خاطر میں نہیں لاتا۔ اور اس کے مقابلہ میں اپنی قدرت کا اظہار کر کے قبولِ حق کی استعداد کو معدوم کرتا ہے۔ مگر جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اس کی قدرت سے بالاتر قدرتِ حق کا مذکور فرماتے ہیں۔ اور اس سے مغرب کی طرف سے سورج نکالنے کا مطالبہ کر کے قدرتِ حق کی برتری کی دلیل ظاہر فرماتے ہیں تو اس میں حیرت و استعجاب کا اظہار کرنے کے باوجود نمرود تسلیم و قبولِ حق سے محروم رہتا ہے۔ جس کی وجہ یہی نظر آتی ہے کہ قدرتِ مطلقہ کو دیکھنے کے متعلق اس کے باطن میں کوئی ذاتی تحریک موجود نہیں ہے۔ اور دلیلِ حق جو زبردستی اس کی آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے۔ وہ اپنے وقتی تاثر کے باوجود اس کے دل کی گہرائیوں میں جگہ نہیں پاتی اس لئے قبولِ حق میں لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ کا کلیہ عمل پذیر ہے اور ہم زبردستی کسی کو دینِ فطرت کی طرف آنے پر مجبور نہیں کر سکتے۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ہمارے باطن میں حقیقت کو قبول کرنے کا دروازہ صرف اسی وقت کھلتا ہے۔ جب ہم بالکل آزاد فضاء میں بلاجبر واکراہ بے غرض محض اپنی رغبت و رضا سے مشاہدۂ حق کے متمنی ہوتے ہیں۔

اس صورت میں اپنے ایمان کو ایقان کی آخری سرحدوں تک پہنچانے کے لئے حق تعالیٰ سے ہمارا وسعتِ مشاہدہ کا سوال کرنا منظور و مقبول ہوتا ہے۔ اور ظاہری نظر میں یہ سوال کی جرأت عظمتِ حق کے تقاضا کے خلاف معلوم ہونے کے باوجود اسے رد نہیں کیا جاتا کیوں کہ اس کے بطن میں سائل کا خلوصِ محبت بامرِ حق اور وسعتِ معرفت کا داعیہ مضمر ہوتا ہے۔

اس کے جواب میں حق تعالیٰ اپنی کمال رحمت و شفقت سے ناظر کے سامنے اپنی قدرتِ مطلقہ کا ظہور مختلف اطوار میں فرماتے ہیں۔ جس کا ثبوت آیاتِ مذکورہ میں نظر آرہا ہے۔ اور اس طرح مومن کے قلب و نظر کو اپنی صفاتِ حکمت عزیزہ پر جما دیتے ہیں۔

ان آیات کے حقیقی مفہومات میں جس بات کی طرف ہم قارئین کی توجہ کو مبذول کرنا چاہتے ہیں۔ وہ یہی ہے کہ آیاتِ حق کے مشاہدہ کرنے میں انسان کا اپنا ذاتی ذوق و شوق ہی اس کے فکر کا اصل محرک ہوتا ہے۔ اور اس کی عدم موجودگی میں کسی دوسرے کی سعی و کاوش کوئی خاص نتیجہ پیدا نہیں کر سکتی۔ حق تعالیٰ نے عقل و فکر کی تحریکات کے لئے اپنی کلام پاک میں سینکڑوں جگہ اشارات کر کے آیات و دلائل کو واضح فرمایا ہے۔ مگر کتنے لوگ ہیں جو ان آیات پر غور و فکر کے لئے تیار ہوتے ہیں۔ اور اندھا دھند ان پر سے نہیں گزر جاتے۔

جن لوگوں کی توجہ ان حقائق پر غور کرنے کی طرف مبذول نہیں ہوتی۔ اس کی وجہ صرف ان کے ذاتی ذوقِ معرفت کا فقدان ہے۔

اور جو لوگ دل کے شوق کے ساتھ حق تعالیٰ کے اشاراتِ فکر و تدبر کو قبول کرتے ہیں ان کے لئے معرفتِ حقائق میں قدم بڑھانے کا راستہ کشادہ ہوتا جاتا ہے۔ اس لئے تلاوت سے قبل ہمیں بارگاہِ ربوبیت میں صدقِ دل سے دعا مانگنی چاہیئے کہ اپنی کلام پاک کو سمجھنے اور غور و فکر کرنے کی طلب و رغبت عطا فرمائے۔

فکر کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی خالقیت کا احساس

فکر کے ذریعہ تقدیراتِ اشیاء پر نگاہ کر کے اُن کے خالق کی فعلیت و قدرت محسوس و معلوم کرنا آسان فطری اور ابتدائی طریقہ ہے جس کا اپنانا عامۃ الناس کے امکان سے خارج نہیں ہے۔ اور معرفتِ افعال کے ذریعہ فاعل کی طرف رجوع و ترقی کرنا عوامی جدوجہد کے زیادہ قریب ہے۔ مگر اس کے لئے عقلِ سلیم

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کے ساتھ معرفت کی طلب و آرزو کا مسلسل قائم رہنا اور اس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کا ذکر و فکر ہر حالت میں اپنے دل پر مسلط رکھنا نہایت ضروری ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۗ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝ اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ الَّذِیْنَ یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِیٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَیَتَفَكَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝

(سورۃ آل عمران ۳ - آیت ۱۸۹ تا ۱۹۱)

زمین و آسمان کے درمیان ہر شے کی عدمیت پر نگاہ کر کے جب ہم اس بات کی تصدیق کر چکے ہیں کہ کوئی شے اپنے وجود میں قائم بالذات نہیں ہے۔ اور عدم محض ہونے کی صورت میں زبان حال سے قائم بالحق ہونے کا دعویٰ و اقرار کر رہی ہے تو اشیا کا مخلوق اور اللہ تعالیٰ کا خالق ہونا خود بخود ثابت و ظاہر ہے۔ اور ہمارا فکر و وجدان اسے تسلیم کرنے پر مجبور ہے۔

جب ہم کسی ذات کو کسی شے کا خالق تسلیم کر لیتے ہیں تو اسے اس شے کا مالک ماننے میں ہمارے عقل و خیال کو کوئی مانع نظر نہیں آتا۔

خالق ہونے کے بعد اس کا مالک ہونا امر بدیہی ہے اور اس کے لئے ہمیں کسی دلیل و ثبوت کی ضرورت نہیں۔

خالق و مالک ماننے اور سمجھنے کے بعد اس کا ہر شے پر قادر جاننا بھی کوئی زیادہ مشکل نہیں ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ مخلوقات کو کتم عدم سے منصۂ شہود پر لاتے وقت مختلف انواع کا تقرر و تعین فرمانا محض اس کی قدرتِ مطلقہ ہی کا کرشمہ ہے۔

اس نے جس طرح چاہا انواع مخلوقات کی تقسیم فرمادی اور اس کے ارادہ و مشیت کے حضور میں کسی شے کو مجالِ عذر و سوال نہ ہوسکا۔

جب ایک نقش اپنے معمولی نقاش کے سامنے بالکل مجبور اور ساکت و صامت ہے تو مخلوق اپنے خالق کی رضا و مشیت کی کسی طرح پابند و مقید نہیں۔ اور ہم واضح طور پر دیکھ رہے ہیں کہ اب بھی کوئی نوع مخلوق اپنی مرضی سے اپنے آپ کو کسی دیگر نوع میں تبدیل نہیں کرسکتی۔

یہ امر بلا کسی دلیل کے ظاہر و ثابت ہے کہ اس نے جسے چاہا نوعِ انسان میں پیدا فرمایا۔ اور جسے

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

چاہا انواعِ حیوانات میں سے ہزار قسم کی مخلوقات درندہ، چرندہ، پرندہ اور آبی حیوانات کی مختلف اقسام میں پیدا فرما دیا اسی طرح انواعِ نباتات میں لاکھوں اقسام کو مختلف اوصاف و خواص کے ساتھ ظاہر و پیدا فرمایا۔ جن کے علم کو احاطہ میں لانا بہت مشکل ہے۔

سب سے ادنیٰ درجہ پر انواعِ جمادات کو ملاحظہ فرمائیے۔ کیا ان کے مظاہر بھی قدرتِ مطلقہ پر بیّن دلیل نہیں ہیں ؟

سونا، چاندی، تانبا، سیسہ، پیتل، جست، اور ہزار قسم کی دھاتیں و پتھر اپنی اپنی تقدیرات میں مقیّد و معیّن نہیں ہیں؟ اور کیا یہ سب انواعِ مخلوقات اس کے حضور سرنگوں ہو کر زبانِ حال سے اس کی قدرتِ مطلقہ کو بیان نہیں کر رہی ہیں ؟

قدرتِ مطلقہ کے باوجود اللہ تعالیٰ کا سنّتِ مقررہ اور تقدیراتِ معیّنہ کے اختیار فرمانے میں حکمت و مصلحت !

اللہ تعالیٰ اپنی ذاتی قدرت میں اشیاء کی انواع و تقدیرات کی تبدیلی پر ہر وقت قادر و قاہر ہے۔ مگر اس نے اپنے لئے جو سنت و طریقت جاری فرمائی ہے۔ اور اشیاء کو امرِ حق پر قائم کر کے ان کی تقدیرات میں تبدیلی کے لئے ایک معیّن و مقرر راستہ کے بغیر کارفرمائی نہیں کرتا اس کے مفاد و مصالح بے نہایت ہیں۔ اس کا اپنی فعلیت میں تقدیراتِ معیّنہ سے باہر نہ جانا۔ اس کی عین حکمت و رحمت کا نشان ہے اور اس امر کے بغیر کائنات میں نظم و ترتیب اور ربط و تسلسل پیدا نہیں ہو سکتا۔

اگر حق تعالیٰ نے اپنی کمال حکمت و ربوبیت سے اشیاء کی تقدیرات کو معین فرما کر مشروط کو شرط کے ساتھ نہ باندھا ہوتا تو اس حالت میں اس کائنات کی جو کیفیت ہوتی اور ظہورِ اشیاء کی بے نظمی سے جو صورت وقوع پذیر ہوتی اس کے تصور ہی سے آپ سہم جائیں گے۔

ایک طرف بغیر بادل کے ایک دم بارش آ گئی اور ہم اس کے نقصان سے بچاؤ کا سامان کرنے کی مہلت نہ پا سکے۔

دوسری طرف بغیر لکڑی یا تیل اور کسی قسم کے ایندھن کے ایک دم آگ کے شعلے بلند ہو گئے۔ اور ہماری ہر چیز جو اس کی زد میں تھی جل کر راکھ ہو گئی۔ ہمارے سامنے ایک دم انسان کا بچہ نمودار ہو گیا۔ اور خونی محبت کا رشتہ نہ ہونے کی بنا پر اس کی پرورش ہمارے لئے عذابِ جان بن گئی۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ہمارے اپنے کاموں میں کوئی نظم و ترتیب نہ رہے گی اور ہم مجنونوں کی سی حرکات کرنے لگ جائیں گے۔ سورج ایک دم نصف النہار پر آجائے گا تو ہم اس سے جلنے لگ جائیں گے۔ ہماری آنکھیں چندھیا جائیں گی۔

رات دن کا یہ منظم و مرتب سلسلہ نہ ہونے پر ہمارے کاموں میں کوئی ضبط و استحکام نہیں رہ سکے گا تو اس وقت ہم محسوس کریں گے کہ اشیاء و امور کا علل و اسباب اور شرط و مشروط کے ایک منظم مرتب اور مقدرہ سلسلہ میں پیدا ہونا ہمارے لیے حق تعالیٰ کی کتنی بڑی رحمت ہے اور یہ نظام و سلسلۂ تقدیرات کے بغیر احسن طریق پر قائم ہی نہیں ہو سکتا۔

امرِ حق کی تشریح!

انہی تعیین تقدیرات کو امر حق قرار دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے بار بار اس کا اظہار فرمایا ہے اور اس کے خلاف کو باطل قرار دے کر تخلیقِ اشیاء کو مہمل و بے نتیجہ ہونے سے بچایا ہے۔ و نیز عارف حقیقی کی زبان سے ربنا ما خلقت ھٰذا باطلاً کی شہادت دلا کر مہرِ تصدیق ثبت فرمائی ہے۔

اشیاء و امور کو خاص تقدیرات کا پابند بنانا بھی اس کی قدرتِ مطلقہ کے بغیر وقوع پذیر نہیں ہو سکتا۔

قدرتِ مطلقہ نے ہر شے کو پیدا فرما کر جس طرح اسے تقدیرات کے زنجیر سے باندھا ہے وہ صاف طور پر ظاہر و عیاں ہے۔ ہم اس کی حدود کے اندر ہی اس سے نفع و نقصان حاصل کرتے ہیں۔ اور ہر شے سے فائدہ حاصل کرنے کے لئے ہم اس کے متعلق ایک خاص طرزِ عمل اختیار کرنے پر مجبور ہیں۔ امر حق اور قدرِ اشیاء کا اشارہ فرما کر حق تعالیٰ نے ہمیں ہر شے کی سائنٹفک تحقیق کی دعوت فرمائی ہے۔

اشیاء و امور کے اقدار کی خصوصیات کے خلاف ان سے توقع کرنی اور کام نکالنے کی کوشش کرنا صریح ظلم ہے۔ جس سے ہمیں منع فرمایا گیا ہے۔ ہماری شریعت و طریقت کے سارے علم کا منبع یہی تقدیراتِ اشیاء و امور ہے۔ اور حقائق اشیاء و امور کے علم کو حاصل کر کے اس پر عمل کرنا ہم پر فرض اور ہماری ظاہری و باطنی، انفرادی و اجتماعی زندگی کی فلاح و بہبود کا ضامن ہے۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

آیات سے اللہ تعالیٰ کی عظمت و قدرت کا شعور حاصل کرنا

اپنے گرد و پیش معمولی درجہ کی مخلوقات کو مرکزِ غور و فکر بنانا کم درجہ کے فہم و ذکا اور قوتِ ادراک کیلئے بھی ممکن ہے۔ مگر آسمان و زمین کی عظیم و محیط آیات اور لیل و نہار میں اختلاف کے نشاناتِ قدرت کو ملاحظہ کرنے کے لئے وسیع فکر اور عقلِ درّاک کی ضرورت ہے۔

جب ایک وسیع الخیال آدمی زمین و آسمان سے حاصل شدہ مفادات اور انواعِ مخلوقات کی حیات و بقا کا سامان دیکھتا ہے۔ تو ان کے خالق و منتظم کی قدرت و عظمت اس کے عقل و شعور پر احاطہ کر لیتی ہے۔

ذکر و فکر کی مداومت

دن رات کے مسلسل و مربوط نظام میں جو مصالح و حکمتیں مضمر ہیں۔ جب ان تک اس کی نگاہ جاتی ہے۔ تو اپنی واپسی میں وہ اللہ تعالیٰ سے عقیدت و نیازمندی کو اس کے دل کی گہرائیوں میں اتارتی جاتی ہے خالق و مالکِ کائنات کا ذکر و دھیان اس کے نسمہ و رُوح میں جم جاتا ہے۔ اور وہ مفکر اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے اور لیٹے ہونے کی ہر حالت میں اپنے قلب و زبان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے لبریز و معمور رہتا ہے۔

اس کا کوئی لحظہ ذکر و فکر سے خالی نہیں ہوتا۔ ذکر اسے فکر کی طرف ابھارتا ہے۔ اور فکر، ذکر کی طرف کھینچ لاتا ہے۔ کیونکہ یہ ایک دوسرے سے لازم و ملزوم ہیں۔ ذکر جذبہ دل سے اور فکر ذہن و دماغ سے ہویدا ہوتے ہیں۔ ذکرِ فکر کو رواں کرتا ہے اور فکر ذکر کی تکمیل کا سامان مہیا کرتا ہے۔ جب سعادت مند اور ازلی خوش قسمت مفکر ان آیات میں فکر کی مداومت کرتے ہیں اور ہر شے کو امرِ حق سے دیکھتے ہیں تو ان پر ظاہر ہو جاتا ہے کہ حق تعالیٰ نے کوئی شے مہمل و بے فائدہ پیدا نہیں فرمائی ہے۔ اور ہر چیز کسی خاص مقصد اور نتیجہ کے لئے پیدا کی گئی ہے۔ اگر انسان اشیاء کے بنیادی مقاصد پر نگاہ نہ رکھیں اور ان کا حقیقی مفاد حاصل نہ کریں تو یہ ان کا صریح ظلم اور کفرانِ نعمت ہے اور اشیاء و قویٰ کو بے موقعہ و بے محل استعمال کرنے کے نتیجہ میں انہیں عذاب النار سے دوچار ہونا پڑیگا۔ جس سے عارف لوگ ہر وقت پناہ کے ملتجی رہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی خالقیّت سے اُس کی توحید کا ثبوت

ہر شے سے حقیقی مفاد حاصل کرنے والے لوگ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی حمد و تعریف کو پکارتے رہتے ہیں

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

اور حمد کو صرف اسی ذات پاک کے ساتھ خاص کرتے ہیں جس نے زمین و آسمان اور اس کے درمیان کی ہر شے کو پیدا فرمایا وہ اللہ تعالیٰ کی آیات کی تصدیق کرنے اور ان کی حقانیت پر شہادت دینے والے ہوتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ۔۔۔ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ آیاتہ

ان آیات مبارکہ میں حق تعالیٰ نہ ماننے والوں کی بے انصافی اور ہٹ دھرمی کا تذکرہ فرما کر ان کی غفلت و بے بصیرتی اور آیات پر حقیقی غور و فکر سے اعراض کی طرف اشارہ فرماتے ہیں کہ اگر وہ اپنے رب کی مذکورہ نشانیوں پر صدق دل سے فکر کرتے تو اس کی خالقیت اور عظمت و ربوبیت کی معرفت کا دروازہ ان پر کھل جاتا اور وہ اس بات کو حقیقی طور پر جان جاتے کہ سب تعریف کا مستحق اللہ تعالیٰ ہی ہے جو زمین و آسمان کا خالق اور نور و ظلمات کا جس سے ہدایت و ضلالت اور دن رات بھی مراد ہو سکتے ہیں۔ منظم و مرتب فرمانے والا ہے۔ اور ان کے خلق و ترتیب دینے میں کوئی دوسرا اس کا شریک نہیں ہے۔

وہی واحد القہار ہے۔ جس نے اپنی مرضی و مشیت سے تمہیں مٹی میں سے پیدا فرمایا اور تمہاری حیات کی مدت معین فرمادی اور پھر ایک بڑی اجل جو ساری کائنات کے لئے ہے۔ اس کے ہاتھ میں ہے جس پر بھی تم شک و شبہ میں گرفتار ہو رہے ہو۔ وہی اللہ ہے۔ جس کے سوا آسمان و زمین میں کوئی موجود فی الحقیقت نہیں ہے۔ کوئی شے ذاتی ہستی کے ساتھ قدیم ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتی۔ ہر شے حادث اور اسی کی ذات کے پیدا کرنے سے معرض وجود میں آئی ہے۔ وہ تمہارے ظاہر و باطن اور دلوں کے بھید کو جانتا ہے۔ جو لوگ اسے خالق و مالک مانتے ہیں۔ وہ بھلا اس کی ان صفات سے کس طرح انکار کر سکتے ہیں۔ یہ تم ہی عقل کے اندھے ہو۔ جو اس کی بیان کردہ آیات اور نشانیوں پر دھیان نہیں کرتے اور ان سے اعراض کرنے میں کوئی شرم اور خسارہ محسوس نہیں کرتے۔

یہاں تو تم نے اپنے پاس آنے والے حق کو جھٹلا کر اس سے انکار کیا۔ مگر عنقریب موت کے واقع ہونے پر حقیقت حال کو جان جاؤ گے کہ جن سچائیوں کو تم اپنی حقارت اور استہزاء کا ہدف بناتے تھے وہ حقیقت عینیہ اور اصل الامور ہیں۔ کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ تم سے پہلے کتنی زبردست قومیں جنہیں دنیا میں تم سے کئی گنا زیادہ قوت و استعمار عطا کیا گیا اور ہر قسم کی نعمتیں جو آسمان کی بارش اور زمین کی نہروں سے پیدا ہوتی تھیں۔ استعمال میں لانے کے باوجود اپنے گناہوں کی شامت اور اعراض حق کی وجہ سے ہلاک و تباہ ہو گئیں اور ان کے بعد ہم نے دوسری قوموں کو پیدا کر دیا۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

انسان کی شقاوت میں اُس کی ضد اور فضول اعتراضات کا کردار

جن لوگوں کو ازلی شقاوت نے گھیر رکھا ہے وہ آیاتِ حق کے حضور تسلیم وانقیاد اختیار کرنے کی بجائے اپنے دلوں میں اعتراضات ہی کی پرورش کرتے ہیں اور یہ بات ان کی طینت وفطرت کا حصہ بن جاتی ہے۔

قرآن مجید جو حضورؐ پاک پر محسوس اور دوسروں کے لئے غیر محسوس طور پر نازل ہوتا ہے اگر بالکل محسوس صورت میں کاغذ پر لکھا ہوا۔ اُن کے پاس آجاوے اور یہ اسے اپنے ہاتھوں سے مس بھی کر لیں تو بھی اپنی ازلی بدبختی اور طبعی کجی کی وجہ سے عادی کافر یہی کہیں گے کہ یہ جادو کے سوا کچھ نہیں ہے۔ اس کے بعد وہ کہتے ہیں کہ حضورؐ پاک پر نازل ہونے والا فرشتہ ان کے پاس کیوں نہیں آتا؟ وہ ظالم اس بات کو نہیں سمجھتے کہ اگر وہ فرشتہ ان کے سامنے آجائے اور وہ اسے محسوس طور پر دیکھنے کے بعد بھی انکار کریں تو حق تعالیٰ کی غیرت ان کے لئے عذاب کے نازل کرنے میں زیادہ انتظار کی مہلت نہ دے۔

اور جن لوگوں کی تقدیر میں انکار وادبار ہی لکھا ہے۔ اگر ہم ان کے سامنے فرشتہ کو رسول بنا کر بھیجتے تو ان کی مادی اور بہیمی حیثیت کے لحاظ پر وہ ایک مرد کی شکل میں ہی محسوس ہو سکتا تھا اور اس صورت میں پھر ان کے وہی شک وشبہات عود کر آتے جو وہ حضور پاکؐ کو دیکھنے میں بروئے کار لاتے ہیں۔ تحقیق انہی نفسی کیفیات کے لوگ حضور پاک سے ماقبل کے رسُل وانبیاء سے تحقیر واستہزاء کا سلوک کرتے رہے ہیں اور پھر اللہ تعالیٰ کی غیرت نے ان کے ان اعمال وخیالات اور حرکات کو ہی پر الٹ دیا اور انہیں تباہ وبرباد کر کے دوسروں کے لئے باعثِ عبرت بنا دیا۔

حُجتِ بالغہ

اس عبرت کو مہمیز لگانے اور حجت کو پورا کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ حضور پاک سے فرماتے ہیں کہ ان بے بصیرت لوگوں سے کہہ دیجئے کہ ذرا زمین کی سیر کر کے تو دیکھو کہ امرِ حق کو جھٹلانے والوں کا انجام کیا ہوا ہے اور کس طرح ان کی تباہی وبربادی کے آثار ہر طرف بکھرے پڑے ہیں۔

اگر کچھ عبرت حاصل کر چکے ہوں تو اب آپؐ ان سے پوچھئے کہ جو کچھ زمین وآسمان کے درمیان میں ہے۔ وہ کس کی ملکیت ہے جو اس میں کامل تصرف کا حق رکھتا ہے۔ اس کے جواب میں آپ خود

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ہی فرمادیجئے کہ یہ سب کچھ اللہ کا ہے۔ وہی خالق اور حقیقی مالک ہے۔ جس نے اپنے نفس پر رحمت کے اجرا کو قائم کر رکھا ہے۔ اور اپنے عذاب کے نازل کرنے میں عجلت نہیں فرماتا۔ کیونکہ اس نے قیامت کے دن تم سب کو جمع کرنے کا ارادہ کر رکھا ہے۔ جس میں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں اور کوئی اس کے ارادہ کو ٹال نہیں سکتا۔ ان سب امور سے متنبہ ہونے کے باوجود جو لوگ ایمان نہیں لاتے ان کے نقصان و خسارہ میں کوئی کلام نہیں ہے۔ بطور تاکید آپ فرمادیجئے کہ ہر شے جس پر رات اور دن وارد ہوتے ہیں اسی کی ملک ہے اور وہ تمہارے باطن کی ہر آواز جس کو سنتا و جانتا ہے۔

اپنے قیام علی الحق پر بطور اتمام حجت آپؐ فرمادیجئے کہ کیا تمہارے عندیہ اور رضا کے مطابق میں اس اللہ تعالیٰ کے غیر کو اپنا دوست اور مددگار بنا لوں جو زمین و آسمان کا بنانے والا اور اپنی ربوبیت سے سارے جہان کو رزق پہنچانے اور کھلانے پلانے والا ہے اور خود کچھ کھانے کا محتاج نہیں ہے۔ آپ فرمادیجئے میں تو اس کے حقیقی غیر کو موجود ہی نہیں دیکھتا اور اپنی معرفت کی بنا پر اول و آخر اسی کا حکم ماننے پر مامور ہوں اور اس میں سب سے زیادہ ثابت و پیش قدم ہوں اس لیے مشرکین میں شمول کے امکان سے خارج ہوں۔ آپ اللہ تعالیٰ کی عظمت کے اظہار کے طور پر فرمادیجئے کہ اس علوئے شان کے باوجود اگر میں بھی اس کی اطاعت و فرمانبرداری سے اعراض کا پہلو اختیار کروں۔ تو قیامت کے یوم عظیم کے عذاب الٰہی کا ڈر رکھتا ہوں۔

اور جس پر سے اس دن کا عذاب ٹل گیا۔ بے شک وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے حدود میں داخل ہو گیا۔ اور اس کی رحمت کو اپنا لینا ہی سب سے بڑا مقصود و مراد ہے۔

الحمدللہ کے مفہوم کی تشریح

جب ایک مؤمن و صالح انسان آیات کے ذریعہ قدرت و معرفت حق کو دیکھنے کے لئے غور و فکر کی آنکھیں کھولتا ہے۔ اور اسے آثار قدرت و ربوبیت خالق سے کچھ نظر آنے لگتا ہے تو بے اختیار اس کی زبان پر الحمدللہ کے الفاظ آجاتے ہیں اور جب وہ ان آثار میں تعمق نظری سے معرفت کے قریب پہنچ کر منشاء و رضا الٰہی پر کاربند ہو جاتا ہے۔ تو حق تعالیٰ کی رحمت اور اس کے اعمال حسنہ کے مقدرہ اثرات باطنی اجمالی طور پر تو دنیا میں ہی اور تفصیلی طور پر موت و قیامت کے بعد اسے جنت الفردوس میں پہنچا دیتے ہیں جہاں وہ ہر قسم کی نعمائے الٰہی کو اپنے لئے وقف پاتا

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

جب اس کی روح ہر قسم کے سرور و نشاط سے شاد کام ہوتی ہے۔ اور اس کے باطن سے جذبہ شکر چشمہ کی طرح ابلنے لگتا ہے تو اس وقت بھی جنتی زبان میں اس کی یہی صدا ہوتی ہے۔ وَآخِرُ دَعْوٰهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ انسان بے چارہ اس کے سوا اپنے رب کا شکرانہ کر بھی کیا سکتا ہے اور اس کا یہ لفظی نذرانہ پیش کرنا بھی محض اس کے رب کی توفیق اور فضل و احسان کا نشان ہے۔ انسان کے اسی فطری تقاضا کو اجاگر کرتے ہوئے جب اللہ تعالیٰ اپنی خالقیت ربوبیت اور حسنِ صنعت کا بیان شروع فرماتے ہیں تو اس کے ساتھ بلکہ ماقبل ہی ہر قسم کی حمد کو اپنے لئے مخصوص فرما لیتے ہیں۔ ایسا کیوں نہ ہو۔ انسان تو کچھ معرفت حاصل کرنے کے بعد اس کی حمد پر شہادت دینے کے لئے مجبور ہوتا ہے۔ اور وہ خود اپنی ذاتِ پاک کی صفات عالیہ پر ہر وقت شاہدِ عادل ہے اس کی توفیق و رحمت سے جس شخص کو اس کی آیاتِ بینات، زمین و آسمان اور ان کے درمیان کی مخلوقات، نور و ظلمات، دن رات کے اختلافات اور ہدایت و ضلالت کے امتیازات دیکھ کر اس کی خالقیت اور عظمت و ربوبیت کا احساس ہوتا ہے۔ وہ اس کے ساتھ ہم زبان ہو کر اس کی حمد و تعریف کے کلمات ادا کرتا ہے۔ اور جو ایسا نہیں کرتے وہ وہی ظالم و جاہل ہیں۔ جو اپنے آپ کو اور دیگر عناصر و اشیاء کو قائم بالذات اور موجود فی الحقیقت، تصور کرتے ہیں اور ان کا یہ تصور کرنا صریحاً حق تعالیٰ سے شرک کرنا ہے۔ اپنے آپ کو اور دیگر کائنات کو مخلوق اور قائم بالحق سمجھنے والا کبھی مشرکانہ تصورات میں مبتلا نہیں ہو سکتا۔

امرِ تخلیق سے عبرت و بصیرت کا اپنانا

دوبارہ غفلت و جہالت میں مبتلا انسان کو مخاطب کر کے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ذرا غور تو کرو۔ تمہیں کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے۔ کیا یہ عاجز و درماندہ مٹی نہیں ہے۔ جس کے عناصر سے تمہارا خمیر اٹھایا گیا ہے؟ تمہاری اس نمود و تعمیر میں اللہ تعالیٰ نے مردہ مٹی کے عناصر میں کیا کیا تغیر تبدل فرمائے ہیں۔ کس طرح اس کے اجزا سے اکل و شرب کی اشیاء کو پیدا فرمایا جسے تمہارے والدین نے کھایا۔ اور ان کے تجزیہ و تحلیل کے ہزار ہا عوامل کے بعد بالآخر تم نطفہ کی شکل میں ظہور پذیر ہوئے۔ جس پر اس کی صنعت و حکمت نے کارفرمائی کر کے تمہیں احسن تقویم اور جامۂ بشری میں نمودار کیا۔ اب ذرا اپنے اختیارات پر تو نگاہ کرو کیا اسی نے تمہارے اعضاء و قویٰ کی تقدیرات کو معین و مقرر نہیں فرمایا؟ کیا تم اس کی مقررہ حدود سے کسی طرح تجاوز کر سکتے ہو؟ اگر تمہیں کوئی

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

حادثہ بھی پیش نہ آئے تو کیا تم طبعی موت پر موت کو قبول کرنے کیلئے مجبور و پابند نہیں ہو؟ کیا وقت مقررہ پر تمہارے اعضاء و قویٰ بتدریج ضعیف و مضمحل نہیں ہو جاتے ہیں؟ اور پھر بالآخر تمہاری حیوانی روح تحلیل و مردہ نہیں ہو جاتی؟ تھوڑے عرصہ کے بعد تمہارے اجزائے بدنی بھی مٹی میں مل کر مٹی اور نیست و معدوم ہو جاتے ہیں۔

اپنے علاوہ کیا تم اپنے اردگرد کی ساری اشیاء کو نیست و معدوم ہوتے ہوئے نہیں دیکھ رہے ہو؟ اور کیا یہ اس بات کی واضح دلیل نہیں ہے کہ اس ساری کائنات کے لئے ایک دن نیست و فنا کا پیغام آنے والا ہے؟ وہی روز قیامت اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک اجل مسمیٰ ہے۔

ان ساری باتوں کو دیکھنے پر مجبور ہوتے ہوئے پھر تم کس شک و شبہ میں مبتلا ہو اور اس کی عظمت و حکمت کے سامنے جھکنے سے گریز کر رہے ہو اس کا مطلب یہی ہے کہ تم نے بصیرت کامل حاصل نہیں کی۔ اگر تمہاری نگاہ حقیقی طور پر کھل جائے تو اس کائنات عالم میں تم اس کے وجود کے سوا کسی دوسرے وجود کو محسوس ہی نہ کر سکو اور ہر شئے کو اس کی ذات و صفات سے نمودار اور اسی کی ذات میں گم ہوتے ہوئے دیکھو۔

تمہارے اعمال و کردار سے ثابت ہوتا ہے کہ تمہاری روح و نظر سے حجابات دور نہیں ہوئے اور تم حق تعالیٰ کی طرف سے آمدہ آیات و اشخاص سے منکر ہو رہے ہو۔

کوئی بات نہیں۔ تمہارا حق کے انکار پر اصرار کرنا جلدی ٹوٹ جائے گا۔ جب حق غالب آجائے گا۔ اور اپنی مغلوبیت تمہیں ہر طرف سے نظر آنے لگے گی اور اگر دنیا میں تم اعمال بد کی پاداش سے بچ بھی گئے۔ تو جب موت تم پر اپنی کمند ڈالے گی اور تم اس میں گرفتار ہو کر حواس ظاہری کو کھو بیٹھو گے۔ جنہوں نے تمہاری بصیرت باطنی پر پردے ڈال رکھے ہیں تو تمہیں صاف پر نظر آجائیگا کہ جن اشخاص و حقائق سے تم مسلسل انکار کرتے رہے ہو وہ بالکل صادق و قائم اور برحق ہیں اپنی جہالت و بے بصیرتی سے انہیں حقیر و خفیف سمجھنا اور ان کا مضحکہ اڑانا تمہیں بہت مہنگا پڑے گا۔

حضور پاک کے سامنے خم ٹھونک کر کھڑے ہو جانے والے کفار نے دنیا میں ہی اس حقیقت کو واضح و عیاں طور پر دیکھ لیا۔

تم کس بات پر اکڑ رہے ہو۔ کیا تم سے پیشتر کئی زبردست قومیں نہیں گزر گئیں۔ جن کے

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

تذکروں سے تواریخ کے دفتر بھرے ہوئے ہیں؟ کیا ان کی سطوت و شوکت نے زمین پر ان کی قوت و عظمت کے جھنڈے نہیں گاڑ دیئے تھے؟

زمین کی حکومت میں انہیں کس قدر تمکنت حاصل تھی۔ انواع و اقسام کی ارضی نعماکو انہوں نے اپنے لئے سمیٹ لیا تھا۔ خودسری اور نشہ پندار میں وہ اپنے سے بالا کسی قوت کو محسوس نہیں کرتے تھے۔ حتیٰ کہ ان میں سے بعض اشخاص نے خدائی تک کا دعویٰ کر دیا۔ اور اس کے تسلیم کرنے پر لوگوں کو مجبور کرنے لگے۔ داعیانِ حق سے تحقیر و استہزا ان کا شیوہ بن گیا تھا۔ اور جب کبر و غرور نے انہیں بالکل اندھا کر دیا۔ اور ان کے اعمال بد نے ان پر احاطہ کر لیا۔ تو کس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کی بساط کو الٹ دیا اور دنیا سے ان کے نشانات بھی مٹا دیئے۔ پھر ان کی جگہ دوسری قوموں کو پیدا فرمایا اور ان کے ذریعے نئی تہذیبوں کو نشو و نما دی۔ کیا یہ سب امور حقائق واقعی نہیں؟ اور تم اللہ تعالیٰ کے غضب و غیرت سے فرار کا کوئی راستہ پا سکتے ہو؟

ان سب دلائل کے باوجود بھی جن لوگوں کی سرشت کفر و انکار کی صفات و خصوصیات پر بنائی گئی ہے وہ نت نئے اعتراضات کرنے سے باز نہیں رہتے اور انبیائے کرام سے ایسے غیر معقول سوالات کرتے ہیں۔ جن کا پورا ہونا خود ان کے حق میں باعثِ نقصان و خسران ہے انہیں سوال در سوال کرنے کی جو عادت پڑ گئی ہے وہ کسی حد پر ختم نہیں ہوتی۔ ان کے شک و شبہات کا سلسلہ دائمی ہے اور یہ ان کی طبیعت کا جزو لاینفک بن گیا ہے۔

تسلیم و انقیاد اور عمل خیر سے بچنے کی خاطر ان لوگوں کے باطن سے عجیب و غریب بہانے پیدا ہوتے ہیں اور اپنی جہالت و ناعاقبت اندیشی کی وجہ سے یہ لوگ اپنی صفات پر فخر کرنے لگتے ہیں۔ اور اپنی ذلیل و پست نفسی کیفیات میں عمر کو ضائع کر دیتے ہیں۔

قرآن پاک میں ایک ہی حقیقت کے بار بار بیان و تکرار سے مقصود یہ ہے کہ اس کے تاثر کو سامعین کے اذہان میں پختہ و مستحکم کیا جائے۔ جن حقیقتوں کے اپنانے پر انسان کی فوز و فلاح کا انحصار ہے۔ وہ کوئی ان گنت۔ وبے شمار نہیں ہیں۔ بلکہ عام بول چال کے اعتبار سے دو چار ہی کہلا سکتی ہیں۔ اور قرآن مجید میں چونکہ انہی کی تاکید پر زور دیا گیا ہے۔ اس لئے ان کا بار بار اظہار و بیان میں آنا فطری امر ہے۔

بنیادی حقیقتیں

ان حقائق میں سب سے اوّل اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات پر اعتبار و یقین حاصل کرنا ہے اور قرآن

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

پاک کا زیادہ حصہ اسی کے متعلق وضاحت و دلائل مہیا کرتا ہے۔ دوسری بڑی حقیقت رسل و انبیائے کرام کا منجانب اللہ حق جاننا اور ان کے احکامات پر اطاعت و فرمانبرداری اختیار کرنا ہے اور یہی وہ حقیقت ہے جو کفار پر سب سے زیادہ سخت و گراں ہے۔

تیسری بات قیامت کا واقع ہونا۔ اس میں اعمال کی جزا و سزا کا کلی و حتمی طور پر قائم ہونا جس کے نتیجے میں جنت و دوزخ کے احوال و کیفیات وقوع پذیر ہوتے ہیں۔

چوتھی واضح حقیقت جسے بار بار بیان فرمایا گیا ہے۔ مومنین اور کفار کی طبعی خصوصیات اور نفسی کیفیات کا تذکرہ ہے۔ اور ان کے ان اعمال و اقدامات کا علیحدہ علیحدہ اظہار ہے جن کے ذریعہ وہ اپنے منتہائے ارتقار کو پہنچتے ہیں۔

آیات مذکورہ بالا میں ان سب حقائق کو تقریباً ایک جگہ جمع فرما دیا گیا ہے۔ ان پر غور و فکر کرنے سے جملہ حقائق کی روشنی ہماری آنکھوں کے سامنے آ جاتی ہے اور یہ جزوی معرفت ادراک حقائق میں آگے بڑھنے کے لئے ہماری روح میں چمک پیدا کرنے کا باعث ہے اللہ تعالیٰ جو ہمارا خالق و صانع ہے۔ اس کے ہر کام میں حکمت بلیغ ہے جس سے ہم واقف نہیں ہیں۔ اس کی عظمت کا تقاضا یہی ہے کہ ہم بے جا سوالات اور اعتراضات سے احتراز کریں۔ خلق و امر کی تدبیر و تقدیرات میں اس کے حضور تسلیم و رضا اختیار کریں۔ مومنین کا یہی شیوہ ہے۔ اور اسی طریق پر وہ قرب و معرفت حق کی راہ میں وسعت و کشادگی پاتے ہیں۔

مومن جب آیات کو بار بار نئے انداز میں پڑھتا ہے۔ تو ہر بار ان حقائق کے متعلق اپنے ایمان و ایقان میں وسعت و اضافہ حاصل کرتا ہے۔ اور بار بار کا اضافہ ہی اس کے لئے مشاہدہ کی حیثیت پیدا کر کے معرفت حقائق کی تکمیل تک پہنچا دیتا ہے۔

کافر جس کا سینہ قبول حقائق میں تنگ ہوتا ہے۔ جب ایک دفعہ انکار کر بیٹھتا ہے تو بار بار کے کہنے سننے سے وہ الٹا چڑ جاتا ہے۔ اور اپنی ضد و ہٹ دھرمی میں پختہ ہونے کی کوشش کرتا ہے اس کا ابتدائی حجاب لئے اور زیادہ اندھیروں میں کھینچ کر لے جاتا ہے۔ اور وہ صریح انکار کر کے انہیں اساطیر الاولین قرار دینے لگتا ہے۔ بار بار کا تکرار ان کے دل میں آیات کی قدر و وقعت کو بڑھانے کی بجائے الٹا گھٹا دیتا ہے۔ اور اس طرح ظلمات کے تہ در تہ پردے ان کی بصیرت پر مضبوط ہوتے

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

جاتے ہیں۔ جس کے نتیجہ میں وہ تکذیب و استہزاء انبیا کا شعار پختہ طور پر اختیار کر لیتے ہیں اور انبیائے کرام کے خلاف محاذ قائم کرنے کی بنا پر ہی وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مغضوب و ملعون اور مردود و مقہور ہو جاتے ہیں۔

اپنے صبر و رضا کا امتحان دینے کے بعد بھی جب انبیائے کرام ان کی مخالفت میں کمی نہیں پاتے تو ان کے باطن سے فطری طور پر جو دعا ظہور پذیر ہوتی ہے۔ اس کی اجابت پر اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت ان کے لئے معروفِ کار ہو جاتی ہے۔

کفار کی مخالفت کے یہی واقعات حضور پاکؐ کے ساتھ بھی پیش آئے اور جب ان کا عناد اور تحقیر و استہزاء حد سے زیادہ ہونے لگا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوبِ پاک کی دلجوئی اور طمانیتِ قلب کے لئے بطور امر واقعہ بیان کرکے فرمایا کہ "یہ کافر ابتدا ہی سے رسل و انبیاء کی مخالفت میں پیش پیش رہے ہیں اور انہیں حقارت و مضحکہ کی حیثیت دینے کے نتیجہ میں تباہی و بربادی کا شکار ہوئے ہیں۔

حضورِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر نزولِ سکینت

یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نزولِ سکینت اور حوصلہ افزائی ہی کا نتیجہ تھا کہ حضورِ پاکؐ کے قلبِ اطہر میں کفار کے برخلاف بد دعا کا جذبہ مشتعل نہیں ہوا اور حضورؐ اس بات کو جان گئے کہ اللہ تعالیٰ کا کفار کی اس عادتِ قدیم کو بیان فرمانا دراصل اپنے انبیائے کرام اور ان کے متبعین کی تربیت کے متعلق اپنی سنتِ جاریہ کو بیان فرمانا ہے۔ اس لئے حضورؐ اپنے قلب و روح کی وسعت کے ساتھ ان کی ہدایت کے لئے دست بدعا ہوتے ہیں۔

یہ حضورؐ کی دعا ہی کا نتیجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آپؐ کے مخالفین پر آسمانی عذاب نازل فرمانے کی بجائے اپنی آیات کے ذریعہ بار بار انہیں امرِ حق کی طرف متوجہ فرماتے ہیں۔ اور مکمل اتمامِ حجت سے ماقبل حضورؐ پاک کو بھی ان کے خلاف جہاد بالسیف کی اجازت عطا نہیں فرماتے۔

سِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ

مہلت پر مہلت دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ کفار کو حضورؐ پاک کی زبانی دعوت دیتے ہیں کہ سابقہ انبیائے کرامؑ کے مقابلہ میں خاسر و نامراد اور تباہ و برباد ہونے والی اقوام کے آثار کو دیکھنے کے لئے زمین میں سیر کرو اور اپنی چشمِ عبرت کو وا کرنے کی کوشش کرو۔ اور جب تم انبیائے کرام کی تکذیب کرنے والوں کے انجام کو معلوم و محسوس کر لو تو تم پر ان کے رب کی عظمت و قدرت کا مشاہدہ آسان ہو جائے۔ اور پھر جب تم سے پوچھا جائے کہ زمین و

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

آسمان اور ان کے درمیان جو کچھ موجود ہے وہ کس کا ہے تو تم بلا تامل کہہ سکو اللہ تعالیٰ کا جس کی رحمت کا دروازہ ہر ایک پر کشادہ ہے اور جو قیامت کے روز سب نفوس کو اپنے حضور جمع کرنے والا ہے۔

اگر یہ لوگ اپنی فطرت اور روح کی اس آواز کو نفس و شیطان کی کشاکش اور طبیعت کی گہرائیوں سے ابھار کر بلند و بالا نہ کر سکیں تو آپ خود ان مبارک حقائق کو ان کے کانوں تک پہنچانے کی حجت کو پورا فرمائیں اور ان سے مزید فرما دیں کہ روز قیامت میں کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ جو ساری کائنات کا خالق و مالک ہے اس پر شاہد عادل ہے۔ اور جس شے پر اس کا علم و مشاہدہ احاطہ کر لے وہ وقوع سے خارج ہونے کا امکان نہیں رکھتی اور اس کا مبارک ارادہ اسے چوٹی سے پکڑ کر عالم شہود میں لے آتا ہے۔

صاحب عقل و فکر ہر شے کی تخلیق میں اس نظارہ کو دیکھتے اور صدق دل سے اس پر شہادت دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت جو حکم صادر فرما چکی ہے۔ وہی عین حق اور حکمت کے تقاضوں کو پورا کرنے والا ہے اور کوئی بات اس کی منشا و رضا کے بغیر وقوع پذیر نہیں ہو سکتی۔ وہ لوگ مندرجہ ذیل آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنی عظمت و حکمت اور توحید کے اظہار اور شرک کے سارے توہمات کو دور کرنے کے لئے جو ہدایت و رہنمائی فرمائی ہے اس کا پورا مفاد حاصل کرتے ہیں۔

ردِ شرک اور اثباتِ توحید

وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰی..... وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ۝ ۹۴ تا ۱۰۴ انسانی خلقت اور حیات و موت کے ادوار کی طرف فکر کی دعوت دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جس طرح ہم نے ایک ایک کر کے تمہیں دنیا میں بھیجا تھا اسی طرح ایک ایک کر کے ہی موت کے دروازہ سے گزارا اور اپنی طرف بلایا ہے اور یہ عمل چونکہ بعض اسباب سے مشروط و متعلق ہوتا ہے۔ اس لئے اس کی اہمیت اور خدا کی طرف سے اس کا وارد ہونا تمہاری نظروں سے اوجھل ہو رہا ہے۔

انسان کی ناقص و ضعیف نگاہ ان علل و شروط کے دیکھنے تک ہی محدود رہتی ہے۔ جن کے ساتھ ہم نے موت و حیات کی اقدار کو باندھ رکھا ہے اور اس سے ماورائی اسباب کی وہ انتہا اور بنیاد جس میں سے ان کا ورود ہو رہا ہے تم محسوس و ادراک نہیں کرتے اور اگر اس کا نام بھی لیتے ہو تو محض رسمی دعائی طور پر نہ کہ عرفی و وجدانی تحریک پر ۔

[illegible] کی قدرت کی شان ہے کہ جس طریق و معمول نے انسان کی نگاہ کو اس کی ذات و صفات کے

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ادراک سے روک رکھا ہے اسی کو بطور دلیل اپنی ذات کا احساس دلانے کے لئے پیش فرماتے ہیں اور اس کے ساتھ اپنی قدرت کے دیگر مظاہر کا بیان فرما کر انسان کے غور و فکر کو مہمیز لگاتے اور اسے اپنے افعال و صفات اور ذات کی معرفت کی طرف دوڑ لگانے کی راہ بتاتے ہیں۔

جب اس کی طرف سے ہدایت کا دروازہ کھلتا ہے تو جو چیز پہلے ہمیں اس میں داخل ہونے سے روک رہی تھی وہی ہمارے بازو کو پکڑ کر اس میں داخل کرنے پر مامور ہو جاتی ہے۔

اگر خلافِ معمول ہمارے سامنے ایک دم انسانوں کے گروہ کے گروہ پیدا ہو جائیں اور اسی طرح بغیر کسی سبب و شرط کے موت کی طرف بھاگنے لگیں تو شاید یہ امر ہماری نگاہ کو اس کی ذاتی فعلیت کی طرف زیادہ شدت سے مبذول کر سکے اور ہم عیانی طور پر دیکھنے لگ جائیں کہ اس کی قدرت ہی ان سارے واقعات کا ظہور فرما رہی ہے۔ مگر ہم پہلے ثابت کر چکے ہیں کہ اس طریقِ تخلیق اور موت و حیات میں ہماری اور ساری مخلوقات کی زندگی میں عجیب طرح کے خلل واقع ہوتے اور نظامِ عالم میں یہ حسن ترتیب و صنعت کارفرما نہ ہوتی۔ اس لئے تخلیقِ عالم کا جو طریق و اسلوب اس وقت جاری و ساری ہے وہی عین حق اور احسن طریق ہے۔ اور اسی کی طرف اشارہ کر کے اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی آیات اور ذات و صفات کی معرفت کی طرف آگے بڑھاتے ہیں۔

جانِ ما را لذّتِ احساس نیست
خاکِ راہ جز ریزۂ الماس نیست (اقبالؒ)

موت کے وقت ہمارا اسبابِ معیشت سے بے تعلق و دست بردار ہو جانا یاد دلا کر ہمارے عجز اور اپنی قدرتِ مطلقہ کی طرف متوجہ کرتے ہیں کہ کس طرح وہ اشیا و عناصر جن کی محبت نے ہمارے دل پر احاطہ کر رکھا تھا ہم سے علیحدہ کر دی گئیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جن عناصر پر تکیہ کر کے تم نے یہ گمان کر رکھا تھا کہ وہ ہمیشہ تمہارے ساتھ رہیں گے اور تمہاری مدد و اعانت کریں گے اور جن کے سہارے کو تم نے اپنی رُوح کی قوت کا ملجا و ماویٰ بنا لیا تھا۔ اور اپنے ظن و گمانِ باطل کی بنا پر تم انہیں اپنی حیات کا جزو اور جان کا شریک سمجھنے لگے تھے۔ سب تم سے جدا کر دیئے گئے اور یہ انقطاع اس شدت کے ساتھ واقعہ ہوا کہ تم سب اوہامِ باطلہ کو بھول جانے پر مجبور ہو گئے۔

اس وقت حقیقتِ حال جب تم پر روشن و واضح ہو جائے گی اور تم اپنی محبوب و مرغوب اشیاء

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کی جدائی کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لو گے تو تمہیں اس قوت قاہرہ کا ادراک ہو جائے گا جس نے تمہیں ان کے پیچھے چھوڑنے پر مجبور کیا۔ حق تعالیٰ کی ذات کے متعلق تمہاری غفلت کے پردے اٹھ جائیں گے اور تم اس کی قدرت و فضیلت کو عیاں طور پر دیکھنے لگو گے۔ کیا ہی اچھا ہو۔ اگر تم دنیا ہی میں اس بات کو سمجھ جاؤ کہ اللہ تعالیٰ ہی حیات و موت کا مالک اور اسے مقدر و معین کرنے والا ہے۔ وہ مردہ اور جامد عناصر سے زندہ و حیات پذیر اشیا کی تخلیق کرتا ہے۔ اور زندہ و متحرک اشیا پر موت و بے حسی طاری فرما دیتا ہے۔

اس کی قدرت مطلقہ ہی غیر متحرک گٹھلی و دانہ سے زندہ و محرک پودا پیدا فرما دیتی ہے۔ اور وہی اس پودا کو مختلف مراحل سے گزار کر پھر دانہ و گٹھلی کی شکل میں نمود عطا کرتی ہے۔

وہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جس کی قدرت و حکمت انسان و حیوانات اور جملہ نباتات کی حیات و موت کے ادوار کو ایک منظم اور مقدر و معین سلسلہ میں ظہور و قیام پر مجبور رکھے ہوئے ہے۔ تم اس کے سوا کونسی قوت کو اس سارے نظام کار کا مبداؤ بنیاد قرار دے سکتے ہو؟ ذرا اپنے فکر کو دوڑا کر تو دیکھو۔ کیا اس کے سوا تمہیں کوئی ایسی منزل نظر آتی ہے جس کے ساتھ اشیاء کے حیات و بقا کو نسبت و قرار دیا جا سکے؟

جب کوئی قوت و عنصر اس بات کی استطاعت نہیں رکھتی کہ اپنی موت و حیات کو نمود و نمائش سے روک سکے تو اسے دوسروں کے متعلق کیا اختیار حاصل ہو سکتا ہے۔ وہی اللہ تعالیٰ ہی ہے جو ہر روز صبح کی روشنی کو وقت معینہ پر ظاہر فرماتا ہے۔ اس نے رات کو آرام کے لئے بنایا اور سورج و چاند کو ایک معینہ حساب سے چلایا اور ان کے ذریعہ تمہیں روز و شب اور سال و ماہ کے ایسے مقرر نظام سے روشناس فرمایا جس کے حساب کرنے میں کسی قسم کا اشکال واقع نہیں ہوتا۔

اگر اس عزیز العلیم کی طرف سے ایسی تقدیرات کا تعین نہ ہوتا تو نہ روز و شب بنتے نہ سال و ماہ کا وجود ہوتا اور نہ تمہاری زندگی کے معاملات و حسابات اس طرح منظم و مرتب ہو سکتے۔

اے کاش ہمیں اس بات کی فرصت ہوتی کہ ہم اپنی فکر کو اس کی آیات کے دیکھنے پر لگاتے اور اس چیز پر بھی غور کرتے کہ کس طرح اس نے ستاروں کو بحر و بر کی تاریکیوں میں ہمارے لئے رہنمائی کا ذریعہ بنا دیا ہے۔ اس بات کی قدر اس شخص کو ہو سکتی ہے۔ جو سمندر یا جنگل میں رات کے وقت راستہ بھول جائے اور آسمانی ستاروں کی سمت کے سوا اس کے لئے کوئی شے دلیل راہ نہ بن سکے۔

اس وقت انسان اللہ کی اس نعمت کو محسوس کرتا اور اپنے ایمانی تقاضے کی بنا پر اس کا شکریہ ادا

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کرنے کی طرف جھکتا ہے۔

مگر جو واقعہ ہم پہ ہر وقت وارد نہ ہو اس کی حقیقت کو نظر انداز کر دینا انسانیت کے خلاف ہے۔ ہم جب بھی ستاروں کی طرف نگاہ کریں تو ان کے اس مفاد کو مدِ نظر رکھ کر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا واجب ہے

اللہ تعالیٰ کا آیات کو تفصیل سے بیان کرنا اسی مقصد کے لئے ہے کہ صاحب علم لوگ ان پہ غور و فکر کی طرف لوٹ آئیں اور اپنے رب کی نعمت کا شکر ادا کرنے میں پیش پیش ہوں اور یہ صرف علمی ذوق والے لوگ ہی ہیں جو اشارات سے تفصیلات کو وصول کرتے ہیں۔

یہ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہی ہے۔ جس نے تمہیں نفس واحد سے ظاہر و پیدا فرمایا اور تمہارے لئے استقرار و استعار کی راہیں کھول دیں۔

جب ہم اس حقیقت کو ایمانی نظر سے دیکھتے ہیں۔ جس کے سوا عقلِ سلیم کے لئے کوئی چارۂ کار نہیں تو ہمیں اللہ تعالیٰ کی عظمت اور وسعتِ علم کو محسوس کرنے میں آسانی ہو جاتی ہے کہ کس طرح وہ انسانیت کی ازل سے لے کر ابد تک محیط و کارفرما ہے۔

جب ہم اس بات کا تصور کرتے ہیں کہ زمین و آسمان کی تخلیق و تکمیل اور حوائج انسانیہ کو پورا کرنے کے لئے مختلف حیوانات و نباتات کی نمو و افزائش کے بعد جب اللہ تعالیٰ نے امرِ حق سے آدم علیہ السلام کا وجود بنا کر اس میں اپنی روح پھونکی اور زندگی کا قیام و استقرار فرما کر ان کی پسلی سے اماں حوّا کا وجود نکالا تو اس وقت کائنات کی کیا حالت تھی۔

اللہ تعالیٰ کے علم و حکمت اور قدرت کاملہ نے اسے کس طرح آگے چلایا اور آدم علیہ السلام کی نسل کو بڑھا کر انسان کو گروہ در گروہ ساری دنیا میں پھیلایا۔ دیگر مخلوقات کو اس کا تابع فرمان اور مسخر بنایا اور زمین کی نعمتوں کے استعمال پر اسے قدرت عطا فرما کر استعمار کی خصوصیات عطا فرمائیں۔ جوں جوں انسانی حوائج و ضروریات میں اضافہ ہوتا گیا اور انہیں پورا کرنے کے لئے اس نے تعمق نظری سے کام لیا تو تسخیرِ کائنات میں اس کی قوت اور زیادہ وسیع ہوتی گئی۔

خود انسان کے دماغ کی قوت نے ہی اپنی ضرورت کی چیزوں کے اختراع و ایجاد کی بنیاد رکھی اور ضرورت ہی نے ایجاد کی ماں کا کردار ادا کر کے ہزاروں چیزوں کو اپنے گرد و پیش مخترع کر لیا۔

انسانی ضرورتوں کی وسعت پر اس کے حوائج کا آسانی سے مہیا ہوتے چلے جانا اللہ تعالیٰ کے نظام

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ربوبیت کو ہم پر ظاہر وعیاں کرنے کا ذریعہ ہے مگر اس بات کو معلوم و محسوس کرنے کے لئے وہی لوگ موزوں و مستحق ہیں جو اپنے اندر تفقہ یعنی حقائق امور کو جاننے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

اس جگہ ایک عجیب نقطہ کی نمود ہے جو مرکز بھی ہے۔ اور دائرہ کی حیثیت بھی قبول کر لیتا ہے۔ تفقہ ہی غور و فکر کا محرک ہے۔ اور غور و فکر سے اسی کی نمود و نمائش اور افزائش و ترقی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔

علم و عقل اور تفقہ آپس میں عجیب طرح مربوط اور لازم و ملزوم ہیں اور حقائق عالیہ و عجائب صنعت و حکمت کو جاننے کے لئے انہی کی قوت عملیہ کو تحریک میں لایا جاتا ہے۔

انسان کا حقائق کو منشائے فطرت کے مطابق جاننا ان ہر سہ صفات و قویٰ کے وجود سے مشروط ہے۔ جو شخص حقائق امور کو نہیں جانتا اس کے وجود میں ان صفات کا فقدان ثابت ہے۔ اور جس میں ان صفات کی نفی پائی جاتی ہے۔ وہ کبھی غور و فکر پر آمادہ نہیں ہوتا۔

اس بات کا سمجھ لینا بھی ضروری ہے کہ کتابوں میں سے احکام فقہ کے ازبر کر لینے کا نام تفقہ نہیں ہے۔ بلکہ یہ ایک ایسی اجتہادی قوت ہے۔ جو اصول و کلیات کا ادراک کرتی ہے۔ اور انہیں سے جزئیات کے استنباط کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔

جزئیات سے کلیات اور کلیات سے جزئیات کے استنباط کا ملکہ اس میں راسخ ہوتا ہے۔ اور اس کی نظر ایک معمولی جزء سے کل اور کل سے اس کے جملہ اجزاء کو آسانی سے دیکھ سکتی ہے۔

ایسا شخص ہی جب اشیائے کائنات پر غور و فکر کرتا ہے۔ تو وہ ان کے اسباب کو ایک کے بعد دوسرے سے باندھتا ہوا بالآخر ان کے منبع و مبدا اور حقیقت الحقائق ذات واحد کے احساس تک پہنچ جاتا ہے۔

گویا استعداد فطری و پیدائشی ہوتی ہے مگر اس کی نشو و نما اور ارتقا کا وسیلہ و ذریعہ صرف غور و فکر کی پرورش کرنا۔ اور ان کی مشق و ورزش کا مسلسل بجالانا ہے۔

اسی قسم کے لوگ اللہ تعالیٰ کے خطاب کو سنتے۔ اس کی تعمیل میں دل و جان کو لگاتے۔ اور اس کے صلہ میں ایمان مزید کی دولت سے مالا مال ہوتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس کی ذات پاک وہی ہے۔ جس نے آسمان سے پانی اتارا۔ اس کے ذریعہ ہر قسم کے نباتات کو پیدا فرمایا اور زمین میں سے سبزہ اگا کر اس میں سے لگائے جن میں دانے جڑے ہوتے ہیں۔

کھجور کے گابے سے گچھے لٹکتے ہیں۔ اور انگور، زیتون و انار کے باغ اگانے جو بعض حیثیتوں میں یکساں اور

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

بیشن میں مختلف ہیں اور ان کی وہ حالت قابلِ نظارہ ہے۔ جب وہ پھل لاتے اور یہ پھل پکنے پر آتے ہیں ان سب باتوں میں اہل ایمان کے لئے اللہ کی نشانیوں کے بے انتہا نظائر ہیں جب ہم اپنے فکر و بصیرت پر ایمان کی عینک لگا کر آیاتِ حق کو دیکھتے ہیں۔ تو حقائق کے پردے کے پردے ہمارے سامنے چلے آتے ہیں اور ہمارا ہر مسئلہ ایک منتظم طریق پر حل ہوتا جاتا ہے۔ جس پر ہمارے عقل و دل کو اطمینان حاصل ہوتا ہے لیکن جب ہم یہ عینک اتار دیتے ہیں تو کوئی حقیقت ہمارے سامنے نہیں آتی اور ہماری عقل کے ہزار پیچ و تاب کھانے کے باوجود بھی ہمارا ہر مسئلہ ایک عقدۂ لاینحل کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ اس لئے تفکر سے پہلے ابتدائی اور بنیادی طور پر اللہ تعالیٰ پر تھوڑا بہت ایمان حاصل ہونا خواہ یہ محض تقلیدی طور پر ہو نہایت ضروری ہے۔

آیاتِ مذکورہ بالا میں اللہ تعالیٰ کے فعل کو اس کی ذات و صفات پر دلالت کے طور پر مذکور فرمایا گیا ہے۔ آسمان سے پانی کا نازل فرمانا جسے ہم بارش کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ قدرتِ مطلقہ اور حکمتِ بالغہ کی طرف دیکھنے کا ایک خاص ذریعہ ہے۔ آج ہم سائنس کے ذریعہ بارش کے متعلق ترکیبِ عمل اور قدرت کی تقدیراتِ معینہ سے قدرے واقف ہو گئے ہیں اور اس وقوف کی وجہ سے ہی ہم میں سے اکثر کم ظرف و بے بصیرت لوگ ان اسباب و تقدیرات میں گم ہو کر رہ جاتے ہیں اور مسبب الاسباب تک ان کی نگاہ کو رسائی حاصل نہیں ہوتی لیکن جو اہلِ ایمان اور صاحبِ نظر لوگ اسباب کی کڑیوں میں گم نہیں ہوتے وہ جب بادل و بارش کو دیکھتے ہیں تو ان کا فکر و خیال فوراً اللہ تعالیٰ کی طرف جھک جاتا ہے۔ اور غافل لوگوں کا بھی اس آیت کو پیشِ نظر لانا رجوع و انابتِ حق کا باعث بن سکتا ہے اور وہ لوگ بھی اسباب میں گم ہونے کی بجائے براہِ راست اپنے خیال کو اللہ تعالیٰ سے وابستہ کر سکتے ہیں۔

ازلی بدبخت اور بے بصیرت لوگ اگر ساری آیات کو بھی اپنے سامنے سے گزار لیں تو ان کا انکار سے باہر آنا ممکن نہیں ہو سکتا۔ لیکن صاحبِ بصیرت اہلِ ایمان کو اگر مون سون ہواؤں پر بھی تصرف عطا کر دیا جائے اور وہ اپنی مرضی سے ہر جگہ بارش برسا سکیں تو بھی اپنی اور اشیا کی عدمیت و مخلوقیت پر نگاہ رکھنے کی وجہ سے اللہ کی قدرت پر ان کا علم و ایقان زیادہ سے زیادہ ہوتا جائے گا۔ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ زمین پر جہاں کہیں بھی پانی کا وجود ہے یہ سمندروں سے اٹھنے والے بخارات کے ذریعہ بارش کی وجہ سے ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کا نباتات کی حیات کو بارش سے منسوب فرمانا عین حقیقت اور ظاہر و واضح ہے۔

یہ ان لوگوں کی نہایت تنگ نظری ہے جو اپنے کھیتوں کو نہروں و چشموں سے سیراب کرتے وقت

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

بارش کی طرف التفات نہیں کرتے اور اپنے آپ کو اس سے بے نیاز سمجھتے ہوئے خدا کا شکر ادا نہیں کرتے جن علاقوں میں بارش کے سوا آب پاشی کا کوئی مصنوعی ذریعہ موجود نہیں ہے۔ اور انہیں آب نوشی کیلئے بھی اس کا محتاج ہونا پڑتا ہے۔ وہ اس کی اہمیت سے واقف ہیں اور اس کی ضرورت کے وقت انہیں بار بار آسمان کی طرف نگاہیں اٹھانی پڑتی ہیں۔ وہ لوگ اس آیت کے مفہوم کو دوسرے لوگوں کی نسبت کچھ زیادہ آسانی سے سمجھ سکتے ہیں۔

اگر بارش کے ذریعہ پانی کا وجود حاصل نہ ہو تو زمین کے سارے نباتات معدوم ہو جائیں۔ اور انسان وحیوانات کی زندگی بھی قائم نہ رہ سکے۔

اس وقت جاہل سے جاہل انسان بھی اس بات کو ماننے پر مجبور ہو جائے گا کہ اللہ تعالیٰ ہی اس انتظام کا مالک وخالق ہے۔ اور اس کے سوا کوئی طاقت نہیں جو منظم طریق پر مون سون ہواؤں کو حرکت میں لاکر آسمان سے بارش برسا سکے۔

لیکن اہل علم وعقل جو دور کی بات کو نزدیک دیکھتے ہیں ہر وقت اس ایمان وایقان پر آمادہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت ہی آسمان سے پانی کو نازل فرماتی اور اس کے ذریعہ نباتات کی زندگی کو ظہور میں لاتی ہے۔ جن پر ہر قسم کی جاندار مخلوق کی زندگی کا دارومدار ہے۔

اس کے بعد جب وہ نباتات میں تنوع اور رنگا رنگی کو دیکھتے ہیں تو حق تعالیٰ کی کمالِ قدرت و صنعت کے سامنے ان کی تسلیم ورضا اور حیرتِ محمود کا مزید اضافہ ہوتا ہے۔

جب وہ ایک ہی پانی اور ایک ہی خطۂ ارض میں انواع واقسام کے پھل دار درختوں کو دیکھتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی قدرت وحکمت کاملہ کا احساس اور زیادہ شدت سے ان کے اندر پیدا ہو جاتا ہے جب وہ مختلف قسم کے غلوں اور پھلوں کو ملاحظہ کرتے ہیں تو اس بات کے ماننے پر مجبور ہوتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت ہی ہے۔ جس نے اول زمین سے ہر قسم کے پودوں کو پیدا فرمایا اور پھر انہیں پھولوں اور پھلوں کے مظاہر ومراحل سے گزار کر ہر ایک کے اندر علیحدہ علیحدہ تخم اور بیج پیدا کر دیئے۔ جو آئندہ ان کی افزائش نسل اور مختلف انواع کی استقامت کا باعث بن گئے اس کی حکمت نے ہر نوع کو اپنے علم کے احاطہ میں لے لیا اور قیامت تک یہ نوعی انفرادیت اپنی حیثیت کو برقرار رکھے ہوئے ہے۔

صُنۡعَ اللّٰہِ الَّذِیۡۤ اَتۡقَنَ کُلَّ شَیۡءٍ پھر ان کے پھلوں کی اختلافی ہیئت و اقدار کچھ کم حیرت افزا نہیں ہیں بعض چیزوں

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کے پھل سٹوں کی شکل میں دانوں کا مجموعہ ہوتے ہیں۔ اور بعض پھل گچھوں کی شکل میں لٹکنے لگتے ہیں۔ جس میں ہر ایک کو اپنے حال کی مناسبت حاصل ہے اور اس صورت کے بغیر وقوع پذیر ہونا ان کے لئے ممکن نہیں اگر اس امکان کے دروازہ کو کھول دیا جائے اور یہ پھل اپنی ہیئتِ مقررہ کو چھوڑ کر دوسری صورتیں اختیار کرنے لگیں تو آپ اس حکمتِ الٰہی پر اعتراض کرنے والے جاہل کی طرح جو آم اور خربوزے کے پیڑ دیکھ کر ان کے پھلوں کی ہیئت میں تبدیلی چاہتا تھا۔ فوراً محسوس کرنے لگ جائیں گے کہ جو صورتِ حال اس وقت قائم و جاری ہے۔ وہی احسن و اصلح ہے اور اس کے بغیر کسی دوسری ہیئت کا وقوع پذیر ہونا سراسر نقصان و زیاں ہے۔ آج تو ہم مختلف درختوں اور پھلوں کو دیکھ کر ان کے اختلاف کو تخم کے اختلاف پر محمول کرتے ہیں۔ لیکن جب یہ درخت پہلی بار پیدا ہوئے تو ان کے اختلاف کی بنیاد سوائے اللہ تعالیٰ کی قدرت و حکمت کے آپ اور کس چیز کو قرار دے سکتے ہیں؟

اگر آپ کی کھوج لگانے والی عقل اسباب کے تعین میں آگے قدم بڑھا کر زمینی قطعات کے اختلاف اور ان کے غذائی اجزا کی نوعیت کو نباتات کے اختلاف کا سبب اولیٰ قرار دے تو یہ بات سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے علم و حکمت اور قدرت پر دلیل ہوگی جس نے زمین کی پیدائش کے وقت ہی اس انواع و اقسام کی ایسی بنیاد قائم کر دی۔ جس کے خلاف کوئی شے اپنا ظہور نہیں کر سکتی۔

ان کے اختلاف و تنوع میں اللہ تعالیٰ کی کمال رحمت و ربوبیت کا نشان ہے انسان جو اپنی جامعیت کی وجہ سے ہر قسم کے غذائی اجزا کا محتاج ہے اگر ایک ہی قسم کی غذا یا پھل پر مجبور کر دیا جاتا تو آپ دیکھتے کہ اس کے وجود و طبیعت میں موجودہ حالت کی نسبت کتنی کمی واقع ہوتی اور بدمزگی و پھیکے پن کے علاوہ وہ کن کن بیماریوں کا شکار ہو جاتا۔ مختلف غلوں اور پھلوں میں غذائی اجزاء کو فراہم کر کے اللہ تعالیٰ کی قدرت نے انسانی جامعیت کے تقاضوں کو کس طرح پورا فرمایا ہے۔ اور اس پر مستزاد اس کے ذہن و مشام کی لذت میں اضافہ کر کے کس طرح اپنی رحمت کا اظہار فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے درختوں میں پھول نکلنے۔ بار آور ہونے اور پھلوں کے پکنے کے وقت کو خاص طور پر ہمارے فکر کا مرکز بنایا ہے۔

اب یہ بات آپ کی بصیرت اور ذوق کی مرہونِ منت ہے کہ آپ ان نظائر سے کس قدر لطف اندوز ہوتے اور ان میں نعمائے الٰہی کا ملاحظہ کرتے ہیں۔ درختوں اور باغات میں پھولوں کا وقت کیا

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

آپ کے لئے فردوس مشام و نظر نہیں ہے؟ کیا کبھی آپ نے سنگترہ، مالٹا، میٹھا اور کھٹی وغیرہ کے باغات میں پھولوں کے وقت جاکر نہیں دیکھا کہ کس قدر بھینی بھینی اور مگن کر دینے والی خوشبو آپ کا استقبال کرتی ہے۔ اور آم کے پھولوں کی خوشبو کتنی جاں نواز ہوتی ہے۔ دور نہ جایئے۔ پھولوں کے وقت سرسوں اور کپاس کے کھیت میں ہی جاکر دیکھئے آپ کی نظر کس قسم کا نظارہ حاصل کرتی ہے۔ سبز و سرخ اور دیگر مختلف رنگوں کی آمیزش کس طرح آپ کی آنکھوں میں طراوت اور جلا پیدا کرتی ہے۔ اور شہد کی مکھیاں و مختلف قسم کے بھنورے کس طرح اپنی بہار دکھاتے ہیں۔ اس کے بعد پھلوں کا پیدا ہونا اور نشو و نما حاصل کرنا اپنے اندر کتنی عمیق حکمتیں رکھتا ہے۔

آپ ایک پھل سنگترہ ہی کو اپنے فکر کا مرکز بنا ئیے۔ اس کی پیدائش سے لے کر پختہ ہونے تک اس کی پرورش اور تعمیر و تکمیل میں قدرت الٰہی اور اس کے فرشتوں نے کس قدر عمل و کار فرمائی کا اظہار کیا ہے! اس کا ایک ایک ریشہ اور بناوٹ کی ہیئت کذائی خاص تقدیرات کے ذریعہ عمل میں آئی ہے۔ جن کی تفصیل کرنے میں ہمارا سارا علم نباتات اپنے قصور کا اعتراف کر رہا ہے۔

جس طرح سارے درخت کے وجود کی روح اور عکس اس کے تخم میں جمع ہو جاتا ہے۔ اور پھل کو اس کی حفاظت پر مامور کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت و حکمت کا ایک ایسا کرشمہ ہے۔ جس کو دیکھنے میں سوائے عجز و حیرت کے کچھ ہمارے ہاتھ نہیں آتا۔ اور یہی چیز آیات کے بیان سے مقصود ہے۔ پھل کے پکنے کے وقت مختلف درختوں پر مختلف رنگوں کی جو بہار ہوتی ہے۔ وہ کس قدر جاذب نظر اور دل ربا ہے۔ نگاہ کو ان کے دیکھنے سے سیرابی حاصل نہیں ہوتی اور ان کی حفاظت و برداشت میں جو رونق ظہور پذیر ہوتی ہے۔ وہ بجائے خود ایک دل کش نظارہ کی حیثیت رکھتی ہے۔

طبیعت انسانی کے لئے مختلف پھلوں کے مختلف خواص و منافع، ہر شخص کے مشاہدہ و تجربہ میں ہیں۔ کھجور، انگور، زیتون اور انار میں جو جو مفادات مضمر ہیں۔ انہیں کتب طب اور خواص مفردات میں ظاہر و بیان کیا گیا ہے۔ ہماری غرض تو اس بات کے دیکھنے سے ہے کہ انہیں پیدا کرنے اور ان خواص کا پابند بنانے والے کی قدرت کتنی عظیم ہے۔ اور وہ ہمارے شکر کا کس قدر مستحق ہے۔ اس شکر کے استحقاق میں اس کی ذات پاک کے ساتھ کوئی دوسری ہستی یا قوت شامل و شریک نہیں ہے۔ وہ واحد لاحد اپنی مخلوق کے پیدا کرنے اور اس کی ربوبیت کے تقاضوں کو پورا فرمانے میں، بذات خود وکیل و کفیل ہے۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

جن قریبی اسباب کو اس نے ظاہر فرمایا ہے۔ وہ اسی کی طرف سے متعدد مامور ہیں اور ان کی اپنی کوئی ذاتی طاقت واستطاعت نہیں ہے۔ جس سے کسی شے کی تخلیق کر سکیں۔ ہر شے اس کے حضور میں عاجز وخادم ہونے کی ہی حیثیت رکھتی ہے۔ خواہ یہ مقرب فرشتے ہوں یا انبیاء واولیاء اور دیگر عناصر عظیمہ جن کی قوت وہیبت ہمیں مرعوب کر رہی ہو۔ یہ پاکیزہ اور نورانی قوتیں تو انسان کی ہدایت اور فلاح وبہبود کے لئے مامور ہیں اور سوائے نیکی وتوحید کے اور کوئی تعلیم نہیں دیتیں ——— البتہ اس کائنات میں اللہ کی ایک ناری مخلوق ہے جو جنات کے نام سے موسوم ہے اور اس کے بعض افراد انسانوں کو گمراہ کرنے کے کردار پر مامور ہیں اور وہ مختلف توہمات اور جاہل خیالات کے پیدا ہونے کا باعث بنکر اور انسان کی جہالت سے فائدہ اٹھا کر اس کی توجہ کو اپنی طرف جذب کرتے رہتے ہیں اس حقیقت کی طرف اللہ تعالیٰ کی اس آیت پاک میں اشارہ ہے کہ بعض جاہل جنوں کو اللہ کا شریک ٹھہراتے ہیں۔ حالانکہ وہ اللہ کی مخلوق ہیں۔ اور اسی نے اپنی مشیت کے مطابق انہیں پیدا فرمایا ہے۔ بعض جاہل بغیر کسی دلیل کے اس کے لئے بیٹے اور بیٹیاں مقرر کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ ان سب باتوں سے پاک اور دُور اور ورا رہے اور یہ امور اس کی شان اور علویت سے کوئی نسبت نہیں رکھتے۔ جس قسم کی تعریف یہ اپنے رب سے منسوب کرتے ہیں۔ وہ درحقیقت اس کی تنقیص ہے۔ مخالف لوگوں کی سمجھ کو ملحوظ رکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ بطور دلیل بیان فرماتے ہیں کہ جب اس کے لئے کوئی عورت اور بیوی ہی ثابت نہیں ہو سکتی تو بیٹا کس طرح ہو سکتا ہے۔ وہ تو سارے آسمانوں اور زمینوں کو بغیر کسی مادہ اور حقیقت اولیٰ کے بنانے والا ہے۔ اور اس نے ہر شے کی تخلیق فرمائی ہے۔ وہ ہر شے کی حقیقت سے کلی طور پر واقف ہے۔ اس کا علم ساری کائنات پر محیط ہے کیونکہ بغیر علمی احاطہ کے کسی شے کا خلق کرنا واقع نہیں ہو سکتا۔ یہی اللہ ہی تمہارا رب ہے۔ اس کے سوا کوئی اور معبود نہیں۔ وہ ہر شے کا خالق ہے۔ اس لئے تم اس کی عبادت وبندگی کرو۔ وہی ہر شے کا وکیل وکفیل ہے۔ آنکھیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں اور وہ سارے جہان کی آنکھوں کو دیکھتا ہے۔ وہ ہر شے پر خبردار اور بھید کا جاننے والا ہے تحقیق تمہاری بصیرت کو زندہ و متحرک کرنے کیلئے تمہارے رب کی طرف سے نشانات آ گئے۔ پس جس نے سوچ بوجھ اور بصیرت کو اختیار کیا اس کا فائدہ اس کے اپنے نفس کے لئے ہے اور جو جان بوجھ کر یا نادانستہ طور پر اندھا بنا رہا۔ اس کا نقصان اس کے اپنے نفس کو ہی پہنچنے والا ہے۔ اور میں جو اللہ کا رسولؐ ہوں نہ ماننے والوں ..... کے لئے داروغہ بنا کر نہیں بھیجا گیا۔ اور ان کی حفاظت ونگہبانی میرے ذمہ لگائی گئی ہے۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ان آیات میں اللہ تعالیٰ توحید خالص کی طرف رہنمائی فرماتے ہیں اور بندوں سے خلوص فی العبادت کا مطالبہ کرتے ہیں۔ جس کا استحقاق کسی اور ذات کو مطلقاً حاصل نہیں ہے۔ بعض اشخاص یا عناصر میں نفع و نقصان پہنچانے والی قوتوں کو دیکھ کر اکثر جاہل اور ضعیف الاعتقاد لوگ ان کی طرف عابدانہ طور پر جھک جاتے ہیں۔ اور نفع نقصان کو ان کی طرف منسوب کر کے خدا سے غافل اور ان قوتوں میں شاغل ہو جاتے ہیں۔ یہ لوگ انہیں کھلے طور پر خدا تو نہیں کہہ سکتے مگر خدا کا شریک قرار دینے میں ذرا باک اور شرم محسوس نہیں کرتے۔

اسی گروہ میں وہ لوگ ہیں جو جنوں کو نفع و ضرر کی قوتوں کا حامل دیکھ کر خدا کا شریک قرار دینے لگ جاتے ہیں۔ وہ انہیں فاعل مختار اور خدائی قوتوں کا مظہر سمجھ کر ان کے شر سے بچنے کے لئے مختلف حیلے اختیار کرتے ہیں۔ اور وہ ظالم اس بات کو نہیں سمجھتے کہ جن بھی ہماری اور دیگر اشیاء کی طرح اللہ تعالیٰ کی مخلوق اور اس کے جبر و قہر میں مجبور و مقہور ہیں۔ ان کی قوتیں مستعار اور اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہیں۔ اور اس کی مشیت کے بغیر وہ کسی کو نفع و نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ اسی طرح وہ جاہل مطلق لوگ بعض اشخاص و عناصر کو جن کے محیر العقول کارنامے انہیں مرعوب و ہیبت زدہ کر دیتے ہیں۔ خدا کے بیٹے اور بیٹیاں قرار دینے لگ جاتے ہیں۔ یہ وہی لوگ ہیں جو خدا کی معرفت سے مطلقاً کوئی واسطہ نہیں رکھتے اور عقل سے بالکل کورے ہیں۔ ورنہ اس قسم کا عقیدہ کسی صاحب بصیرت انسان کے تصور و خیال میں آنا ممکن ہی نہیں ہے۔

محبت و نسبت قریبی کے طریق پر کسی کو مجازاً بیٹا کہہ لینا ایک علیحدہ بات ہے مگر اللہ تعالیٰ کے متعلق کسی شخص کے لئے ایسی نسبت قرار دینا سراسر گمراہی و ضلالت کا نشان ہے۔ اور جن لوگوں نے مجاز و استعارہ کے طور پر بھی ان الفاظ اور نسبتوں کو رائج کرنے کی کوشش کی ہے۔ انہوں نے مخلوق کے لئے مستقل گمراہی کے دروازے کھول دیئے ہیں۔ ابتدائی نصاریٰ کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہنا اسی قبیل سے تھا۔ مگر بعد میں آنے والوں نے اسے ایک مستقل حیثیت دے کر مجاز کو حقیقت اور جھوٹ کو سچ ثابت کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگایا ہے۔ اور ان کی اس کوشش کی وجہ سے ہی ایک باطل عقیدہ نے ان کے پیران مذہب میں حقیقت کے طور پر استقامت اختیار کر لی ہے۔ معجزات اور کرامات کا اظہار جو صرف ہدایت کی تقویت اور نشر و اشاعت کے لئے ہے اور وسیع الظرف عالی حوصلہ اہل بصیرت ان سے حق کی طرف جذب ہونے کا مفاد حاصل کرتے ہیں۔ وہاں بعض کم ظرف بے حوصلہ اور بے بصیرت لوگ ان مبارک و نورانی چیزوں سے بھی گمراہی اور جہالت کی طرف دوڑ لگاتے ہیں۔ وہ ان صاحب معجزات و کرامات ہستیوں کے حضور میں تو کسی خلاف حق عقیدہ کا اظہار نہیں کر سکتے مگر بعد میں اپنی غلط عقیدت

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کے طور پر انہیں ایسے القابات سے موسوم کرنے لگ جاتے ہیں۔ جن کا رواج لوگوں کو صریح شرک تک پہنچا دیتا ہے۔ اور جاہل لوگ اس سے بچنے کی بجائے شدت سے اس میں گرفتار ہوتے چلے جاتے ہیں۔ گمراہی کے ان سب امکانات سے انسان کو بچانے کے لئے اللہ تعالیٰ بار بار اپنی خالقیت کا اظہار فرماتے ہیں، یہی اس کے معبودِ حقیقی اور وحدہٗ لاشریک ہونے کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ جب ہم صدقِ دل سے کسی شے کو مخلوق سمجھ لیتے ہیں تو حق کے ساتھ اس کے شریک ہونے کا امکان مٹ جاتا ہے۔

جو لوگ کسی شخص یا شے کو اللہ کا شریک مانتے ہیں۔ وہ درحقیقت اس شے کے مخلوق ہونے کے تصور کو اپنے دل میں نہیں جماتے۔ اگر ہم کسی شے کو اللہ کی مخلوق سمجھتے ہوئے اس کی تعریف و توصیف کریں۔ اور خدا کی طرف سے عطا کردہ اعلیٰ صفات اور قوتوں کی بنا پر اس سے محبت و عقیدت اختیار کریں تو یہ عین اللہ تعالیٰ کی محبت و ثنا ہے۔ اور اس میں شرک کا کوئی شائبہ بھی پیدا نہیں ہو سکتا۔

گمراہی کی اصل بنیاد اللہ تعالیٰ کی خالقیت کو نظر انداز کر دینا ہے۔ اور اس قسم کے لوگ شرک کا ارتکاب کر کے اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں۔ جب ہم بصیرتِ باطنی کے ساتھ حقیقی طور پر اللہ تعالیٰ کو ہر شے کا خالق تسلیم کر لیتے ہیں۔ تو پھر سب تعریفیں، اسمائے حسنہ اور صفاتِ عالیہ اسی کی طرف منتقل ہو جاتی ہیں۔ ہم شواہدِ باطنی کے ساتھ اسے رب العالمین کہنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ اور اسے ہی اپنی عبادت کا حقدار سمجھتے ہیں۔ اپنی زندگی کے قیام و بقا اور ضروریات کے پورا ہونے میں اس کی وکالت و کفالت ہمیں ہر آن اور ہر طرف نظر آنے لگ جاتی ہے۔ آنکھوں سے مدرک نہ ہونا۔ ہمیں اس کی ذات و صفات کے احساس سے مانع نہیں آتا۔ اس کے سمیع و بصیر ہونے اور ہر شے کو دیکھنے کا اعتقاد ہماری روح کا حصہ بن جاتا ہے۔ اور ہماری بصیرت اس کے ہر شے پر محیط ہونے کی شہادت دیتی ہے۔

اس کی بیان کردہ آیات و نشانیاں ہمارے لئے ہدایت کا سامان اور دلیل راہ بنتی ہیں۔ اور اس ساری سعادت کی بنیاد قلب و نظر سے اس کے خالق ہونے کو مان اور جان لینا ہے۔ اسے اس طرح تسلیم کر لینے میں جو مفادات حاصل ہوتے ہیں۔ ان کا بہرہ ہمارے اپنے نفس کے لئے ہی ہے۔ اور جو لوگ اس تسلیم سے ابا و انکار کرتے ہیں۔ اس کے نتیجہ میں پیدا شدہ شقاوت و ضلالت ان کے نفسوں کو ہی اپنے احاطہ میں لے کر ابدی خسران تک پہنچاتی ہے۔ اللہ کے رسول تو صرف حق تبلیغ کو ادا کرنے پر مامور ہیں حق تعالیٰ نے یہ بات ان کے ذمہ نہیں لگائی کہ وہ منکرین کو چوٹی سے پکڑ کر ہدایت کی راہوں پر لگائیں۔ مومنین کے لئے ان کی

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

حفاظت ونگہداشت اور دامنِ رحمت کی پناہ تو مسلّم ہے مگر کفار کو اسلام میں لانے کے متعلق اگر وہ شدتِ حرص کا اظہار کریں تو یہ ان کے اپنے مبارک نفس کا ادّعا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں تبلیغ سے آگے قدم بڑھانے کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔

آیات و نشانات کا مقصود اور اُن سے تاثرات پیدا ہونے کی نوعیت

آیات سے مقصود ان نشانات کا بتانا ہے۔ جنہیں دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی ذات پر ہمارے ایمان میں پختگی اور جذبہ تشکر میں تحریک پیدا ہو۔ اور یہ صورتِ حال صرف اسی طرح پیدا ہو سکتی ہے۔ جب ہم آیات کے مفہوم و معانی میں ڈوب کر انہیں اپنی بصیرت اور روح کے سامنے مجسم و متشکل کر سکیں اور ہمارا تصور ان کے معانی پر مکمل طور پر احاطہ کرے۔ مندرجہ ذیل آیات میں اس بات کی دعوت دی گئی ہے۔

وَهُوَ الَّذِیْ یُرْسِلُ الرِّیٰحَ بُشْرًا بَیْنَ یَدَیْ رَحْمَتِهٖ ...... كَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّشْكُرُوْنَ ۝ ۵۸

یہ حقیقت ہے کہ بعض لوگوں کو ان کے حالات ہی ان آیات کے معانی کے قریب کر دیتے ہیں۔ اور بعض لوگ اپنے مخصوص حالات کی وجہ سے ہی معانی کو اخذ کرنے سے قاصر رہ جاتے ہیں۔

جو لوگ شہری زندگی بسر کرتے ہیں۔ تپتے ہوئے صحرا و بیاباں سے انہیں کبھی واسطہ نہیں پڑتا۔ اور زرعی معاملات کے متعلق ضروریات کو خیال میں لانے کا بھی انہیں کبھی موقعہ نہیں ملتا۔ وہ بارش اور اس سے لدی ہوئی ٹھنڈی ہواؤں کی اہمیت کو اس قدر محسوس نہیں کر سکتے۔ جس قدر صحراؤں میں چلتا ہوا ایک انسان یا جس کی کھیتی جو اس کا سرمایۂ حیات ہو گرمی کی شدت اور بارش کی قلت سے سوکھ رہی ہو۔ گھنگور گھٹاؤں اور بادوباراں کو دیکھ کر جو خوشی محسوس کرتا۔ اور اسے نعمتِ غیر مترقبہ قرار دیتا ہے۔ اس کے دل میں ٹھنڈی ہواؤں اور بارش کو جو اہمیت حاصل ہے۔ وہ پہلے آدمی کے تصور میں آسانی سے نہیں آتی۔

دوسرے آدمی کو اسے نعمت تسلیم کرنے میں عقل پر زور دینے کی ضرورت نہیں۔ مگر پہلا آدمی جب تک عقلی استدلال کو کام میں نہ لائے اس نعمت کا شکریہ ادا کرنے پر آمادہ نہیں ہوتا۔ اگر ہم صحرائی اور بدویانہ زندگی کی حالت وکیفیت کو اپنے تصور پر وارد کر کے ان آیات مبارکہ کے معانی پر غور کریں کہ وہ اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ جو اپنی رحمت سے بارش سے لدی ہوئی ٹھنڈی ہواؤں کو روانہ کرتا ہے۔ جو ہمارے لئے بشارت اور خوشخبری کا پیغام ہیں۔ حتی کہ یہ ہوائیں گھنگور گھٹاؤں اور پانی سے بھرپور بادلوں کی شکل اختیار کر لیتی ہیں۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

اور پھر اللہ کی قدرت ان بوجھل اور تہ در تہ بادلوں کو ہوا کے دوش پر چلا کر مردہ اور گرمی سے جلی ہوئی بے رونق و چٹیل زمین کی طرف لے جاتی ہے۔ جہاں بارش برسنے پر اس مردہ زمین میں زندگی کے آثار نمودار ہو جاتے ہیں اور اس میں سے ہر قسم کی روئیدگی اور پھول و پھل پیدا ہوتے ہیں۔ جب ہم اس حالت اور امر واقعہ کو اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھتے ہیں تو یقیناً ہمارے دل میں اللہ تعالیٰ کی رحمت و ربوبیت اور قدرت کاملہ کا احساس پیدا ہو جاتا ہے۔

زمین کا ایک دم سرسبز و شاداب اور اس میں زندگی کا ہویدا ہو جانا۔ ہمارے لئے اس بات کے یقین کرنے کو آسان بنا دیتا ہے کہ وہی قدرت مطلقہ انسانوں کو مردہ کرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرنے پر غالب اور قادر و قاہر ہے۔ یہ امر اس کی قدرت سے کچھ بعید نہیں اور وہ جس طرح چاہے کر سکتا ہے۔ قیامت کو مردے زندہ کرنے کے متعلق اس سے زیادہ قریبی متشابہ اور فہم کے لئے قابل قبول اور کوئی مثال نہیں ہو سکتی۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰى کے جملہ سے ہمیں ایک عظیم حقیقت کے تصور کی طرف متوجہ فرمایا ہے اور لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ میں جو لطیف پیرایہ اور شعری اسلوب ہے اس سے مفاد حاصل کرنا صرف ذوق سلیم کے لئے مخصوص ہے۔ اس میں تذکر کی طرف توجہ بھی دلائی گئی ہے اور اس کی تاکید بھی فرمائی گئی ہے۔ اور اس تمثیل سے مفاد کا حاصل کرنا اہل ذکر و فکر سے ہی وابستہ کیا گیا ہے۔ آئندہ آیت میں بَلَدُ الطَّيِّبِ وَالْخَبِيْثِ کی مثال بیان فرما کر انسانی نفسیات کے فرق و امتیاز سے پردہ اٹھایا گیا ہے۔

اچھی اور بری زمین کی مثال پر انسانی نفسیات کا فرق و امتیاز

جس طرح بارش کے پانی سے وہی نرم اور زرخیز زمین جس میں نباتات کے غذائی اجزاء کی فراوانی ہو اور کاشتکار کے تصرف نے اس میں پانی کو جذب کرنے اور مفاد حاصل کرنے کی صلاحیت پیدا کر دی ہو۔ پورے طور پر تر و تازگی اور سرسبزی و شادابی حاصل کرتی ہے۔ اور اس میں ہر قسم کے مفید مطلب اناج اور پھل پیدا ہوتے ہیں۔ اور بنجر و ناقابل کاشت زمین جس کے اندر موزوں غذائی اجزاء نہ ہوں اور اپنی سختی و تنگی کی وجہ سے وہ پانی کو بھی اپنے اندر جذب نہ کر سکے۔ بارش رحمت سے کوئی مفاد حاصل نہیں کرتی اور اگر اس میں کچھ پیدا بھی ہوتا ہے تو وہ ناقص و غیر مفید ہوتا ہے۔ ہمارے گرد و پیش اس کی مثال تھور اور سیم زدہ اراضی کی ہے۔ جس میں اول تو کچھ پیدا ہی نہیں ہوتا اور اگر ہوتا ہے۔ تو ایسی ناقص نباتات جو انسان کے لئے کوئی فائدہ بہم نہیں پہنچا سکتیں۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

قسم اوّل کی زمین کو طیب و اصلح کہہ سکتے ہیں اور دوسری قسم کی زمین اپنے باطنی مرض کی وجہ خبیث کے لقب کی مستحق ہے۔

مذکورہ بالا آیت جہاں اپنے ظاہری معانی میں صادق اور امر واقعہ ہے وہاں انسانی نفسیات اور خصائص کی تشریح میں تمثیل کا کام بھی سرانجام فرما رہی ہے۔ بلدُالطیب سے مراد ہم صالح اور پاک باطن انسان لے سکتے ہیں۔ جو آیات کے مطالعہ سے تذکرہ کا مفاد حاصل کرتے ہیں۔ اور ان کے صالح باطن سے علم و معرفت کے شگوفے پھوٹ کر گل و گلزار پیدا کر دیتے ہیں۔ جن کی پرورش اور نشو و نما، انسانی روح میں ایمان و ایقان اور سرور و اطمینان کے ثمرات پیدا کرتی ہے۔ اور جن لوگوں کے باطن میں خبث ہوتا ہے وہ تذکر کا مفاد حاصل نہیں کرتے اور ان کی یہ باطنی کیفیت ہی انہیں آیات پر غور و فکر کی طرف آنے نہیں دیتی اور وہ اپنے نفس کے سفلی ہیجانات میں مشغول و مصروف رہتے ہیں۔

اگر کبھی دماغی عیاشی کے طور پر وہ اس طرف رجوع بھی کرتے ہیں تو کسی اچھے نتیجے کو اخذ کرنے کی بجائے پست اور بیہودہ خیالات میں کھو کر رہ جاتے ہیں۔ ان کا منتہائے فکر معرفتِ حق اور ایمان و ایقان کی روشنی تک نہیں پہنچ سکتا۔ جس کے نتیجہ میں انسان تقویٰ و خیرات کی طرف رغبت حاصل کر کے اعمالِ صالح کا عملی مفاد حاصل کرتا ہے۔ تذکر کا مفاد حاصل کرنا باطن کی طہارت و پاکیزگی سے وابستہ ہے اور اس سے محروم رہنے کی وجہ محض اپنی باطنی خباثت ہی ہے۔ جو فسق و فجور اور شرورِ نفسانی کا نتیجہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ان آیات کو بار بار مختلف اسلوب و پیرایہ میں بیان فرمانا اپنے شکرگزار بندوں کے لئے خاص رحمت اور اپنی طرف سے رخ پھیرنے والوں کے لئے حجت کا قیام ہے۔

شُکر کا مفہوم اور اُس کا مفاد

شکر کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ کی نعمت کا احساس کر کے اپنے جذبہ نیازمندی کو اس کی طرف متوجہ کرنا آیات سے مقصود اس کی نعمت کا احساس دلانا ہے۔ جو شخص ان پر غور و فکر نہیں کرتا وہ اس کی طرف سے نعمت کا احساس نہیں کر سکتا اس لئے اس کے باطن میں شکر کا جذبہ پیدا ہی نہیں ہوتا۔ جذبۂ شکر صرف انہی لوگوں میں پیدا ہو سکتا ہے۔ جو آیات پر غور و فکر کر کے نعمائے الٰہی کو اپنے اوپر وارد ہوتا ہوا معلوم و محسوس کرتے ہیں۔ وہی لوگ حقیقی معنوں میں اللہ تعالیٰ کی آیات کا مفاد حاصل کرتے اور اس کے حضور میں اپنے جذبۂ عبودیت و نیازمندی کو

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

پروان چڑھاتے ہیں۔ اس لئے تعریف آیات کو انہی کی طرف منسوب فرمایا گیا ہے۔

وہ لوگ بار بار آیات کو تلاوت کرنے اور ان پر غور و فکر کرنے سے اکتاتے نہیں ہیں۔ کیونکہ ہر بار انہیں مزید لذت کا احساس ہوتا ہے اور معرفت کی نئی روشنی ان کے ایمان کو تابندہ و منور کرتی ہے۔ جس سے ان کا جذبہ شکر اپنے حقیقی مقاد کی حیثیت میں انہیں اللہ کی ہر نعمت سے جو ان کے ظاہر و باطن میں موجود ہے۔ اپنے رب کی طرف قدم بڑھانے کی ترغیب و تقویت پہنچاتا ہے۔

قرآنِ پاک کے مفہومات کو اخذ کرنے کے مختلف اسلوب

قرآن پاک کی تفسیر میں جو لوگ تحت اللفظ ترجمہ پر اکتفا کرتے ہیں۔ وہ کسی وسیع مفہوم و مقصود کی طرف نشاندہی کر کے ہماری حقیقی رہنمائی نہیں کر سکتے اور جو لوگ تفسیر بالرائے کر کے اپنے کسی خاص مقصد کو پیش نظر رکھتے ہیں۔ وہ ہمیں اپنے نظریات میں محدود و مقید کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ حالانکہ قرآن پاک کے مفہومات کی وسعت اس سے وراء الورا ہے اور یہ اس کا اعجاز ہے کہ ہر طبیعت اور رنگ ڈھنگ کا آدمی اس سے اپنی باطنی نسبتوں کے اقتضا پر معانی اخذ کر سکتا ہے۔ ان آیات کو اگر روحانی حالات سے تطابق دیا جائے تو حضورؐ پاک کی آمد سے پہلے جن روحوں کو ہدایت کی طلب بیتاب کر رہی تھی اور وہ اپنی رہنمائی و بصیرت کی تکمیل کے لئے ہادی برحق کے منتظر تھے۔ جب حضور ان کے پاس آئے اور انہوں نے انوار نبوت کو پہچان لیا تو گویا بشارت و خوشخبری کی نوید ان تک پہنچ گئی۔ اور حق تعالیٰ کا ابر رحمت ان کے سروں پر سایہ فگن ہو گیا۔ آیات کے الہامی نور اور حضورؐ پاک کی توجہ و فیضان کی روح پرور ہوا نے ان کے حسِ سماعت کو وسیع کر کے دلوں کی زمین کو سرسبز و شاداب اور انوار سے معمور کر دیا۔ ان کے دلوں کی بے حس و حرکت زمین، جس پر مُردنی چھائی ہوئی تھی۔ مگر تذکر کا مادہ اور تخم ان کے اندر موجود تھا۔ جب قرآنِ مجید اور حضور پاکؐ کے تاثرات کے نامِ الٰہیات سے مرطوب و نمدار ہوئی تو اس کے اندر علوم و معرفت اور اوصافِ حمیدہ کے وہ گل و گلزار پیدا ہوئے جن کی مہک اور تر و تازگی سے ایک زمانہ کا دماغ معطر و مسرور ہوا اور ان کے باطن سے انوار معرفت اور سیاست و حکمت کے وہ چشمے جاری ہوئے جن کی روانی اور کثرت و فراوانی نے مشرق و مغرب کو سیراب کر دیا۔ ان کا وجود اطہر اور شجرِ طیبہ ایسے ایسے ثمرات سے بار آور ہوا جن کی لذت و مفاد سے ایک جہان نے قوتِ روح و جاں اور سرور و نشاط کی کیفیات کو حاصل کیا۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

اللہ تعالیٰ کا مردہ اجسام کو زندہ کرنا اس سے زیادہ بعید اور مشکل نہیں ہے۔ جو کام اس نے اپنی کلام مجید اور رسول پاک ؐ کے ذریعہ لوگوں کے دلوں کو زندہ کرنے کی صورت میں ظاہر فرمایا۔ جن کے اندر قبولِ حق کی فطری صلاحیت موجود تھی اور اعمالِ حسنہ نے انہیں طاہر و طیب بنا دیا تھا۔ وہ اللہ کے حکم سے مادی و روحانی معراج کی انتہا تک پہنچ گئے۔ مگر جو اپنی خبیث باطنی افتاد کی وجہ سے تسلیم حق سے رکے رہے ان کے وجود سے کوئی اچھی چیز ظاہر نہ ہو سکی اور آخیر پر ایمان لانے کی صورت میں اسلام کی برکت سے جو حصہ حاصل کیا اور دنیاوی جاہ و سلطنت کو اپنایا تو اس میں بھی اپنے نفسی تصرف سے خلافتِ الٰہی کو ملوکیت کی صورت میں تبدیل کرکے رہے۔ یہ وہی لوگ تھے۔ جنہوں نے نعمتِ الٰہی کا شکر ادا کرنے کی بجائے اسے اپنے نفسوں میں کبر و غرور پیدا کرنے کا سامان بنا لیا۔ اللہ کے حقیقی شکر گزار بندے کبھی دنیا میں اپنے نفسی غلو اور شر و فساد کے خواہشمند نہیں ہوتے۔ ان کے پیشِ نظر تو ہر وقت اپنی اور دوسروں کی اصلاح کا مقصد قیام پذیر رہتا ہے۔

تکبّر اختیار کرنے والوں کے نفسیات، اُن کے باطن کے احوال وکیفیات اور علاج کی تدبیرات،

کبر و غرور کی صفات کو اپنانے والے لوگوں کی نفسی کیفیات کو مندرجہ ذیل آیات میں اللہ تعالیٰ نے مفصّل طور پر بیان فرمایا ہے۔ سَاَصْرِفُ عَنْ اٰیٰتِیَ الَّذِیْنَ یَتَکَبَّرُوْنَ ...... اِلَّا مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ۱۴۶-۱۴۷
جو لوگ زمین میں بغیر استحقاق کے تکبّر اختیار کرتے ہیں ان کے اس فعل کے نتیجہ میں ہم ان کے رخ اپنی آیات اور معرفت کی نشانیوں سے موڑ دیتے ہیں۔ اور ان کی یہ صورتِ حال ہو جاتی ہے کہ اگر تمام نشانیوں کو بھی دیکھ لیں تو بھی ان پر ایمان نہ لائیں۔ رشد و ہدایت اور صلاح و فلاح کا راستہ انہیں دکھایا جائے تو اسے اختیار نہ کریں اور فسق و فجور اور برائی کی راہ دیکھیں تو اس پر فوراً چلنا شروع کر دیں۔ ان کی یہ نفسی کیفیت اس لئے قائم ہوتی ہے کہ انہوں نے ابتدا میں ہماری آیات کو جھٹلایا اور ان سے غفلت و اعراض کی راہ اختیار کی۔

حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ ہماری آیات، آخرت کی لقاء اور ہماری جناب میں حاضر ہونے کو جھٹلاتے ہیں۔ ان کے سارے اعمال اکارت جاتے ہیں۔ اور جب ان کے اعمال کی کوئی بنیاد ہی نہیں ہوتی۔ اور وہ محض ان کے نفس کا اشتغال ہوتا ہے۔ تو ان کی جزا بھی اسی صورت میں مہمل و بے اثر ہوتی ہے۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

اعمال کا اللہ تعالیٰ کے لئے خالص ہونا ہی ان کی حقیقی بنیاد ہے۔ جس پر اجر و ثواب کا حاصل ہونا ثابت و ہے۔ جب ہم اپنے اعمال میں تکبر اور ظلم و بے راہروی اختیار کرتے ہیں۔ تو اس کے نتیجہ میں ہماری آنکھیں اس کی ت سے پھر جاتی ہیں اور ان کا حقیقی مشاہدہ نہ کر سکنے کی وجہ سے ہی تکذیب و انکار تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ یہ انی نفسیات کی مسلّمہ خصوصیت ہے کہ جب وہ کسی حقیقت سے ایک بار اعراض و بے اعتنائی اور انکار کا یہ اختیار کرتا ہے تو اس کا یہ پہلا اقدام ہی اس کے آئندہ راستہ کی بنیاد بن جاتا ہے اور اسی بنیاد کے مطابق ہی اگلے م اٹھانے کے لئے اس کے باطن سے رہنمائی ہوتی ہے۔ برائی برائی کو بڑھاتی اور نیکی نیکی کے لئے راستہ ہموار کرتی ہے۔ اسی کلیہ پر انسان کا ابتدائی تکبر اس کی انتہائی شقاوت و بدبختی اور ضلالت و گمراہی کا باعث بن جاتا ہے۔

تکبر نفس انسانی کی ایک ایسی کیفیت ہے۔ جس میں وہ اپنے سوا باقی ہر شئے کو ہیچ سمجھتا ہے اور علو و افتخار کی وجہ سے کسی حقیقت کو درخور اعتنا نہیں جانتا۔ تذکر اور تشکر کا انسان میں پیدا نہ ہونا تکبر ہی کی وجہ سے ہے۔ نفسی فیت کے اعتبار سے ان صفات میں کلی تضاد ہے۔ نصیحت کا حاصل کرنا اور اسے دل میں بٹھانا تذکر ہے۔ اور ام کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے محسوس کرنا اور دل کا اس کی طرف نیازمندی سے جھکانا تشکر ہے اور ان ہر دو فات کے خلاف اپنے نفس کو سب سے بڑا جاننا تکبر کہلاتا ہے۔ باطن میں تکبر کی صفت کو استحکام دے کر انسان نے تذکر و تشکر کے دروازے بند کر لیتا ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ایسے انسان کو حق کے متعلق اگر تمام نشانیاں بھی دکھلا دی جائیں اور دلائل و براہین کے ذریعہ حجت کا اتمام کیا جائے تو بھی اس کے راہ راست پر آنے کی توقع نہیں کیونکہ جس آنکھ اور دل سے اس نے حق کو دیکھنا اور قبول کرنا ہے۔ ان کے سامنے تکبر و غرور نے گاڑھے پردے کھڑے کر دیئے ہیں اور وہ انسان اپنی حالت میں مجبور و معذور ہو گیا ہے۔

تکبر کا سب سے بڑا نقصان یہ ہے کہ اس شخص کو احساس زیاں نہیں ہوتا اور جب تک کسی شخص کو احساس ں نہ ہو اسے ندامت و توبہ کی توفیق میسر نہیں ہوتی۔ جو سب خیرات کی بنیاد اور اللہ کی طرف چلنے کا پہلا قدم ہے نبیاء و اولیائے کرام کے حضور میں عقیدت و نیازمندی اختیار نہ کرنے کا سب سے بڑا سبب بھی تکبر ہی ہے۔ جو ان کو حق کے سامنے جھکنے میں مانع آتا ہے۔ صلاح و فلاح کے قریب آنے کے صرف دو ہی راستے ہیں۔ لٰہ تعالیٰ کی آیات میں غور و فکر کر کے ایمان و معرفت کو حاصل کرنا یا اولیاء اللہ کی صحبت اختیار کر کے ان کے طنی اثرات سے اپنے دل کو زندہ کرنا اور متکبر ان مذکورہ طریقوں میں سے کسی پر بھی چلنے کو آمادہ نہیں ہوتا۔ متکبر کے نفس میں شیطان نے جو پھونک لگائی ہوتی ہے۔ اس کا شعلہ بہت، تیز اور مشتعل ہوتا ہے اور اس کی حرارت

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

سے جو صفات پھیلتی اور قوت حاصل کرتی ہیں۔ ان میں حسد، کینہ، بغض، غصہ، غضب دوسروں کی تحقیر، عدم نصیحت سے گریز، دل کی سختی، حسن سماعت کا فقدان، عدم تواضع اور فتنہ و فساد وغیرہ کو شمار کر سکتے ہیں یہ ایسی صفات ہیں کہ جس کے دل میں ان کے نشانات باقی ہوں۔ اس کے لئے نعمائے اخروی اور جنت کا حصول ناممکن ہے۔ تکبر کے اسباب و محرکات میں سب سے زیادہ مال و جاہ اور قوت و شوکت ہیں۔ لیکن بعض لوگ نسبی فوقیت، حسن و جمال علم و ذہانت اور عصبیت و برادری کی کثرت سے بھی اسی صفت کی پرورش کا کام لیتے ہیں۔

جب کسی شخص کی جڑ میں فساد ہو تو علم جیسی شئے جو ہدایت و فلاح کا سب سے بڑا وسیلہ ہے اس کے اندر کبر و غرور کو ہوا دے کر بُری صفات کو پیدا کرنے کا باعث بن جاتی ہے اور وہ انسان دوسرے علماء اور اپنے علم کے ماسوا کو ہیچ سمجھ کر تحقیر و ذلت کی نظروں سے دیکھنے لگتا ہے اور اس طرح ان سے بہرہ ور ہونے کی بجائے اپنے اور ان کے درمیان ایک دیوار چن لیتا ہے۔ تکبر کے نتائج سے ہم اس وقت تک بچ نہیں سکتے۔ جب تک اس کی ضد تواضع کو اپنے باطن میں راسخ کر کے پورے طور پر اپنا نہ لیں۔ گو صفات کا بدلنا بہت مشکل ہے۔ مگر ہم اس بات کو ناممکن نہیں کہہ سکتے کیونکہ تکلف و مجاہدہ کے ساتھ بہت سی صفات کا بدل جانا تجربہ و مشاہدہ کے سامنے ظاہر و واقع ہو رہا ہے اور احکامات شریعت و طریقت سے یہی مقصود ہے کہ ہم بُرے صفات کو بدل کر اوصاف حمیدہ کو حاصل کر سکیں۔

ہماری صفات میں اللہ تعالیٰ نے تبدیلی کی گنجائش اور لچک پیدا فرمائی ہے۔ اور ہمارے ارادہ میں یہ قوت پیدا کی ہے کہ وہ ہماری صفات پر اثر انداز ہو سکے۔ جب غور و فکر سے نفس اپنی حقیقت کو پہچان لیتا ہے تو اس کو تواضع و فروتنی آسان اور سہل الحصول ہو جاتی ہے اور جب وہ حق تعالیٰ کی عظمت و کبریائی کو جان لیتا ہے تو اس کے حضور جھکنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

اوّل تو انسان کا نیست و عدم محض ہونا ہی اس کے حقیر و کمتر اور ناچیز ہونے پر سب سے بڑی دلیل ہے جب کا وجود ہی اپنی ذات سے قائم نہ ہو۔ اس سے زیادہ عاجز و درماندہ اور کیا چیز ہو سکتی ہے۔ اور پھر جس جگہ وہ اپنی پیدائش کے تصور کو احساس میں لا سکتا ہے۔ کیا وہ حقیر و ذلیل مٹی نہیں ہے؟ جس کے اجزا نے اس کے مادہ اولیٰ اور جدِ اوّل کی تخلیق و تعمیر کو مجسم و متشکل بنایا۔ اس کے بعد اس کی افزائش نسل کا سلسلہ جس چیز سے جاری ہوتا ہے کیا وہ ناپاک و غلیظ قطرہ منی نہیں ہے؟ جس کے وجود سے لگ جانے پر خود آدمی ناپاکی و کراہت

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کے احساس میں دب جاتا ہے۔ اور جب تک اس غلاظت کو دور نہیں کر لیتا اسے چین نہیں آتا۔ ماں کے شکم میں کیا اس سے زیادہ عاجز و مجبور کوئی اور چیز ہو سکتی ہے؟ اور پھر دنیا میں نمو حاصل کرنے پر بھی کیا وہ ماں باپ کے ذریعہ ہر وقت غذا کی مدد حاصل کرنے کا محتاج نہیں ہے۔ ان حالات کا تصور کرنے کے بعد کیا انسان کو اپنے تکبر سے شرم محسوس نہیں ہوتی؟ انسان کے اسی عجز و احتیاج کی طرف توجہ دلانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

هُوَ اَعْلَمُ بِكُمْ اِذْ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاِذْ اَنْتُمْ اَجِنَّةٌ فِیْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ ۚ فَلَا تُزَكُّوْۤا اَنْفُسَكُمْ

یعنی اپنے نفسوں پر نہ اتراؤ۔ اللہ تعالیٰ تمہاری حقیقت کو بہتر جانتا ہے۔ جب اس نے تمہیں زمین میں سے بنایا اور جب تم اپنی ماؤں کے شکم میں جنین کی شکل میں تھے۔" اب اس کے حضور میں اپنے نفس کی صفائی اور اکڑ فوں ظاہر کرتے ہو۔ یہ بات تمہیں ہرگز زیب نہیں دیتی اور تم ایسا رویہ اختیار کرنے کے حقدار نہیں ہو۔ کیا تمہارے بڑھوتری اختیار کرنے اور قوت و ہیبت کی اس شان کو اپنانے میں تمہیں کوئی ذاتی اختیار حاصل ہے؟ کیا تمہاری پیدائش و پرورش کے سارے عمل میں تمہارے ارادہ و اختیار نے کوئی کردار ادا کیا ہے؟ اور تم وثوق کے ساتھ اس کے علم کا دعویٰ رکھتے ہو؟ آج تم جس اختیار و قوت پر متکبر و نازاں ہو، کیا وہ خدا کی ایجاد و عطا سے حاصل نہیں ہوا؟ اور کیا یہ سب کچھ اسی کی طرف لوٹ جانے والا نہیں ہے؟

اگر انسان اپنی اس ساری شان و شوکت، دنیاوی جاہ و جلال اور سامان و نمائش پر ان کی حقیقت کی جہت سے غور کرے اور اس بات کا ادراک حاصل کرے کہ اس کی ذات اور سب اشیاء کس طرح فنا کی طرف دوڑ لگا رہی ہیں تو اسے اپنے تکبر سے خود بخود شرم محسوس ہونے لگے۔ جب انسان کی اپنی ذات میں کوئی امتیازی اور حقیقی خصوصیت نہ ہو تو محض نسبی تفوق پر فخر و مباہات اس کی سب سے بڑی جہالت کا ثبوت ہے

نہ ہو گر ذات میں جوہر تو کیا حاصل ہے یوں کہنا
کہ آیا تھے ہمارے اشرف و افضل خدائی سے

انسان اگر بیماری اور مصیبت کے وقت کو تصور میں لائے جس کے وارد ہونے کے امکانات ہر آن موجود ہیں۔ تو اس کا تکبر پاش پاش ہو جاتا ہے اور اگر کوئی شخص اپنی ظاہری خوشحالی کے اسباب کو غیر منفک سمجھ کر اس تصور کو قریب نہ آنے دے تو موت کا خیال کر کے ہی دیکھ لے جس سے زیادہ یقینی اور کوئی چیز نہیں ہے۔ اور جس میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔ انسان اس سے کسی طرح گریز پا نہیں ہو سکتا۔ روح کے پرواز کر جانے کے بعد اس کے وجود سے نفرت محسوس ہو گی اور اگر کچھ عرصہ پڑا رہنے دیا جائے تو تعفن کی وجہ

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

سے کوئی شخص اس کے قریب نہ جا سکے۔ پھر قبر میں داخل ہونے کے بعد جس طرح کیڑے اس کے وجود کو کھانے لگیں گے اور وہ مٹی میں مل کر مٹی ہو جائے گا۔ تو کیا یہ سب امور اس کے لئے عبرت و فروتنی کا سامان نہیں ہیں؟ احوالِ آخرت کا تصور تو اہلِ ایمان کے ساتھ مخصوص ہے اور اس تصور کے نتیجہ میں تکبر کے مادہ کا تحلیل ہو جانا لازمی امر ہے۔ انسان کے حسن و جمال اور نفاست کے غرور و تکبر کو توڑنے کے لئے اس کے وجود میں کئی قسم کی غلاظتیں موجود ہیں جن کے تعلق و واسطے سے وہ کسی طرح کنارہ کش نہیں ہو سکتا۔ اس کے پیٹ میں براز مثانے میں پیشاب، ناک میں بلغم و رینٹھ، منہ میں تھوک، کانوں میں میل، بغل میں بدبو اور سارے وجود پر پسینہ کی غلاظت موجود ہے۔ اگر انسان ان کا تصور اپنے خیال میں لائے تو غرور و تکبر کا کہیں نشان بھی نہیں رہ سکتا۔ اہلِ علم و کمال لوگوں کے لئے غرور و تکبر کے ساتھ عُجب کی ایک بیماری بھی شامل ہو جاتی ہے۔ جس کی سب سے بڑی وجہ ان کے تصور کا اللہ تعالیٰ کی خالقیت کے ادراک و احساس سے غافل و بے بہرہ ہونا ہے اور وہ لوگ اپنے کمالات کو صرف اپنے نفس سے وابستہ کر کے دیکھنے کے عادی ہو جاتے ہیں۔ وہ اس بات کو بھول جاتے ہیں کہ قدرت و اختیار، علم و ارادہ اعضاء و قویٰ اور تمام اسباب جن سے کمال حاصل ہوا میرے پاس کہاں سے آئے۔ اگر انسان بصیرت اور تعمق نظری سے کام لے تو اس پر یہ بات واضح ہو سکتی ہے کہ اللہ نے ہی اسے خاص تقدیرات کے ذریعہ پیدا کر کے اس کے اعضاء و قویٰ کو مرتب کیا اور اسے صحت عقلی و بدنی عطا فرما کر علم و ارادۂ خیر کو اس کے اندر متحرک فرمایا۔ جس کے ذریعہ وہ کسی علم و فن میں کمال کو اپنا سکا۔

انسان کے مغالطہ کا سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے قویٰ و حرکات کو باترتیب پیدا فرمایا ہے۔ جس سے وہ سمجھنے لگتا ہے کہ یہ میری خود پیدا کردہ ہیں حالانکہ یہ بات صریحاً غلط ہے۔

انسان کا وجود اللہ تعالیٰ کے فعل و قدرت کے اظہار کا محل ہے اور اس میں افعال کا صدور ایک ترتیبِ خاص اور شرط و مشروط کے سلسلہ سے منظم و وابستہ ہے۔ جس کے خلاف کوئی امر وقوع پذیر نہیں ہو سکتا۔ انسان کا اللہ تعالیٰ کے افعال کا محل ہونا ہی اسے اس بات کا غلط احساس دلاتا ہے کہ وہ اپنے افعال کا خالق و خود مختار ہے۔ اس تصور میں تقیید کی وجہ سے وہ اپنے اختیار میں مجبوری پر نگاہ نہیں کرتا۔ جس کے دیکھنے پر وہ عجب و تکبر سے باز رہ سکتا تھا۔ ہماری نظر کی تنگی اور محدودیت ہی ساری گمراہی کی بنیاد ہے۔ ہم قریبی اسباب کو تو دیکھتے ہیں۔ مگر ان کے سلسلہ کو آگے چلا کر مسبب الاسباب تک ملانے کی کوشش نہیں

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کرتے اور اس میں سب سے بڑی رکاوٹ ہماری نظر کا ضعف و اضمحلال ہے۔ اگر اس میں وسعت و قدرت واقع ہو جائے تو تمام اسباب کا ذاتِ مطلق کی طرف رجوع مشاہدہ میں آسکتا ہے۔ اور ہم اپنے اختیار میں مجبوری کو ملاحظہ کر سکتے ہیں۔ ہماری یہ دید ہی تذکر و تفکر اور توحید و توکل کے احوال کی تمہید بن سکتی ہے۔ جب ہم کسی کام کو کرنے کی طرف رجوع کرتے ہیں تو اس کا محرک ہماری خواہش و مشیئت اور ارادہ ہوتا ہے۔ جب تک مشیت کی نمود نہ ہو۔ ارادہ میں حرکت و پختگی پیدا نہیں ہو سکتی۔ اور اس کے بعد ہی عمل کی تکمیل کا سلسلہ جاری ہوتا ہے۔ اب ذرا اپنی مشیت و خواہش کو نگاہ میں لا کر دیکھو کہ یہ کہاں سے وارد ہو گئی؟ کیا اس کا پیدا کرنا ہمارے ذاتی اختیار میں ہے؟ یا زبردستی ہم پر مسلط ہو رہی ہے؟ یہ سوال ذرا مشکل اور تفصیل طلب ہیں۔ اور ان کے پسِ منظر کو دیکھنے کے لئے ہمیں وسعتِ نظری کی ضرورت ہے۔

جب ہم تعمقِ نظری سے دیکھتے ہیں تو محسوس ہوتا ہے کہ ہمارا کسی بات کو چاہنا اور اس کی خواہش کرنا بطورِ وارِدہ کے ہم پر نازل ہوتا ہے۔ اور ہمارے اختیار و ارادہ کے بغیر جذبہ خود بخود دل سے ابھر آتا اور اپنی تسکین کا خواہاں ہوتا ہے۔ جب تک جذبہ اپنا سر نکال کر نمود حاصل نہیں کر لیتا۔ ہمارا ارادہ پیدا نہیں ہو سکتا۔ اور جب تک ارادہ و نیت میں پختگی پیدا نہ ہو جائے وہ قدرت کو حرکت دینے کی کارفرمائی نہیں کر سکتے اور یہ ہماری قدرت ہی ہے جو اعضاء کو حرکت میں لا کر اعمال کو تکمیل تک پہنچاتی رہتی ہے۔ اس منظم ترتیب کے بغیر کسی عمل کا وقوع پذیر ہونا ممکن نہیں ہے۔ مگر یہ سارا سلسلہ اتنی سرعت سے واقع ہوتا ہے کہ ہم ہر وقت اسے اپنے شعور میں نہیں لا سکتے۔ اور ہر کام میں اس باطنی صورتِ حال کا ذہن نشین کرنا۔ ہمارے لئے بہت مشکل ہے۔ روزمرہ کے معمولی حرکات و سکنات میں یہ سلسلہ غیر شعوری طور پر جاری و ساری رہتا ہے اور ہمیں اسے اپنے فکر میں لانے کی ضرورت اور احساس نہیں ہوتا۔ لیکن جب کوئی اہم واقعہ پیش آتا ہے اور اس کے متعلق ہماری عقل متردد اور ارادہ متزلزل ہوتا ہے تو ہم اپنے اس باطنی سلسلۂ تحریکات کو آسانی سے مطالعہ کر سکتے ہیں۔

ہماری خواہش یا جذبہ گو زبردستی ہم پر مسلط ہوتا ہے۔ مگر اس کے بھی اسباب ہیں جو ہمارے ذاتی محسوسات گرد و پیش کے حالات اور ماحول کے تاثرات سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان حالات و محسوسات پر ہمارا اختیاری احاطہ ہونا ہی ہماری مجبوری کہلاتا ہے۔ ہمارے محسوسات ہمارے علم کو فراہم کرتے ہیں اور ہمارا علم و عقل مل کر کسی کام کے مفید یا مضر ہونے کا فتویٰ صادر کرتے ہیں۔ جس کے بعد ہی ہماری خواہش کی نمود، ارادہ کی پختگی، قدرت کی تحریک اور عمل کے لئے حرکت و سکون کی نوبت آتی ہے۔ جس طرح نیکی کے لئے حرکت ایک عمل ہے۔ اسی طرح

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

برائی سے بچنا اور ساکن رہنا بھی ایک عمل ہی کہلاتا ہے۔ جس پر اجر و ثواب کا مُرتب ہونا ثابت و مُسلّم ہے۔ عامۃ الناس محسوسات کے علم کو وصول کرنے اور اس کے مطابق ہی خواہش و ارادہ کو بیدار کرنے پر مجبور و معذور ہیں۔ انہیں تو اس بات کی توفیق نہیں ہوتی کہ علم کے بعد ارادہ اور ارادہ کے بعد قدرت کی تحریک اور عمل کی تکمیل سے رک جائیں وہ خاص لوگ بہت تھوڑے ہوتے ہیں جو اپنے اندر خاص قسم کے علوم و احساسات ہی کو داخل ہونے دیتے ہیں اور اپنے منشاء کے خلاف علوم کے اثرات کو اپنے دل کے قریب نہیں آنے دیتے۔ یہی لوگ حقیقی زندہ و خود دار اور اعلیٰ کے مالک ہوتے ہیں۔ اور انہیں محسوسات کے بُرے اثرات سے بچنے اور بیہودہ خواہشات کو دبانے کی طاقت و قدرت ہوتی ہے۔ یہی لوگ اپنے فکر و خیال کو ایسے راستہ پر چلاتے ہیں۔ جن کے طے کرنے پر نیکی و خیرات کی منازل ہی سامنے آتی ہیں۔ اور یہ لوگ اپنے باطن میں پیدا ہونے والی تحریکات کا پورا علم اور ان پر قبضہ و کنٹرول رکھتے ہیں اور جب اپنی توجہ و قلبی قوت کو معراجِ کمال تک پہنچا لیتے ہیں تو ان میں دوسروں کے باطنی حالات و قلبی تحریکات کے علم کو جانتے اور ان پر تصرف کرنے کا ملکہ حاصل ہو جاتا ہے۔

جس طرح ارادہ سے پہلے مفید و غیر مفید کا علم ہونا ضروری ہے۔ اسی طرح علم سے پہلے حیات اور حیات سے پہلے محل حیات کا موجود ہونا ترتیب واجب سے ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی سنّت جاریہ اسی طرح انسان اور اس کے اعمال کو پیدا فرماتی ہے اور اس کا یہ فرمان وَاللّٰہُ خَلَقَکُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ عین حقیقت قائم رہتا ہے۔ جب یہ بات ہم پر ثابت ہو چکی ہے کہ ہمارا وجود محلِ حیات ہے۔ محض اللہ تعالیٰ کی مشیت و ارادہ ہی سے ظہور میں آیا ہے۔ اور اس کے اندر اختیار کی جو قوت ودیعت کی گئی ہے۔ اس کی بنیاد بھی اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہے۔ تو ہمیں اپنے اختیار میں مجبور ہونے پر شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ ہمارے اس بیان سے مقصود یہ ہے کہ ان حقائق کو سمجھنے کے ذریعہ کبر و عجب کے جال کی گرفت سے آزاد ہو کر تذکر و تشکر کی فضائے بسیط میں پرواز کرنے لگیں۔ اور اس زمرہ میں شامل ہو جائیں جو اللہ تعالیٰ کی آیات کے مفاد کو حاصل کرتے ہیں۔ وہی لوگ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ ۝ کی حقیقت سے پورے طور پر واقف ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہماری ہدایت کا سلسلہ بے حد وسیع ہے۔ آیات پاک کے ذریعہ اس نے ہمیں بار بار تعلیم و تذکر اور ایمان و اتقاء کی طرف بلایا ہے۔ کبھی ہمیں ہمارے نفس کی طرف توجہ دلا کر اس کے باطنی احوال و کوائف کو دیکھنے کی دعوت دی ہے۔ اور کبھی تمام کائنات اور آفاق پر نگاہ دوڑانے کا حکم ہے۔ جس میں ہمارا وجود اور تمام دیگر اشیاء شامل ہیں۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ہمارا وجوُد جامعیت کے لحاظ سے عالمِ صغیر ہے کیونکہ یہ تمام عالم کی صفات کا مجموعہ اور خلاصہ ہے۔ جس کا تفصیلی مطالعہ کر کے ہم عالم کے وسیع علم کا مفاد حاصل کر سکتے ہیں۔

ظاہر و باطن میں اللہ تعالیٰ کی تقدیرات اور شرط و مشروط کا سلسلہ ایک ہی نہج اور امرِ حق پر جاری ہے۔ جس طرح ہمارے وجود میں حرکات و سکنات اور اعمال و افعال کے سلسلہ کو خاص تقدیرات اور علل و اسباب سے منظم و مربوط فرمایا گیا ہے اور اس سلسلہ کی ایک کڑی کے ٹوٹ جانے پر بھی وہ عمل ظہور پذیر نہیں ہو سکتا اسی طرح جملہ عالم کے نظام میں خاص تقدیرات کو اہمیت حاصل ہے۔ جن کا اظہار مندرجہ ذیل آیات سے ہو رہا ہے۔ اِنَّ رَبَّکُمُ اللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ...... اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ سورۂ یونس۔ پ ۱۱۔ ہر چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی شے کا وجود اللہ تعالیٰ کی ذات پر دلالت ہے۔ کوئی شے باطل و مہمل اور اتفاقی طور پر ظہور پذیر نہیں ہوئی ہے۔ بلکہ امرِ حق اور خاص تقدیرات کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے علم و حکمت اور قدرت و صنعت کی کارفرمائی کا نتیجہ ہے۔

آیت مذکورہ بالا میں اللہ تعالیٰ زمین و آسمان کی خلقت کو اپنی ذات اور ربوبیت کا نشان ظاہر فرماتے ہیں۔ اور ان کی تخلیق کا کام چھ یوم میں قرار دینے سے ان کی وسیع و عمیق حکمتوں اور تقدیرات کے استقرار و استحکام کی طرف اشارہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ایک دن قرآن پاک کی رو سے ہمارے ایک ہزار سال کے برابر ہے۔ جس سے چھ دن کی مدت بھی ہمارے چھ ہزار سال کے عرصہ کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ اس سے تعجیل کا سدِ باب اور تدریج و تسہیل کا ارتقائی اصول و کلیہ جاری فرمایا گیا ہے۔

تخلیقِ عالم کے متعلق ہمارے سامنے جب کوئی سائنٹیفک نظریہ موجود نہیں ہے تو ہم اس بات پر مجبور ہیں کہ اس کے متعلق جس قدر علم اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے۔ اسی پر اکتفا کریں۔ ہماری عقل کو اسے تسلیم کرنے میں کوئی حجاب مانع نہیں ہے۔ اور ہمارے لئے اس پر عذر و اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے کام ہر قسم کی غلطی اور نقصان سے بالا اور ارفع و اعلیٰ ہیں اور اسی بات کو اپنے فعلِ تخلیق کو ایک مدتِ مقررہ سے منسوب فرما کر ظاہر فرمایا گیا ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ کی ذاتِ پاک کے متعلق کسی مثال کا تصور قائم نہیں کر سکتے ہیں۔ اس لئے اس کے فعلِ تخلیق اور تعیینِ مدت کے متعلق کلی حقیقت پر احاطہ کرنا ہمارے امکان سے خارج ہے۔ اس کی ذات کے متعلق ہمیں دنیا میں جس قدر معرفت حاصل ہو سکتی ہے وہ اس کے سوا نہیں ہے کہ ہم اس کے افعال کی حکمت، تقدیرات کی وسعت و استحکام، صنعت کا حسن و کمال، ہر شے کا امرِ حق کے ساتھ قیام شرط کے ساتھ مشروط کی وابستگی اور علل و اسباب کے اس کی ذات پر انتہا و اختتام کا ملاحظہ کریں۔ اسی قدر معرفت ہی ہمیں اس کے احکام کی فرمانبرداری اور

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

مقامِ عبودیت کی امکانی انتہا پر کھڑا کرنے کے لئے کافی ہے۔ ہر شخص کی استعداد کے مطابق اس کی معرفت کی انتہا ہوتی ہے۔ اور اسی کی اقدار پر اس کے مقامِ عبودیت اور فنا و بقا کے مدارج کی تعیین ہے۔ اس لئے انسانوں کے درجات اور فرقِ مراتب بھی بے حد و حساب ہیں۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ سے افعال کے صدور کو چشمِ مشاہدہ سے دیکھتے ہیں اور ان کی نظر عالمِ خلق سے گزر کر عالمِ امر تک پہنچ جاتی ہے۔ جہاں علل و اسباب کا مادی سلسلہ ختم ہو کر ملکوت کی کارفرمائی ہوتی ہے۔ اور عقل کے ادراکات سے ماورا کی روح اور وجدان کو حق تعالیٰ کی عالم کے متعلق تدبیرات کا انکشاف ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے عرش اور اس پر استوا کی حقیقت کو معلوم و محسوس کرنے کے قریب پہنچ جاتے ہیں۔

عالمِ خلق کی طرح عالمِ امر میں بھی شرط و مشروط اور لازم و ملزوم کا سلسلہ جاری و ساری ہے ورنہ اس عالم کی ہیئت کے استحکام میں تزلزل واقع ہو جاتا اور احوال و امور منتظم نہ رہتے۔ فرق صرف یہ ہے کہ عالمِ خلق کے علل و اسباب کو ہماری عقل ادراک کر سکتی ہے۔ مگر عالمِ امر کے ادراکات کے لئے ہمارے روح و وجدان کے ذریعہ حق تعالیٰ کی طرف سے الہامات کا ہونا ضروری ہے۔ عالمِ امر کے اسباب و محرکات کی انتہا پر ہی ہم حق تعالیٰ کی ذاتی تدبیر منزل اور صدورِ افعال کو ملاحظہ کر سکتے ہیں۔ اور یہ امر اس کی ذاتی رحمت اور احسان و امتنان پر موقوف ہے۔ سب لوگوں کو اس نے اس قسم کی قابلیت عطا نہیں فرمائی بلکہ خاص لوگ ہی اس کی مشیت سے ان امور کی اہلیت و قابلیت رکھتے ہیں۔ جنہیں ہم انبیاؑ و اولیائے کرام کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ تخلیقِ عالم میں اللہ تعالیٰ کے فرشتے درجہ وار اس کے تصرف کے اوزار کا کردار ادا کر رہے ہیں۔ اور ان میں سے ہر ایک کو جس کام پر مامور فرمایا گیا ہے۔ وہ اس میں ہرگز کوتاہی نہیں کرتا۔

ایک ایک عضو یا چیز کی تخلیق پر کئی کئی فرشتوں کا تقرر ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک فرشتہ اپنی صفت کے اعتبار سے صرف ایک ہی کام سرانجام دے سکتا ہے اور اس کے لئے یہ ممکن نہیں کہ ایک وقت میں ایک کام کرے اور دوسرے میں دوسرا کام شروع کر دے۔ انسان اور فرشتہ میں یہی فرق ہے کہ انسان میں سینکڑوں صفات کی جامعیت ہوتی ہے اور وہ ہر وقت و آن میں اپنی مختلف صفات کے اظہار اور ان کے عملی رُخ کو تبدیل کر سکتا ہے اور فرشتہ صرف ایک ہی صفت کا حامل ہوتا ہے۔

اگر ہم انسان کے وجود میں اس کی غذا کے جزوِ بدن بننے تک کے عمل پر ہی غور کریں تو اس میں کم از کم سات فرشتے مصروفِ عمل نظر آتے ہیں۔ غذا سے مقصود اس کا جزوِ بدن بننا ہوتا ہے اور جب وہ مختلف مراحل سے گزر کر خون کی صورت اختیار کر لیتی ہے تو اس وقت بھی وہ خود بخود نہ گوشت بن سکتا ہے۔ نہ ہڈی نہ رگ پٹے

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

جب تک کوئی بنانے والا نہ ہو۔ جس طرح جب تک کوئی بنانے والا کاریگر نہ ہو گندم نہ خود بخود پستا ہے۔ نہ گندھتا ہے۔ اور نہ روٹی بنتا ہے۔ خون کے جزو بدن بنانے کے مذکورہ عمل کو سرانجام دینے کے لئے اول تو ایسا فرشتہ کام کرتا ہے۔ جو غذائی خون کو ہڈی یا گوشت اور اس عضو تک پہنچانے جس میں تحلیل و اضمحلال واقع ہوا ہو۔ دوسرا وہ جو خون کو وہاں روکے رکھے اور ٹلنے نہ دے۔ تیسرا وہ جو خون کی صورت و ہیئت کو تبدیل کر کے اسے عضو کی طرف منتقل کرے۔ چوتھا وہ جو اس کو گوشت تو وہ ہڈی یا رگ کی صورت بنا دے۔ پانچواں وہ کہ جو زیادتی باقی رہ جاوے اس کو دفع کرے چھٹا وہ جو اجزا میں خلط نہ ہونے دے اور اپنی طبعی خاصیت کے لحاظ سے جو جزو جس عضو کے مطابق ہو اسے اسی تک پہنچانے اور ساتواں وہ کہ اس اتصال میں رعایت اصل مقدار کی رکھے کہ جو چیز گول ہے اس کی گولائی نہ جاتی رہے۔ جو چوڑی ہے۔ اس کی چوڑائی قائم رہے اور مجوف کی گہرائی میں فرق نہ آئے اور ہر عضو پر مقدار حاجت بھی ملحوظ رکھے تاکہ ان کا تناسب قائم رہے اور کوئی عضو اپنی اصلی مقدار سے چھوٹا بڑا نہ ہونے پائے۔

یہ کام زمین کے فرشتوں کے متعلق ہے اور آدمی کے اندر سب اپنے اپنے کام میں معروف ہیں۔ خواہ وہ کسی حالت خواب یا بیداری میں ہو اور اسے اس عمل کی خبر بھی نہیں ہوتی۔ انسان کے اعضا کے اعمال اور حرکات و سکنات میں بھی علیحدہ علیحدہ فرشتے مقرر ہیں اور بعض اعضا مثل آنکھ اور دل میں سو سے بھی زیادہ فرشتے معروف عمل ہوتے ہیں۔

ان زمین کے فرشتوں کو آسمان کے فرشتوں سے مدد پہنچتی ہے۔ اور ان میں وہ ترتیب معین ہے جس کی کہنہ سوائے خدا تعالیٰ کے اور کوئی نہیں جانتا۔ اسی طرح آسمان کے فرشتوں کو ان فرشتوں سے مدد پہنچتی ہے۔ جو حاملین عرش کہلاتے ہیں۔ اور یہ براہ راست حق تعالیٰ سے تائید و ہدایت حاصل کرتے ہیں۔

تکمیل امور و اشیاء کے کام میں فرشتوں کی کثرت اس لئے ہے کہ ان کی خلقت میں کسی طرح کا خلط یا ترکیب نہیں ہے۔ اس لئے ایک فرشتہ سے ایک ہی فعل سرزد ہو سکتا ہے اور وَمَا مِنَّا اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ ؕ سے معلوم اسی بات کی طرف اشارہ ہے۔ ان میں آپس میں ایک دوسرے سے نہ نفرت ہے نہ مقابلہ بلکہ وہ اپنے کاموں پر ایسے مامور ہیں۔ جیسے حواس خمسہ کہ بینائی شنوائی کی مزاحم نہیں ہوتی کہ ادراک اصوات میں اس سے پرخاش کرے۔ نہ قوت شامہ ان دونوں کی مزاحم ہے۔ نہ وہ دونوں اس کے مانع۔

انسان اپنی جامعیت کی وجہ سے سینکڑوں قسم کے کام کر سکتا ہے۔ یہی امر اس کی گمراہی اور کجی کا باعث بن جاتا ہے۔ صفات و ارادات میں اختلاف و وسعت کی اسی وجہ سے اس کے لئے فرشتوں سے برتری اور

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

اور مقام فوق کی طرف رسائی کا امکان ہے۔ فرشتوں کی طبیعت میں اطاعت سے روگردانی ممکن نہیں ہے۔ اسی لئے ان کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ لَا یَعْصُوْنَ اللّٰہَ مَآ اَمَرَھُمْ وَیَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ ٭ ہر ایک کے لئے ٹھیک مقام اور رتبہ ہے کہ اس سے تجاوز نہیں کرتا۔ ان کی مثال آدمی کے ہاتھ پاؤں وغیرہ اعضاء سے بھی دی جا سکتی ہے کہ کس طرح ان سے آدمی کی مخالفت کی مجال متصور نہیں۔ جب آدمی اپنی پلکیں کھولنی چاہے تو صحیح وسالم ہونے کی صورت میں انہیں کھلنے میں کچھ تردد نہیں ہو گا وہ تو امر و نہی انسان کی منتظر ہیں کہ اشارے کے ساتھ ہی کھلی اور بند ہو جاتی ہیں۔ بالکل اسی طرح دیگر اعضا کا حال ہے کہ وہ انسانی احکام کی تکمیل پر مجبور و پابند ہیں۔

جس طرح انسان اپنے اعضا پر قادر و مالک ہے اور وہ ان کی حرکات و سکنات کا مدبر و منتظم ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا حکم ساری کائنات میں جاری و ساری ہے اور کس طرح جاری نہ ہو جبکہ اس کا خالق و مالک وہی واحد القہار ہے۔ اپنی ظاہری و باطنی زندگی میں جن اشیاء و اشخاص سے ہم مدد و اعانت حاصل کرتے ہیں ان کی حیثیت کیا ہے؟ کیا وہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق و مملوک اور اس کی مقدرہ اشیاء نہیں ہیں؟

ہماری مدد و شفاعت اور سفارش کے لئے کسی شخص یا شے کو توفیق عطا کرنا ہی اس کے اذن عطا کرنے کا مترادف ہے۔ ان معنوں میں ہر شے جس سے ہم مفاد حاصل کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے اذن ہی سے ہمیں فائدہ پہنچاتی ہے۔ جب ہر شے کا وجود اور اس کی قوت اعانت اللہ تعالیٰ کی ذات ہی سے قائم و وابستہ ہے تو اس کی پاک ذات کے سوا ہماری عبادت و نیازمندی کا مستحق اور کون ہو سکتا ہے؟

اہل بصیرت کے لئے اس کا فرمان کہ وہی اللہ تعالیٰ جو مذکورہ صفات کا مالک ہے تمہارا رب ہے اور تمہیں اسی کے حضور میں عابدانہ طور پر جھکنا چاہیئے۔ سر آنکھوں پر ہے۔ کیونکہ جن حقائق کو بیان کیا گیا ہے انہیں وہ اپنے باطنی مشاہدہ سے ظاہری آنکھوں کی نسبت بھی زیادہ وضاحت سے دیکھ رہے ہوتے ہیں۔

افسوس تو ان لوگوں پر ہے جو اپنی چشم بصیرت کو وا ہی نہیں کرتے اور تذکر سے محروم رہتے ہیں۔ کاش وہ اس بات ہی کو سمجھ کر مان لیتے کہ سب لوگوں نے مجموعی طور پر اسی کی طرف رجوع کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ فرضی نہیں ہوتا۔ بلکہ جب وہ وعدہ کرتا ہے۔ تو اسی وقت قضاء و قدر میں پورا ہو جاتا ہے اسی حقیقت کا اظہار کرتے ہوئے اس نے فرمایا ہے۔ کَانَ وَعْدُہٗ مَفْعُوْلًا ٭ صاحب فکر کے لئے قیامت میں شک کی گنجائش نہیں ہے۔ جب ہم دیکھ رہے ہیں کہ وہ مخلوق کو کتم عدم سے کھینچ کر منصۂ شہود پر لاتا ہے۔ اور پھر دوبارہ اسے عدم کی گہرائیوں میں غوطہ لگانے پر مجبور کر رہا ہے۔ ہمارے سامنے اشیاء جامۂ وجود میں آتی اور ہمارے سامنے ہی اس جامہ کو اتار

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کر پس پردہ اور مستور ہوتی جا رہی ہیں۔ حیات و موت کا یہ ہنگامہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہے مگر انسانی حیات کے اس تقاضا سے بہت تھوڑے لوگ واقف ہیں جو موت کے بعد دوبارہ زندگی کے لئے وہ اپنی فطرت میں چھپائے ہوئے ہے۔ دنیا کی اس محدود زندگی میں نہ تو اسے نیکی و خیرات کی مکمل جزا کا موقع ملتا ہے اور نہ ہی اپنے برُے اعمال پر پورے طور پر عقوبت و سزا سے دوچار ہو سکتا ہے۔ حالانکہ فطرت کے بطن میں ان کی تکمیل کا اِدّعا موجود ہے۔ انسانی فطرت کے اس تقاضا کو پورا کرنے کے لئے ہی اللہ تعالیٰ نے قیامت کا وعدہ فرمایا اور اسے برپا کرنا ہے۔ دنیا میں ہم جزا و سزا کی ارتقا و انتہا تک نہیں پہنچ سکتے اور اس طرح جلد ختم ہو جانے پر ہمارا دل ہی مطمئن نہیں ہے تو وہ خالقِ اکبر اس بات کو کس طرح جائز فرما سکتا ہے۔ جس کا تخلیقِ عالم سے مقصود ہی یہ ہے کہ اپنی صفات کا پورے طور پر مظاہرہ کرے۔ یہ محدودِ عالم دنیا ایسا میدان نہیں جس میں اس کی صفات اپنے کمالات کا اظہار کر سکیں۔ وہ عالمِ آخرت ہی اس قدر وسعت و فراخی رکھتا ہے۔ جس میں اس کی ذات و صفات کے جلووں کی سمائی ہو سکے۔ ان کا اظہارِ تام ہی ہمارے لئے جزا و سزا کے ارتقا کا سامان بنتا ہے۔ جب دیکھنے والے تنگی آنکھوں سے اس کے حسن و جمال کو دیکھیں گے تو ان کی خوشی و انبساط اور سرور و نشاط کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہوگا۔ اور یہی ان کے اعمال خیر کی سب سے بڑی جزا ہوگی۔ اور جو لوگ اپنے بد اعمال کے اثرات کی وجہ سے اس نظارہ سے محروم و محجوب ہوں گے۔ انہیں اس مہجوری و حسرت کی سوزش جہنم کی آگ کی صورت میں اپنی لپیٹ میں لے لے گی۔ اعمالِ بد کی باطنی ہیئت کے اختلاف پر جہنم کی یہ سزا مختلف صورتوں میں نمودار ہوگی۔ ہماری آخرت کی جزا و سزا اور اصل اس کی صفاتِ جمال و جلال کا مکمل اظہار ہوگا۔ جس کے لئے یہ عالمِ سفلی اور دنیا کا میدان بالکل تنگ اور نا اہل ثابت ہو رہا ہے۔

انسانی فطرت اللہ تعالیٰ کی فطرت ہی کا مظہر ہے اس لئے اس کے تقاضے عین اللہ تعالیٰ کی رضا و مشیت کے مطابق ہیں جنہیں پورا کرنے کے لئے ہی اس نے عالمِ آخرت کو ایجاد و مقرر فرمایا ہے۔ ایمان والوں کے مبارک احوال جن کی بنیاد دنیا میں قائم ہو چکی تھی۔ مگر مادی حجابات کی وجہ سے اپنے ارتقا کا سامان نہیں پاتے تھے جب عالمِ آخرت میں جائیں گے تو اپنے لئے ترقی اور فروغ یزدانی کے راستوں کو وسیع و کشادہ پاکر اپنی انتہائی منزل تک پہنچ جائیں گے۔ اور وہ لوگ جو کفر و بد اعمالی کی وجہ سے اپنے اندر انوار کا زیغ نہیں ہو سکے اور برے اثرات کو جمع کرتے رہے ہیں۔ جب اس دنیا سے کوچ کر جائیں گے تو ان کے یہی باطنی و روحانی اثرات بالکل ظاہر و ننگے ہو کر اور کئی گنا زیادہ ہیبت ناک شکل اختیار کر کے اپنے حال کو عذاب و عقاب کے ادوار میں لے جائیں گے۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

جن کی شکل و صورت ان اعمال کی باطنی ہئیت کے مطابق ہوگی۔

آیات سے اللہ تعالیٰ کی ذات پر دلیل

اللہ تعالیٰ اپنی حجت کو پورا کرنے کے لئے بار بار اپنی آیات کے ذریعہ ہدایت کی طرف جانے کا سامان کرتے اور اپنے نعماء و احسان کو جتلا کر انسانی بصیرت کو روشن کرنے کا امکان پیدا فرماتے ہیں۔ ان آیات میں اپنی ذات پر دلیل دیتے ہوئے ایسی اشیاء کو بیان فرماتے ہیں۔ جن کے دیکھنے اور سمجھنے میں ہماری فکر و نظر اور فہم و خیال کو کوئی زیادہ کد و کاوش کرنے کی ضرورت نہیں۔ یہ وہی اشیاء ہیں جن کا اظہار ہمارے سامنے سب سے زیادہ ہو رہا اور شب و روز میں کسی وقت ہماری نظروں سے اوجھل نہیں ہوتیں۔ یہ طرفہ تماشا ہے کہ جو چیز اپنی افادیت کی وجہ سے ہمارے لئے اللہ تعالیٰ کے شکر کا سب سے بڑا باعث ہونی چاہیئے وہی اپنی کثرت اور عمومیت کی وجہ سے ہماری غفلت اور کفرانِ نعمت کا سامان بنی ہوئی ہے۔ سورج کی روشنی اور حرارت اگر ہم سے روک دی جائے تو گویا ہماری زندگی کے پودا کو جڑ سے اکھیڑ دینا ہے۔ مگر ہم ہیں کہ اس نعمت کی شکر گزاری کی طرف کبھی التفات نہیں کرتے۔ اور اتنی بڑی اور اہم شے کو بھی اپنے رب کی رحمت و ربوبیت پر دلیل نہیں پکڑتے۔ یہ اس کے افادہ کی شدت ہی کی وجہ ہے کہ جب بعض انسانوں نے اس کا احساس کیا اور اپنی توجہ کو اس طرف مبذول کیا تو اس سے اس قدر مرعوب و اثر پذیر ہوئے کہ اس کے مخلوق ہونے کو بالائے طاق رکھ کر خود اسی کی پرستش کرنے پر تیار ہو گئے اور اپنی جہالت و بے بصیرتی کی وجہ سے دلیل کی اوٹ میں مدلول کو چھپا بیٹھے۔ جن روحوں پر جہالت و گمراہی کی چھاپ نے ان کی بصیرت کو کمزور کر دیا ہو نشانات و دلائلِ حق کی تیز روشنی کے سامنے ان کی آنکھوں کا چندھیا جانا امرِ واقعہ ہے اور مذکورہ مثال ان پر پورے طور پر صادق آ رہی ہے۔

اشیاء کی افادیت کے تصور میں اس قدر گم ہو جانا کہ اس کے خالق کی طرف خیال میں حرکت نہ رہے۔ شرک کی اصلی بنیاد ہے اور جب تک ہم ان کی مخلوقیت و عدمیت پر نگاہ نہ کریں۔ ہماری روح سے لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ کا نعرہ بلند نہیں ہو سکتا۔ سورج کے بعد اس سے مستنیر ہونے والا چاند کا نورانی چہرہ ہمارے لئے کچھ کم فائدہ مند نہیں ہے جس کی طرف توجہ کر کے ہم پر اللہ تعالیٰ کا شکر واجب نہ ہوتا ہو۔ اس کے نور سے لطف اندوز سب ہوتے ہیں۔ مگر حقیقی قدر کچھ وہی لوگ جانتے ہیں۔ جو رات کے وقت سفر و محنت میں اس کی روشنی

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

جس طرح سورج کی روشنی وحرارت تمام حیوانات ونباتات کے لئے سرمایۂ حیات ہے اسی طرح چاند کی روشنی وٹھنڈک بھی حیوانات اور نباتات کی زندگی پر کچھ کم اثر انداز نہیں ہے۔ جہاں تک حکماء کے عقل وتجربہ کو دخل حاصل ہے۔ تمام پھلوں کا پکنا اور رسنا صرف چاند کی روشنی کا ہی مرہون منت ہے۔ سمندر کا مدوجزر جس میں ہزاروں فائدے مضمر ہیں۔ چاند کی کشش ہی سے پیدا ہوتا ہے۔ چاند کا منتظم طریق پر زمین کے گرد گردش کرنا اور اپنی نمو دمیں مقررہ اوقات پر گھٹنا اور بڑھنا ہمارے لئے حسابات کو تشکیل دینے اور سال وماہ کے مقرر کرنے میں ایک اچھا وسیلہ وذریعہ بن گیا ہے۔ اور ہر بات میں مدت وعرصہ کا معین کرنا آسان ہوگیا ہے۔ سورج کا وجود، چاند کی گردشیں اور روز وشب کی نمود کوئی ایسی باتیں نہیں ہیں۔ جو محض اتفاقی طور پر قائم ہوگئی ہوں۔ اور انہیں بنانے وترتیب دینے میں کسی زبردست علیم وحکیم کا ہاتھ کارفرمائی نہ کر رہا ہو۔ جُہلا کے لئے کسی حقیقت کا ادراک یا نعمت کی قدر اسی وقت ظاہر ہوتی ہے۔ جب وہاں سے رخصت یا فوت ہو جائے۔ جب سورج یا چاند گرہن لگتا ہے تو اس وقت عوام میں ایک کھلبلی سی پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ اس بات کا نشان ہے کہ اگر یہ صورت حال زیادہ عرصہ کے لئے قائم ہو جائے تو کس طرح انسان کے دل میں سورج چاند کے نعمت ہونے کا احساس شدت سے ابھر آئے۔ اب تو سائنس نے ثابت کر دیا ہے کہ جس طرح چاند کی گردشیں اللہ تعالیٰ کی حکمت سے معین ومقدر ہیں اسی طرح چاند سورج کا گرہن لگنا بھی خاص تقدیرات وحالات کے تابع اور اوقات معینہ پر واقع ہوتا ہے۔ کسی انسان کی سائنسی قوت میں یہ قابلیت نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اس مخصوص نظام میں رد وبدل کر سکے۔

چاند سورج کا وقت مقررہ پر طلوع وغروب ہونا اور اپنی رفتار وہیئت میں کسی قسم کی تبدیلی کا اظہار نہ کرنا ان کے حق کے ساتھ قائم ہونے کی سب سے بڑی دلیل ہے۔

کسی شے کا اللہ تعالیٰ کی مقررہ تقدیرات کے تابع ہونا ہی اس کا قائم بالحق ہونا کہلاتا ہے۔ اس کا قیام دلیا اور حرکت وسکون اچانک غیر متوقع اور اتفاقا نہیں ہوتا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کے تقاضوں اور اس کے مقرر کردہ طریقوں اور راستوں کے عین مطابق ہوتا ہے۔ چاند اور سورج کے نظام میں یہ حقیقت ہمیں سب سے زیادہ آسانی سے نظر آتی ہے اور ان کے مقابلہ میں دوسری اشیا میں اس حقیقت کو دیکھنے کیلئے ذرا دقت نظری سے کام لینا پڑتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہماری نگاہ اشیاء کے اختیارات کو دیکھنے کی عادی ہوگئی ہے اور ان کی قربت کی وجہ سے ہمارا ذہن ان کے تعلق میں مقید ہوگیا ہے۔ اس لئے

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ان کا قائم بالحق ہونا ہمارے تصور سے اوجھل ہو جاتا ہے جسے دیکھنے کے لئے ہمیں حق و فکر کی تحریکات لینا پڑتا ہے۔

اشیاء کو قائم بالحق دیکھنے والوں کی باطنی کیفیات

جو لوگ حق سے اشیاء کے قیام کو دیکھنے کی مشق اور عادت کو ایک ملکہ کی صورت میں اپنے اندر داخ ہیں۔ ان کے لئے یہ امر بدیہی ہو جاتا ہے۔ اور جب اس کے متعلق حق کا فرمان ان کے سامنے آتا ہے۔ تو اسے تسلیم کرنے میں کوئی وقت محسوس نہیں کرتے بلکہ وہ آیات تو انہیں اپنے باطن کی آواز محسوس ہوتی ہیں۔ انہیں تلاوت کرنے اور معانی پر غور کرنے میں بہت حظ حاصل ہوتا ہے اور یہ علم و بصیرت رکھنے اور جاننے والے ہی آیات کے اشارات میں تفصیلات کے ذخائر و خزائن کو محسوس کرتے ہیں۔ جب وہ ہر شے کو امرِ حق کے ساتھ قائم دیکھتے ہیں اور کوئی چیز انہیں مہمل، بے نتیجہ اور بغیر مقصد کے نظر نہیں آتی تو وہ ہر چیز سے ممکن فائدہ حاصل کرتے اور اس کے امکانی شر سے بچ نکلتے ہیں۔

امور و اشیاء کے اندر خیر و شر اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقدر ہیں اور وَالْقَدْرِ خَيْرِهٖ وَشَرِّهٖ مِنَ اللّٰهِ کی حقیقت پر ایمان ابتدا ہی میں ان کی جان کا جزو لاینفک بن چکا ہوتا ہے۔ اگر ہم تنزل آیات کا باعث صرف منکرو کافر لوگ ہی سمجھ لیں تو یہ ہماری سخت غلطی ہوگی۔ اہل ایمان کے لئے آیات کا تنزل ان زیادہ ضروری ہے کیونکہ ایمان سے اطمینان تک پہنچنے کے لئے یہ آیات ہی اس کا راستہ بناتی اور نظر و بصیرت کے اقدام کو آگے اٹھانے کی توفیق دلاتی ہیں۔ حق تعالیٰ کی طرف سے آیات و اشارات ہی ان کے ذوق تسکین کا سامان پیدا کرتے ہیں۔ دن رات کے اختلافات اور زمین و آسمان کی مخلوقات میں سے ہر شے ان کے لئے اللہ تعالیٰ کی آیت و نشانی کا حکم رکھتی ہے۔ جب وہ کسی چیز کو دیکھتے ہیں تو اس کے قیام کا تصور ان کی روح میں اللہ تعالیٰ کے حضور کو محسوس کرنے کی رہنمائی کرتا ہے اور وہ تقویٰ و پرہیزگاری کا سبق یاد کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔

تقویٰ کی حقیقت اور اس کے اثرات

تقویٰ اس کیفیت و حالت کا نام ہے جس میں انسان ہر امر کے خیر کو اخذ کرتا اور اس کے

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

دامن کو بچاتا ہے۔ اسے اس بات کا یقین کامل ہوتا ہے کہ اس کا ہر عمل اپنے اندر ایک خاص اثر و نتیجہ کا حامل ہے۔ اور اس کی کوئی حرکت ایسی نہیں جس سے اس کے باطن اور ماحول میں خاص تاثر پیدا نہ ہوتا ہو۔ اس صورت میں انسان اپنے ہر فعل پر چوکنا اور ہوشیار رہتا ہے۔ اور غفلت وجہالت کے حجابات اس سے دور رہتے ہیں۔ ہر عمل کی تاثیر اور ہر شے کی خاصیت اس کے احساس و ادراک اور نگاہوں کے سامنے رہتی ہے۔ وہ بے مقصد و بے نتیجہ ایک قدم بھی نہیں اٹھاتا اور ہر کام میں حق تعالیٰ کی رضا و خوشنودی، اس کی حکمت کا اقتضاء دنیا کی تفریحات و خواص کا لحاظ اس کے پیش نظر رہتا ہے۔ اس صورتِ حال میں ان لوگوں کے دل سے سفلی جذبات کا استعمال اور دنیا کی شدید محبت و الفت اٹھ جاتی ہے۔ جو لوگ نفسانی خواہشات کی اتباع، دنیا کے مال و متاع، اسباب و جائیداد، اولاد اور اعزہ و اقرباء ہر قسم کے متعلقات کی محبت بلا شدید انہماک میں مبتلا ہوں ان کی عقل معاد اور بصیرت محجوب ہو جاتی ہے۔ وہ لوگ تقویٰ کے مقتضیات کو بجالانے سے قاصر و نااہل ہو جاتے ہیں، اور اپنے اعمالِ بد کی وجہ سے ایسی صورتِ حال اختیار کر لیتے ہیں۔ جس کا لازمی نتیجہ عذاب آخرت کی صورت میں پیش آتا ہے۔ جس طرح دنیا کے اکثر مصائب اور بیماری وغیرہ ہماری اپنی غلطی و جہالت اور بے راہروی کا نتیجہ ہوتی ہیں۔ بالکل اسی اصول پر آخرت کا عذاب بھی ہمارے ہی ذاتی کسب و اعمال کا لازمی نتیجہ ہوتا ہے۔

آخرت میں اصلاحِ احوال

جس طریق پر دنیا میں تنبیہ حاصل کرنے اور دوا و پرہیز اختیار کرنے پر ہمارے وجود سے فاسد اخلاط خارج ہو کر صحت و شفا حاصل ہو جاتی ہے۔ اسی طرح جن لوگوں کے دل میں حق تعالیٰ اور اس کی آیات پر تھوڑا سا ایمان بھی موجود ہوتا ہے۔ مگر وہ دنیا کی محبت اور شدید انہماک کی وجہ سے بُرے اعمال سے پرہیز نہیں کرتے۔ آخرت میں دوزخ کے عذاب سے دوچار ہونے پر جب ان کے اعمال کے بُرے اثرات جل کر زائل ہو جاتے ہیں۔ تو ان پر حق تعالیٰ کی رحمت سے شفائے روح اور ادخالِ جنت کی توقع قائم ہے۔ لیکن وہ لوگ جو سرے سے ایمان ہی نہیں لاتے اور اہلِ حق کی عملی مخالفت کرتے ہیں۔ ان کے سامنے آخرت کا تصور نہ ہونے کی وجہ سے یہ صورتِ حال ہو جاتی ہے کہ ان کا دل دنیا کے مادی و سفلی تعلقات پر جم جاتا ہے۔ وہ دنیا ہی کے آرام و آسائش اور مال و متاع کو مقصودِ حیات بنا کر ان کے حصول میں گم اور ان پر راضی

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

و مطمئن ہو جاتے ہیں۔ ان کی یہ پستی بالکل حیوانیت و بہیمیت کی سطح پر ہوتی ہے۔ آخرت کے انوار کو دیدارِ رب العالمین کی تمنا رکھنے والوں کے نزدیک اُن کی حیثیت بالکل حشرات الارض کی سی ہوتی ہے مقصدِ حیات سوائے چند روزہ زندگی گزارنے کے اور کچھ نہیں ہوتا۔ ان کی ساری ہمت نفس کی فانی لذتوں کی تلاش میں سرگرم عمل رہتی ہے۔ انوار و دیدارِ حق کی اعلیٰ و ارفع اور دائمی لذت کا احساس ان کے نصیب نہیں ہوتا۔ یہ کیفیات کفر و انکار کی گرہ کو ان کے دل پر مضبوط کر دیتی ہیں اور اس کے نتیجہ میں ہی وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دوزخ کے مستحق بن جاتے ہیں۔ ایماندار کہلانے والے لوگوں میں سے دنیا کی پسندیدگی اور چسپیدگی کے متعلق جن کی عملی حالت کفار سے مشابہ ہوتی ہے درحقیقت ان کا ایمان پژمردہ اور بے حس و حرکت ہوتا ہے اور غفلت و جہالت نے اس پر پردے ڈال کر اس کی چمک اور روشنی کو مستور و محجوب کر رکھا ہوتا ہے۔ عملی طور پر ان کی حالتِ منافقت کے قریب ہوتی ہے۔ اور جب تک وہ اس حالت سے نکلنے کی علمی و عملی کوشش نہ کریں ایمان کے حقیقی مفاد کو حاصل نہیں کر سکتے۔

دنیا پر راضی و مطمئن ہونے والے لوگوں کی ہزاروں اقسام ہیں اور یہ سب اپنے اپنے متعلقہ امور میں انہماک و مشغولیت کی وجہ سے آخرت کے متعلق اپنے دل میں کسی قسم کی خلش اور طلب محسوس نہیں کرتے

دُنیا و آخرت کے معانی و مفہومات

جن مفہومات و معانی کو ہم دنیا و آخرت سے موسوم کرتے ہیں۔ ان میں کوئی زمانی و مکانی فرق نہیں ہے۔ بلکہ یہ باطن کی دو مختلف حالتوں کے نام ہیں۔ جس حالت میں ہمارے اندر ظلماتی کیفیات کی نمود ہوتی ہے۔ اسے دنیا کہتے ہیں اور جس حالت میں انوار و اسرار کا ظہور ہوتا ہے اسے آخرت سے موسوم کرتے ہیں۔ آخرت کو جو بعد کی چیز قرار دیتے ہیں تو اس کا یہ مطلب ہے کہ اس موقعہ پر وہ انوار سب کے ادراک و شعور کے قریب آ جائیں گے اور ان پر سے مادی حجابات دور ہو کر ان کی چمک کئی گنا زیادہ ہو جائے گی۔ اس دنیا میں انوارِ آخرت کے حامل ہی اجمالی طور پر انہیں محسوس کرتے اور لطف اندوز ہوتے ہیں۔ زندگی میں احوالِ آخرت کو جاننے اور انوار کو حاصل کرنے والے لوگ تو اہلِ دنیا کی ظلمات اور باطل کی حقیقت کو محسوس کر سکتے ہیں۔ مگر یہ ظلماتی کیفیات کے حامل لوگ نہ تو اپنی ان بے بنیاد کیفیات کو محسوس کر سکتے۔ اور ان کے ضرر و نقصان اور ضعف و بطلان سے واقف ہوتے ہیں اور نہ ہی

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کے اندر ہی سے کچھ دیکھ سکتے ہیں۔ اسی لئے اپنی مزعومہ لذات و خواہشات میں مشغول رہتے ہیں۔

انسانی باطن میں جنت و دوزخ کی تعمیر و تشکیل کے عمومی اسباب اور مؤثرات:

جنت و دوزخ کا مکمل شہود تو اپنے وقت پر ہی ہوگا۔ مگر ہمارے باطن میں ان کی بنیاد و تعمیر اسی زندگی میں ہر وقت اور ہر آن ہوتی رہتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا قانونِ مکافات ہر وقت جاری ساری ہے۔ وَاللّٰہُ سَرِیْعُ الْحِسَابِ کے بیان سے اسی حقیقت کا اظہار مقصود ہے کہ ہمارا ہر عمل اپنے وقوع میں آتے ہی دوزخ و جنت کے متعلق اپنا نتیجہ ہمارے دل میں مندرج کر دیتا ہے اور ہمارے ہر حرکت و سکون سے جس میں ہماری نیت کو دخل حاصل ہو۔ دوزخ و جنت کی تعمیر و تشکیل کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔

اہلِ جنت عالمِ آخرت میں جن انوار کو اپنے گرد و پیش روشن و تاباں پائیں گے۔ ان کی اصل اور بنیاد کو اسی دنیاوی زندگی سے اپنے ساتھ لے کر گئے ہوں گے۔ اس لئے وہاں پر جب اہلِ ظلمات ان سے اس نور کا سوال کریں گے تو ان کا یہی جواب ہوگا کہ واپس دنیا میں جاؤ اور وہاں سے ان انوار کو حاصل کر کے لاؤ کیونکہ ان کے پیدا ہونے کا وہی مقام ہے اور ہم وہیں سے انہیں حاصل کر کے ساتھ لائے ہیں۔ یہاں تو صرف ان انوار میں اضافہ اور ان کے مشاہدہ کے کشف میں زیادتی واقع ہوئی۔

اسی طرح اہلِ باطل وہاں جب اپنے برے اعمال اور ان کے نتائج کو اپنے سامنے اور اعمال نامہ میں مندرج دیکھیں گے تو انہیں مکمل طور پر محسوس ہو جائے گا کہ اپنے دوزخ کو بُرے اعمال کے ذریعہ ہم دنیا میں ہی اپنے ہاتھوں تعمیر کرتے رہے ہیں اور وہ زبانِ حال سے پکار کر علامہ اقبالؒ کے اس شعر کی تصدیق کریں گے۔

اہلِ دوزخ یہاں جو آتے ہیں اپنے انگار ساتھ لاتے ہیں

اہلِ باطل اور دنیا میں غرق لوگوں کا مغالطہ یہی ہے کہ وہ انہیں وہمی و ظنی باتیں قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ یہ اٹل اور قائم حقیقتیں ہیں اور اہلِ حال دیکھنے والوں کے لئے سورج کی طرح روشن و ظاہر نظر آتی ہیں۔ دنیاوی ظلمات پر رضا و اطمینان حاصل کرنے والے لوگ جس قسم کے خوشنما اور رنگ برنگ کے جال اور پھندوں میں گرفتار ہیں۔ اُن کی مکمل تفصیل تو ایک جگہ نہیں ہو سکتی۔ مگر چونکہ یہ وہ حقائق ہیں جن پر دوزخ کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ اس لئے اُن کا مجملاً بیان کر دینا ضروری ہے۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

قیامِ بالحق کی تشریح و وضاحت

لفظ حقائق نے ہمارے ذہن کو پھر قیامِ بالحق کے مفہوم کی طرف منتقل کر دیا ہے۔ جس طرح جنت حق ہے۔ اسی طرح دوزخ بھی حق ہے اور ان کے حق ہونے سے مراد یہی ہے کہ یہ اتفاقی طور پہ پیدا ہو گئے ہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی خاص مشیت اور ارادہ انہیں ظہور میں لایا ہے جن اعمال کے اثرات کو دوزخ کی تعمیر میں بطور بنیادی پتھر اور مصالحہ کے استعمال کیا گیا ہے۔ ان کی حقانیت اور تاثیری قوت میں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں ہے۔ جس طرح امور خیر کا قیام بالحق ہے اسی طرح بُرے اعمال کے تاثر کو بھی ے ہی پیدا فرمایا ہے۔ اسی لئے جو امور بُرے اعمال کو پیدا کرنے کے محرک ہیں ان سے بچانے کے لئے حق تعالیٰ آیات اور علماء و صلحا کی تلقینات نے مبالغہ کی حد تک کام لیا ہے۔

عرفِ عام اور لغت کے اعتبار سے دنیا قریب کی چیز کو کہتے ہیں۔ جس کا واسطہ موت کے واقع ہونے سے پہلے پہلے ہو اور لفظِ آخرت سے مابعد الموت کے احوال کو موسوم کرتے ہیں۔ ان معانی کی رو سے جن چیزوں کی لذت اور غرض و خواہش موت سے پہلے ہو وہ دنیاوی لذتیں ہیں اور یہ خیر و شر کے اعتبار سے ایک دوسرے سے ملی جلی اور غلط ملط ہیں اور ان کے خیر و شر میں تمیز کرنے کے لئے افراط و تفریط کے تاثرات کے علم کا جاننا ضروری ہے۔ ہمارے دنیا میں افراط و تفریط کا ہونا امرِ ناگزیر ہے اور جو لوگ اقتصادی مساوات کا تجربہ کر رہے ہیں وہ ایک غیر فطری امر کے درپے ہیں۔ جس میں کامیابی کا حاصل ہونا ناممکن ہے۔

رزق میں افراط و تفریط کا علاج

حکومتوں کی امکانی کوشش اور استیصال کا سدِ باب کرنے کے باوجود بھی معاشرے سے رزق کے متعلق افراط و تفریط کو کلیتاً رفع نہیں کیا جا سکتا۔ شریعتِ حقہ نے جو طریقِ کار اور دستور العمل ہمارے تجویز فرمایا ہے اگر اس کا صحیح علم حاصل کر کے عام لوگ اس پر خلوص و صدق کے ساتھ عمل پیرا ہوں تو سے بے اطمینانی کو دور کیا جا سکتا ہے۔ اور ہم ہر چیز سے آخرت کا مفاد حاصل کر سکتے ہیں۔ دنیاوی تفریط کی صورت میں ہمارے لئے صبر، قناعت، زہد، توکل، تسلیم و رضا اور سب سے بڑھ کر اخلاقی اقدار کی طرف بلایا گیا ہے۔ جنہیں اپنا لینے پر وہ تفریط بھی افراطِ نعما کی شکل اختیار کر لیتی ہے

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

صورت میں باطنی اور روحانی طور پر ہمیں جو سرور و اطمینان حاصل ہوتا ہے اور انوارِ آخرت کی جو فراوانی ہمیں وصول ہوتی ہے وہ دنیاوی رنج و کلفت کو ہمارے دل کے قریب نہیں آنے دیتی۔ دنیا کی تکلیفات پر غلبہ حاصل کرنے کے لئے استغناء سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں ہے۔ انارکزم اور بے اطمینانی پیدا کرنے سے یہ مسئلہ کسی طرح حل نہیں ہو سکتا۔

خدا کے پاک بندوں کو حکومت میں غلامی میں
زرہ محفوظ رکھتی ہے اگر کوئی تو استغناء

(اقبالؒ)

افراطِ نعمت کی صورت میں وہی شریعت حقہ ہمارے لئے شکر و جود و سخا، صدقہ و خیرات، ایثار و زکوٰۃ، حسنِ معاملہ، استیصال کی روک تھام، خلقت پر شفقت و عطا، حلم و تواضع، سیر چشمی اور دل کی نرمی، کبر و غرور اور عجب سے پرہیز، حسد و بغض اور کینہ و بخل سے کنارہ کشی، حرص و شہوت میں اعتدال، غصہ کا ضبط کرنا اور لوگوں کی غلطیوں کو احسن طریق پر معاف کرنے کے اوصاف حمیدہ کی تعلیم فرماتی ہے۔ ایمان و اسلام کو قبول کرنے کے بعد انسان اپنی ظاہری و مادی حالت کو تبدیل کئے بغیر اسی قدم پر خیرات و حسنات کی طرف دوڑ لگانے کے قابل ہو جاتا ہے اور مال و دولت کی کمی بیشی اس کے مانع نہیں آسکتی۔ ہر حالت میں جس بات کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ، رسالت اور آخرت پر ایمان کے ساتھ ہر کام میں نیت کا خدا کے لئے خالص ہونا ضروری ہے اور اس کے احکام کی ادائیگی میں فرض کا احساس ہونا چاہیئے۔ جب ہم اللہ تعالیٰ کی رضا کو اپنی نیت و اعمال کی بنیاد قرار دے دیں گے تو ہمارا ہر عمل و حرکت و سکون انوارِ آخرت کے حصول کا ذریعہ بن جائے گا۔ دنیا کی عسرت و امارت اور مختلف حالات و واقعات ہمیں اللہ تعالیٰ کے قرب و لقاء کی قابلیت حاصل کرنے میں مانع نہیں آئیں گے اور اس طرح ہم زندگی کے حقیقی مقصود کو اپنا سکیں گے۔

چیست دنیا از خدا غافل بودن
نے قماش و نقرہ و فرزند و زن

(مولانا رومؒ)

نہ مرد آنکس کہ دنیا دوست دارد
اگر دارد برائے دوست دارد

(مولانا جامیؒ)

اگر انسان دنیا کی نعماء و لذات کے حصول کے ساتھ اپنے رب کی یاد اور آخرت کی تیاری کو

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کو بھی مدّ نظر رکھے اور محض دنیا کمانے کو ہی اپنا مقصدِ حیات نہ بنائے تو یہ امر اس کی سعادت و خوش قسمتی کی دلیل ہے۔

دُنیا سے گہرے تعلق اور چسپیدگی کی مثال

جو انسان اللہ تعالیٰ کی یاد سے مطلقاً غافل اور اس کی لقاء کی طلب سے بالکل بے بہرہ ہو کر محض دنیا پر ہی راضی و مطمئن ہو جائے اس کی بدبختی و شقاوت کی دلیل ہے۔ موت کے بعد جب اس دنیا کی کوئی شے اس کے ساتھ نہیں جا سکتی تو دنیا سے اس کے گہرے تعلق اور چسپیدگی کی وجہ سے اس کی روح کی یہ حالت ہوتی ہے۔ جیسے کسی شے کو مضبوط زنجیروں کے ساتھ باندھ دیا گیا ہو اور دوسری طرف کوئی غائبانہ کشش اسے اس قوت و شدت کے ساتھ اپنی طرف کھینچے جس کے مقابلہ کی کوئی تاب و طاقت نہ ہو۔ ایسی حالت میں وہ جکڑی ہوئی شے جس طرح تکلیف برداشت کرتی اور ٹکڑے ٹکڑے ہو کر اس مرکزِ کشش کی طرف جاتی ہے۔ بعینہٖ وہ انسان جو دنیا پر راضی و مطمئن ہو چکا ہو موت کے وقت اپنے رب اور آخرت کی طرف جاتا ہے۔ اس کی تکلیف اور عذاب کو ہم پورے طور پر تصور میں نہیں لا سکتے۔ کیونکہ وہ چیز حالی مشاہدہ سے تعلق رکھتی ہے اور موت سے پہلے کسی شخص کو اس کا عملی تجربہ حاصل نہیں ہو سکتا۔ ان کے مقابلہ میں وہ لوگ جو دنیا سے دل برداشتہ اور آخرت کی طرف جذب ہوتے ہیں۔ جب اس دارِ فانی ... سے رخصت ہوتے ہیں تو بالکل شاداں و فرحاں اور اس حالت میں ہوتے ہیں۔ جیسے ایک قیدی جیل سے چھوٹ کر اپنے دوستوں، عزیز و اقارب اور وطن مالوف کی طرف آتا ہے۔ اس کی روح پیدل چلنے کی بجائے اڑتی ہوئی اپنے مقامِ مسعود کی طرف روانہ ہوتی ہے اور اپنے رب کی جوارِ رحمت میں قرار پا کر سرور سرمدی میں ڈوب جاتی ہے۔ اسے اس کا مطلوب و مقصود حاصل ہو جاتا ہے اور یہ اس کی جنت و لقائے رب العالمین ہوتی ہے یہ محض دنیا سے دل اٹھا لینے کا نتیجہ ہے

جس قدر عبادات، نیک اعمال و خیرات اور جد و جہد کا حکم ہمیں شریعت و طریقت میں دیا گیا ہے اس سب سے مراد و مقصود صرف یہ امر ہے کہ ہمارا دل محض دنیا پر راضی و مطمئن نہ ہونے پائے اور اس کے اندر اپنے رب کی رضا و لقا کی طلب و آرزو زیادہ سے زیادہ پیدا ہو جائے۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

جو شخص اپنے اعمال و عبادات سے یہ مقصد حاصل نہیں کر سکتا۔ اس کی ساری محنت و کوشش ضائع و اکارت اور بے نتیجہ ہے۔ اور آخرت میں اسے کسی اجر و ثواب کی توقع نہیں رکھنی چاہئیے۔

نیک و بد اعمال کے تاثرات

ہم نے پہلے وضاحت کی ہے کہ اجر و ثواب اور گناہ و عقاب کوئی مہمل اور بے معنی چیزیں نہیں ہیں۔ اور نہ ان کا ظہور اتفاقی طور پر ہوتا ہے۔ بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی مشیت سے امر حق کے ساتھ قائم ہیں اور ایک عارف ان کی سائنٹیفک حیثیت کی تصدیق کر سکتا ہے۔ ہر نیک عمل و عبادت یا برائی و شرارت پر ان کا ظہور دل میں واقع ہو جاتا ہے۔ دنیا کی زندگی میں روح کے یہ تاثرات ہمارے اعمال کی بنا پر تبدیل اور کم و بیش ہوتے رہتے ہیں۔ نیک اعمال بُرے اعمال کے تاثرات کو مٹاتے ہیں اور بُرے اعمال کے اعادہ و اصرار سے نیکی کے تاثرات مٹ جاتے ہیں۔ اور زندگی کی ساری مدت میں انسان کے اندر یہ کشمکش جاری رہتی ہے۔ موت کے وقت جس قسم کی حالت ہماری روح پر طاری ہوتی ہے اسی کے مطابق ہماری آخرت کی نمود ہو جاتی ہے اس وقت اگر ہم دنیا کی محبت میں سرشار ہوں۔ تو ہمیں اسے چھوڑنے کا عذاب در پیش آجاتا ہے۔ اور اگر ہماری روح کا رُخ اور رشتہ آخرت اور خدا کے ساتھ بندھا ہوتا ہے۔ تو ہم پر اس طرف کو جانا خوشی و شادمانی کا باعث بن جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پاک نے دونوں صورتوں کی وضاحت پورے طور پر ہمارے سامنے کر دی ہے اور ہر حالت کے نتیجہ کو امر حق کے ساتھ قرار دے کر استقرار و استحکام پر مہر تصدیق ثبت فرما دی ہے۔

ہماری دنیاوی زندگی میں بصیرت کے تناسب پر ہی ہماری آخرت کے انوار و روشنی کو قائم کیا گیا ہے مَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖۤ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى ؕ کا فرمان اسی بات کی شہادت ہے کہ دنیا کی محبت نے جن لوگوں کو اس جگہ دل کا اندھا بنا رکھا ہے اور موت کے وقوع تک وہ اپنی اسی حالت پر قائم رہتے ہیں۔ انہیں آخرت میں بھی کسی بصیرت و روشنی کی توقع نہیں رکھنی چاہئیے۔ انوارِ آخرت سے غافل اور دنیا میں مشغول کرنے کے لئے جن امور نے ہمیں اپنے احاطہ میں لے رکھا ہے ان سب کے مجموعہ کا اجمالی بیان حضور پاک کی اس حدیث میں نظر آرہا ہے کہ حُبُّ الدُّنْيَا رَأْسُ كُلِّ خَطِيْئَةٍ یعنی دنیا کی محبت ہی تمام برائیوں کی جڑ ہے۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کسی شے کی شدید محبت ہی نہیں اس کے اندر شاغل اور اس کے غیر سے غافل کرتی ہے اور یہ انسانی وجود کی حقیقت ہے کہ اس کے اندر دو دل نہیں ہیں۔ اس کا دل ایک وقت میں ایک ہی امر میں مشغول ہوتا ہے اور ایک ہی کام کرتا ہے۔ اگر ہمارا دل دنیا اور اس کے متعلقات کی محبت سے بھرپور ہو کر اس میں مشغول ہوگا۔ تو خدا کی محبت اس میں نہیں سما سکے گی۔ اور اگر آخرت و خدا کی محبت سے معمور ہوگا۔ تو اس میں دنیا کی شدید محبت کے لئے جگہ نہیں ہوگی۔ دنیا سے شدید محبت کرنے والے جب ایک دفعہ اس کی الفت کو اپنے دل میں بسا لیتے ہیں اور ان کی جان کو اس میں راحت و آرام اور اطمینان حاصل ہونے لگتا ہے۔ تو وہ اس کے مشاغل وانہماک کو وسیع سے وسیع تر کرتے چلے جاتے ہیں اور اپنے حوائج و ضروریات میں تکلفات پیدا کرکے اپنے ہاتھوں ہی اپنی روح کے گرد ایسا جال بُن لیتے ہیں۔ جس سے رہائی حاصل کرنا خود ان کے امکان سے باہر ہو جاتا ہے۔ اس وقت تو انہیں یہی باتیں سوجھتی ہیں۔ کہ ہر ممکن طریق سے زیادہ سے زیادہ دولت جمع کرکے ہر قسم کے عیش کی داد دینے کے لئے سامان مہیا کیا جائے۔

دُنیا پر مرمٹنے والوں کے اَقسام،

یہاں انسانی نفسیات کے اختلاف پر ان کی ہزاروں قسمیں ابھرآتی ہیں۔ اور ہر شخص اپنی نفسانی خواہشات پر بھاگتا ہوا اپنے اپنے افعال و کردار اور باطنی رجحانات کا مظاہرہ کرنے لگتا ہے۔ جن لوگوں میں استحصالی ذہنیت زیادہ ہوتی ہے۔ وہ ہر جائز و ناجائز طریقہ سے دولت کما کر اس کے اظہار پر تفاخر کو اپنا مقصد حیات بنا لیتے ہیں۔ بڑی عالیشان کوٹھیاں بناتے۔ اور اس میں ساز و سامان کو جمع کرتے ہیں۔ خدم و حشم، موٹر کاروں اور پرتکلف دعوتوں سے اپنے تفاخر کی تسکین کرتے ہیں یا اس قسم کے لوگ بڑی بڑی زمینداریوں پر قبضہ کرکے اپنے لئے سامان جاہ اور کبر و غرور کے تسکین پیدا کرتے ہیں۔

غریب کسانوں کو دبا نا ان سے خدمت و بیگار لینا۔ اور انہیں اپنے سامنے حقیر و ذلیل رکھنا ان کا شیوہ ہو جاتا ہے۔ وہ لوگ اپنی وجودی و دماغی قوتوں کے اظہار کے لئے بڑائی اور قانون شکنی کے راستے اختیار کرتے ہیں۔ چوری ڈاکہ، قتل و غارت اور فتنہ و فساد ان کے فخر و مباہات کا ذریعہ بنتے

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

یہی چیزیں ان کے نفس کی لذت بن جاتی ہیں اور انہی پر راضی رہ کر وہ تمام عمر گزار دیتے ہیں۔ جن لوگوں کے باطن میں بخل و دناءت ہوتی ہے۔ وہ مال کو خرچ کرنے کی بجائے اسے زیادہ سے زیادہ جمع کرنے اور لوگوں سے اس کے وصول کرنے اور ان کا حق چھیننے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے۔ ان کے دل کی خوشی واطمینان دولت کے اپنے پاس موجود ہونے میں ہوتا ہے اور صرف یہی بات انہیں حصولِ آخرت سے روکے رکھتی ہے۔

بعض لوگوں پر عورتوں کی محبت اور شہوت رانی کا بھوت سوار ہوتا ہے اور وہ تمام عمر اس لذت کے حصول میں سرگرداں رہتے ہیں۔ اس سے سیر ہونا اور دل کا فارغ کرنا ان کے نصیب نہیں ہوتا۔ انہی لوگوں کے قریب وہ لوگ ہیں جو اولاد اور اہل واقربا کی محبت اور ان پر تفاخر کو آخرت کی طرف رجوع کرنے میں رکاوٹ کا ذریعہ بنا لیتے ہیں۔ بعض لوگ اپنی محبت کے جذبہ کو خسیس چیزوں اور غلیظ جانوروں میں محدود کر لیتے ہیں اور ان کی طبعی پستی انہی باتوں پر راضی و مطمئن ہو جاتی ہے۔ انسان جب پستی کی طرف گرنے لگتا ہے۔ تو اس کی بھی کوئی انتہا نہیں ہے۔ اور اس کی مثال میں ہم دیکھتے ہیں کہ بعض لوگ کس طرح بھنگ، چرس، افیون، شراب اور اس قسم کی ذلیل منشی اشیاء کے رسیا بن جاتے ہیں اور ان کی لذت ہی کو اپنا مقصدِ حیات بنا کر توبہ وانابت سے محروم رہتے ہیں۔

ان سے بھی نچلے درجہ پر بعض لوگ چوری و گداگری اور حقیر اخلاقی قماش کی چیزوں کو اپنا پیشہ بنا لیتے ہیں اور انہی پر مطمئن ہو کر اپنی عمر کی متاع عزیز کو برباد کر دیتے ہیں۔ انسانوں کے دنیا پر راضی و مطمئن ہونے کے لئے کوئی خاص حالت مخصوص نہیں ہے۔ یہ امر ان کی طبائع کی افتاد سے وابستہ ہے کہ وہ دنیا کے کس گڑھے میں گر کر اپنے آپ کو محبوس ومقید کر لیتے ہیں۔

بعض لوگ چند دو چار کتابیں پڑھ کر تھوڑا بہت دینی علم حاصل کر لیتے ہیں۔ وعظ کے بھیس میں گداگری کو اپنا پیشہ بنا لیتے ہیں اور اس طرح اپنے آپ کو اور دوسروں کو دھوکا دیتے رہتے ہیں۔ بھلا جس کے دل کا مقصود ہی حصولِ زر ہو اس کا وعظ و نصیحت جس میں خلوص کی ایک رمق نہیں ہوتی کسی کو کیا فائدہ پہنچا سکتا ہے۔

اہلِ علم کے مغالطات

جن لوگوں میں کچھ حقیقی علمی ذوق ہوتا ہے۔ مگر وہ خدا اور رسول اور آخرت سے بیگانہ ہوتے ہیں۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ان کے مغالطات بھی عجیب و غریب ہیں۔ مجرد علم خواہ کسی شے کا ہو اشرف واعلیٰ اور قابل تعریف چیز ہے کیونکہ وہ روح کی غذا اور اللہ تعالیٰ کی صفات سے ایک صفت ہے۔ جس کی طرف برائی کا منسوب ہونا ناممکن امر ہے۔

علم کے متعلق ہم جس چیز کو مغالطہ اور برائی کہتے ہیں۔ وہ ہماری نسبت واعتبار سے اضافی چیز ہے۔ اور جو علم ہمارے فائدہ کے لئے نہایت ضروری لابدی ہو۔ اسے چھوڑ کر غیر ضروری کے پیچھے پڑنے کو ہم برائی اور اپنی ذات پر ظلم قرار دے سکتے ہیں۔ جس علم سے انسان خدا کی ذات وصفات اور اس کی آیات کی طرف رہنمائی حاصل کرے وہ اپنے حقیقی معنوں میں مفید اور نہایت ضروری ہے۔ اور اہل ایمان کے لئے اکثر علوم میں اس مفاد کا حاصل کرنا ممکن وقابل عمل ہے۔ مگر جو لوگ ایمان سے عاری اور اس کے حصول کی طلب سے بے بہرہ و بیگانہ ہیں ان کے لئے اکثر علوم میں اشتغال وانہماک ضلالت و گمراہی اور آخرت سے غفلت واعراض کا باعث بنتا ہے۔

علم سے مراد اشیاء و امور کے خواص و تقدیرات اور ان کے اندر علل واسباب کے سلسلوں کا جاننا ہے۔ جس شخص کے دل کے اندر پہلے سے خدا پر ایمان موجود نہ ہو یا اس کی طرف سے کمل غفلت میں ہو تو اس کی نظر قریبی اسباب تک ہی محدود رہ جاتی ہے اور یہ رکاوٹ اسے مسبب الاسباب تک رسائی حاصل ہونے نہیں دیتی۔ نظر کے ضعف و تنگی کی وجہ سے اس کی مثال بالکل اس چیونٹی کی سی ہوتی ہے۔ جو کاغذ پر موجود ہو اور دیکھ رہی ہو کہ قلم کی سیاہی سے کاغذ سیاہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ تو وہ یہی اعتقاد کرے گی کہ لکھنا قلم ہی کا فعل ہے۔

اس کی نظر قلم سے انگلیوں پر اور ان سے ہاتھ پر اور ہاتھ سے ارادے پر اور ارادے سے کاتب پر جو ارادہ کر رہا ہے اور کاتب سے اس کی قدرت اور ہاتھ کے بنانے والے پر ہرگز ترقی نہ کرے گی۔ اور اکثر انسانوں کی حالت اس کے قریب ہے۔ ابتدائے قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے ہدایت کو ایمان بالغیب سے مشروط فرمایا ہے۔ اور اس کی وجہ یہی ہمارا مذکورہ بیان ہے۔ اس لئے سب سے اول اور ضروری علم جسے حاصل کرنا چاہیئے وہ دینی ہے جو ہمیں ایمان اور اس کی تفصیل سے واقف کر کے اسے ہمارے دل میں اتارنے کی کوشش کرے اور اس کے بعد ہی دوسرے علوم کو مفاد آخرت کے لحاظ سے تدریجاً حاصل کرنا چاہیئے۔ مگر لوگوں کا یہ حال ہے کہ اسی اولین ضروری

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

علم کو پس پشت ڈال کر دوسرے بغیر ضروری علوم کی طرف دوڑے چلے جاتے ہیں جو انہیں اپنی مضبوط گرفت میں لے کر ساری زندگی کو اپنے لئے وقف کرا لیتے ہیں۔ اور انسان انہی پر راضی و مطمئن ہو کر انوارِ آخرت سے بالکل محروم رہ جاتے ہیں۔ اصل حقیقت میں ایمان کے بعد بھی جو علم سب سے زیادہ ضروری ہے۔ وہ ایمان ہی کو تقویت و فروغ دینے اور درجہ کمال تک پہنچانے کا علم ہے اور وہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی آیاتِ محکم اور نشانیوں کا دیکھنا و جاننا۔ اس کی سنتِ جاریہ اور امور و اشیاء میں تقدیراتِ معینہ کی معرفت حاصل کرنا۔ اور تیسرے درجہ پر ان احکام اور امر و نہی کو جاننا جو کتاب و سنت کے مقتضا کو پورا کرنے اور اپنے عامل کے اندر ایسے اثرات پیدا کرنے کے حامل ہوں جو انوارِ آخرت اور اسرارِ قرب و معرفت کی نمود کا باعث بن سکیں اور حضور پاک کی حدیث اس کو علمِ حقیقی قرار دیتی ہے

انما العلم آیۃ محکمۃ ـــــ قائمۃ و فریضۃ عادلۃ

ان علوم سے جن کا نفع انسان امرِ آخرت میں حاصل نہ کر سکے۔ پناہ مانگنا حضور پاک کی سنت میں داخل ہے۔ اعوذ باللہ من علم لا ینفع ۔

دنیا سے آخرت کا مفاد

آخرت کا مفاد دنیا سے جدا نہیں ہے۔ اور ہماری اکثر دنیاوی حالتیں ہی اس کی ممد و معاون اور اس کے حصول کی محرک بنتی ہیں۔ جو علوم معاشرہ میں خوشحالی و فارغ البالی پیدا کر کے اس کے ذہن و قویٰ میں توانائی کا باعث بنتے ہیں۔ وہ سب امرِ آخرت میں امداد و اعانت کا ذریعہ بن سکتے ہیں۔ کیونکہ اقتصادی طور پر بدحال اور اعضاء و قویٰ میں اضمحال کا شکار انسان امورِ آخرت کے متعلق جد و جہد کرنے کا موقع و فرصت نہیں پاتا ہے۔ اشیاء و نعما اور علوم و فنون میں اصل سوال تو اس بات کا ہے کہ ہمارا دل کس بات پر مطمئن ہے۔ اگر ہم ان سے قوت حاصل کر کے اسے حصولِ آخرت میں لگاتے ہیں۔ تو یہ سب مستحق اور قابلِ حصول ہیں اور اگر یہ خود اور ان سے حاصل شدہ قوت ہمیں امرِ آخرت سے دور یا محجور کرنے کا کردار ادا کر رہے ہیں تو ہمارے لئے یہ سب منحوس اور قابلِ نفرین ہیں۔ کیونکہ ان کے ذریعے ہمارے دل کا اطمینان باطل سے وابستہ ہو گیا ہے۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

دل کا حقیقی اطمینان اور جنت کا مقام

جو لوگ محض دنیاوی علوم و فنون اور نماؤ اشیا پر راضی و مطمئن ہو گئے ہیں۔ اور ان کے ذریعہ آخرت کا مفاد حاصل کرنے سے بیگانہ ہیں۔ ان کا رضا و اطمینان بالکل غیر فطری اور روحانی تقاضوں کے خلاف ہے۔ اسی لیے اس کا نتیجہ عذاب و عقاب سے منسوب کیا گیا ہے۔ ارواح و قلوب کا حقیقی اطمینان اللہ تعالیٰ کے ذکر و عبادت اور گیان و دھیان میں پنہاں ہے۔ جن لوگوں کے دلوں میں تھوڑی سی بصیرت اور دور اندیشی کی خلش موجود ہے وہ آج اپنی لادینی تہذیب کی انتہا وارتقا تک پہنچ کر اطمینان سے خالی و عاری نظر آرہے ہیں اور مشرق و مغرب کی متمدن کہلانے والی اقوام کے مراکز میں ان کے علماء و حکما کے دلوں سے بے اطمینانی کی لہریں اٹھ اٹھ کر اہل دنیا کو عبرت کے سبق کا پیغام پہنچا رہی ہیں۔

روح کا حقیقی اطمینان و آرام تو صرف انہی لوگوں کو حاصل ہے جن کے دل ایمان و ایقان سے معمور ہیں اور ان کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے وہ نیک اعمال کو دل کی خوشنودی و رضا اور حسن نیت کے ساتھ بجا لاتے ہیں۔ ان کے نیک اعمال کے نتیجہ میں ان کا رب انہیں مزید ایمان کی نعمت عطا فرماتا ہے اور وہ تدریجی ترقی کرتے اور ایمان و عمل کے اس لزوم سے فائدہ حاصل کرتے ہوئے انتہائے ایمان و ایقان اور اطمینان قلب تک پہنچ جاتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں اسے تکمیل معرفت اور محبت حق بھی کہہ سکتے ہیں۔

اس مقام پر انہیں نفس مطمئنہ کے خطاب جاں نواز سے پکارا جاتا ہے۔ اور اپنے رب کے قرب و معیت کے وسیع و غیر محدود دامن میں داخلہ کی اجازت عطا فرمائی جاتی ہے۔ اسی بندہ کیلئے وہ مقام عبودیت کی انتہا ہوتی ہے۔ اور اسی مقام کے تحت اس کے رب کی جنت بچھائی گئی ہے جس سے بڑھ کر انسان کو رضا و خوشنودی عطا کرنے والا کوئی اور مقام نہیں ہے کیونکہ اس جگہ کھڑے ہو کر وہ اپنے رب کے دیدار و لقا کا شرف حاصل کر سکتا ہے۔ ایک صحرائی انسان کو مادی دنیا میں جنت کے تصور کے لئے شاداب باغات کے نیچے بہتی ہوئی نہروں سے زیادہ قریب و قابل فہم مثال نہیں ہو سکتی۔ ورنہ جنت اور اس کی نعما کی حقیقت تو اسے اپنے دل میں موجود پانے والے لوگ ہی جان سکتے ہیں۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

اس کے اندر آنکھوں کی جو ٹھنڈک اور دل کا سرور حاصل ہوتا ہے۔ اس کے مفہوم کو اپنانے میں دنیا کی لذآت میں سے کوئی مثال شایانِ شان نہیں ہے۔ وہاں جانے پر انسان اللہ تعالیٰ کی حقیقی معرفت و توحید سے واقف ہوگا اور اس کی تقدیس و پاکی محسوس کر کے اس کا دل خود بخود تسبیح و تہلیل کے ترانے گانے لگے گا۔ اس حالت تجرید و تفرید میں ردرج کو اللہ تعالیٰ کی معرفت کا جو ادراک ہوگا وہ اس دنیا میں وجودی حجابات کے ہوتے ہوئے نہایت مشکل اور قریب المحال ہے۔ ایمان کے بعد اعمال صالحہ کے ذریعہ پھر ایمان کی طرف ہدایت دینے سے صاف ظاہر ہے کہ ایمان کے درجات و مراتب بے انتہا ہیں اور قرآن پاک کی اصطلاح میں معرفت کے مدارج کو ایمان کے ارتقا ہی سے موسوم کیا گیا ہے۔

ایمان وایقان کے درجات و مراتب اور نیک اعمال سے ان کا لزوم

ایمان کی ابتدا دل کی نرمی اور وسعت سے ہے اور اس کی انتہا جملہ حقائق اشیا و امور اور اللہ تعالیٰ کے افعال و صفات اور ذات کی معرفت کو اپنے اندر سمو لینے کا نام ہے۔ ان دونوں کیفیتوں میں ہزارہا فرق مراتب ہیں اور وہ ہمارے نیک اعمال ہی ہیں۔ جو ابتدائی درجہ سے انتہائی بام عروج تک پہنچنے میں سیڑھی کا کام دیتے ہیں۔ ایمان ہی نیک اعمال کی بنیاد ہے۔ اور نیک اعمال ہی سے اسے فروغ و ارتقا کا موقعہ ملتا ہے۔ اگر یہ بنیاد ہمارے اندر موجود نہ ہو تو ہم کسی طریقہ پر ہدایت کو اپنا نہیں سکتے۔ اور ایمان کے بعد ہی نیک اعمال اپنا کردار ادا کر کے حقیقی تاثر پیدا کر سکتے ہیں۔ اور ان سے مقصد بھی ایمان کا چمکانا اور اس کے انوار کا فزوں تر کرنا ہے۔

قرآن پاک میں عملوا الصلحت کا مفہوم نہایت وسیع اور جملہ خیرات پر محیط و ہمہ گیر ہے۔ جو لوگ اس کے معانی کو عبادات اور ورد و وظائف اور چند مخصوص باتوں میں محدود کرتے ہیں۔ وہ اس کی اہمیت سے پورے طور پر واقف نہیں ہیں۔ نیکی اور عمل صالح کا تعلق دراصل مخلوقات سے معاملات پر وابستہ ہے۔ اور اس کے حقیقی مفہوم میں ذکر و عبادت کے ساتھ ہر مخلوق سے حسن سلوک، خیرخواہی، حلم و تواضع، نرمی و فراخدلی، رحم و شفقت، ایثار و محبت، خیرات میں پیش قدمی حسن خلق، عفو و درگذر، عدل و انصاف، شریعت کے اوامر و نواہی پر عمل ہر قسم کے اچھے اخلاق کا مظاہرہ اور ضروری علوم کا حاصل کرنا ہے۔ حضور پاک کے اسوۂ حسنہ کی اتباع اور بزرگان دین کی

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کی فرماں برداری بھی اسی زمرہ میں شامل ہے۔ نیک اعمال کی جدوجہد سے انسان کے باطن میں جو انوار ایمان کی روشنی پیدا ہوتی ہے۔ وہ صرف ذکرو فکر اور وظائف سے کسی طرح پیدا نہیں ہوسکتی۔ اس لئے قرآن پاک کی مدد سے ایمان کے بعد جس قدر اہمیت اعمال صالحہ کو ہے۔ اور کسی چیز کو نہیں دی گئی ہے۔ عبادات واذکار کی علیحدہ حیثیت ہے۔ ان کا فائدہ اپنی جگہ مسلم ثابت ہے اور ان کے چھوڑ دینے پر کسی آدمی کا نیکی کا دعویٰ کرنا محض کذب وافترا ہے وہی نیک اعمال کی بنیاد و جڑ ہیں اور یہ سب چیزیں جو اوپر مذکور ہیں دراصل درخت ایمان کے مختلف اجزا ہیں۔ جس طرح جڑ کے بغیر درخت کا زندگی قائم نہیں رہ سکتی اسی طرح شاخیں اور پتے جنہیں نیک اعمال کی حیثیت حاصل ہے اس درخت ایمان کے قیام وبقا اور سرسبزی و شادابی کا ذریعہ و باعث قرار دیئے جا سکتے ہیں۔ جڑ کا کام تو درخت کو اجزائے خوراک اور پانی کا پہنچانا ہے۔ مگر پھول اور پھل تو آخیری شاخوں پر ہی نمودار ہوتے ہیں۔ اس کا آخری ثمرہ وہی اس کا تخم ہے۔ جس سے اسی قسم کے پودے دوسرے دلوں میں بھی پیدا کئے جا سکتے ہیں۔ ابتدائی تخم ہی آخری پھل کی شکل میں نمودار ہو کر اپنی افزائش اور تکمیل کو حاصل کرتا ہے

جس طرح درخت کی جڑوں اور ڈال و پات کی حیات وبقا کا مدار ان کے ایک دوسرے سے متحد اور لازم و ملزوم ہونے پر ہے اسی طرح ایمان اور نیک اعمال کا ایک دوسرے سے لزوم ہے۔ اگر کوئی انہیں ایک دوسرے سے جدا کرنے کی کوشش کرے تو یہ خلاف فطرت جدوجہد ہے اور وہ ان کے کسی حصہ کو بھی قائم و برقرار نہیں رکھ سکتا۔

جن لوگوں نے ایمان وعبادات اور نیک اعمال کو ایک دوسرے سے جدا کر دیا ہے۔ ان کی انفرادی واجتماعی زندگی کی ابتری و عدم استحکام کو ہم نظری مشاہدہ اور تاریخی حقائق سے مسلمانوں میں ہی واضح طور پر دیکھ سکتے ہیں۔

جنت میں مومنین کے احوال

مومنین جس طرح دنیا میں ہر وقت ایک دوسرے کے متعلق خیر سگالی کے جذبات سے معمور رہتے ہیں اور باہم السلام علیکم کے ذریعہ دعا سلامتی کا تحفہ لیتے اور دیتے رہتے ہیں اسی طرح جنت میں بھی اپنے انوار کی مشابہت کی وجہ سے ان کا ملاپ آپس میں محبت اور سلامتی کا پیغام

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ہوگا۔ ان کے دلوں میں کسی قسم کی کدورت اور بداخلاقی کا نشان باقی نہیں رہے گا۔ اس وقت جب توحید کی معرفت پورے طور پر جلوہ گر ہوگی اور اسباب و تعینات کے پردے نگاہوں سے دور ہو کر خیرات و حسنات کے سارے امور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے ہوئے ہی نظر آئیں گے۔ تو خود بخود ان کی زبانوں پر الحمدللہ رب العالمین کا ذکر و نعرہ پیدا ہو جائے گا۔

قرآن پاک کی ابتدا اور اہل جنت کے آخری دعویٰ کا ایک ہی جملہ میں ادا ہونا کوئی اتفاقی بات نہیں ہے۔ بلکہ اس کے اندر اللہ تعالیٰ کی حکمت و ربوبیت اور انسانی تخلیق کے منشا و ارتقا کا راز مضمر ہے۔ اوّل و آخر ہر جگہ اللہ تعالیٰ کی حمد کا اظہار ہے۔ ابتدا میں ہمیں جس امر کی تعلیم دی گئی ہے۔ انتہا میں ہم مشاہدہ کے بعد اسی کی تصدیق کرتے ہیں کہ ہمارے اندر اس کی صفات کو دیکھنے اور اپنانے کی صلاحیت پیدا ہو جائے۔

اس کی صفات کو دیکھنے کا وسیلہ اس کی آیات پر غور و فکر اور اس کے شعائر کی تعظیم کرنا ہے۔ شعائر کی تعظیم کرنا اس لئے بھی ضروری ہے کہ اس عمل سے ہی ہمارے دل میں تقویٰ کی نمود ہو سکتی ہے — ومن یعظم شعائر اللہ فانھا من تقوی القلوب ۰ اور یہی صفت ہمارے اندر اعمال خیر کی محرک اور ان کی تکمیل کا باعث بنتی ہے۔ یہ سارا سلسلہ ایسا نہیں ہے کہ محض اس کی خواہش کرنے سے ہی ہم اس کے نتیجہ کو حاصل کر سکیں یا عمل کے پہلے روز ہی ان تجلیات کو دیکھنے لگیں۔ جو نسبت توحید کی تکمیل پر نظر آ سکتی ہیں۔

خیر و شر کے نتائج میں تدریج

خیر و شر کے نتائج کے دکھلانے میں اللہ تعالیٰ کی سنت جاریہ ایک ہی طریق پر قائم ہے اور اس کا امتیازی خاصہ یہ ہے کہ اس میں تدریج ہے۔ تعجیل نہیں ہے جس طرح اہل خیر کو ان کی انتہا تک پہنچانے کے لئے اس کی تعلیم صبر و استقامت کی ہے اسی طرح اہل شر کو مکمل مہلت اور ڈھیل دی جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان سنستدرجھم من حیث لا یعلمون و اُملی لھم ان کیدی متین حق ہے بعض لوگوں کی خواہش کے مطابق اگر وہ اعمال کا آخری نتیجہ فوراً ظاہر فرما دے تو برے لوگوں کا بیخ و بن سے اکھڑ جانا اور فوراً عذاب میں مبتلا ہو جانا ایک لازمی امر ہو گا۔۔۔۔ نیک اعمال کا نتیجہ بھی تدریج کے

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کے ساتھ ہی نشو ونما پاتا اور ایک مدت و مداومت کے بعد ہی اپنی انتہاء ارتقاء کو اپناتا ہے۔

اس کی ذات اور فطرت واحد ہے۔ دنیا و آخرت، ظاہر و باطن اور خیر و شر میں اس کا قانون ایک ہی صورت میں جاری و ساری ہے۔ یہ اس کی توحید کا ثبوت ہے اور اگر ہم نظرِ غائر سے کام لیں۔ تو کائنات کے ذرہ ذرہ میں اس کی توحید کی جلوہ نمایاں ظاہر و عیاں ہیں۔ ذلو یفعل اللہ (پ۱۱) یعمہون کی آیت مبارکہ میں مذکورہ حقائق ہی کا بیان ہے۔

یاایھاالناس انما بغیکم علیٰ انفسکم۔ متاع الحیوٰۃ الدنیا ثم یرھکم فننبئکم بماکنتم تعملون (یونس پ۱۱)

جو لوگ تعمق نظری سے کام نہیں لیتے وہ دنیا کی چسپیدگی سے علیٰحدہ نہیں ہو سکتے اور یہ حقیقت ہے کہ جب تک کوئی شخص کسی نشہ آور شے کے نشہ کی حالت سے باہر نہیں آتا اس وقت تک نشہ دینے والی شے کے خواص اور مضرات سے قطعاً واقف نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح جب تک کوئی شخص کچھ عرصہ کے لئے دنیا کی وارفتگی اور فریفتگی سے علیٰحدہ نہ ہو جائے وہ دنیا کی حقیقت کو سمجھنے کے لئے اس پر فکر کے لئے آمادہ نہیں ہوتا۔ تاریخی شواہد اس بات کو ثابت کرتے ہیں کہ جن لوگوں نے دنیا کی حقیقتِ فنائیت سے واقف ہو کر اس سے عبرت و نفرت حاصل کی اور اس کی برائیوں سے بچ کر اصلاح پذیر ہوئے انہیں غم انگیز مظاہر ہی نے اپنی طرف جذب کیا تھا۔

مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اگر قدرتی حالات سے ہمیں ایسا موقع فراہم نہیں ہوتا۔ جس میں دنیا کی حقیقت خود بخود ہمارے سامنے منکشف ہو جائے تو ہم تکلف فکر کرنے کو بھی چھوڑ دیں۔ بعض اوقات تکلف سے بھی ہمیں وہ امور حاصل ہو جاتے ہیں۔ جنہیں اکثر طور پر وارد ہی ہم تک پہنچانے کا ضامن ہوتا ہے۔ بہرحال اپنے آپ کو کھینچ کر ہمیں ان آیات کے معانی کے قریب لانا چاہیئے جو دنیا کی حقیقت کے اظہار کا کردار ادا کر رہی ہیں۔

ان کے الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ اے نوع انسان تم حق سے بغاوت کے جو اقدامات کرتے ہو ان کا نقصان تمہارے اپنے نفسوں کو ہی پہنچنے والا ہے۔ تمہارے مغالطات کی بنیاد یہی حیاتِ دنیا کی متاع ہی تو ہے جس پر تم پھولے نہیں سماتے ہو حالانکہ اس کی حقیقت سوائے فنا کے اور کچھ نہیں ہے۔ اس میں چند روز گزارنے کے بعد یقینی طور پر تمہیں ہمارے حضور میں آنا ہے جہاں تمہارے اعمال اور ان کے نتائج تمہارے سامنے واضح و عیاں کر دیئے جائیں گے۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

موت وفنا کا شعور

ایک انسان کی انفرادی روحانی ارتقا اس بات کی متقاضی ہے کہ موت و فنا کا احساس ہر وقت اس کے دل میں موجود رہے۔ اس آیت میں ساری حیات و دنیا کی فنا کا تصور ہمارے سامنے لایا گیا ہے اور اس کا قیامت کی صورت میں واقع ہو جانا عقلی استدلال اور فکری و وجدانی احساس کے طور پر ثابت و معلوم ہو جاتا ہے۔

قیامت میں ہمارے سب اعمال اور ان کے اثرات کی حیثیت کا شہود

قیامت میں ہمارے سب اعمال جو ہمارے سامنے لائے جائیں گے ایک ایسا امر حقیقت ہے۔ جس پر ہماری عقل و فکر اور تجربہ شہادت دے سکتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت و ربوبیت ہی کا واقع ہونا ہے کہ ہمارے حافظہ پر نسیان اور غفلت کے پردے ڈال دیئے ہیں اور ہر واقعہ کو یاد رکھنے کے متعلق ہماری ذکاوت جس کو زائل کر کے زندگی کو سہل اور آسان بنا دیا ہے۔ اگر ہماری اس دنیا کی زندگی میں ہمارے پیش آمدہ ہر حالت اور واقعہ ہمہ وقت ہمارے حافظہ میں اجاگر اور خیال کے سامنے رہے تو ان واقعات کی کثرت کی وجہ سے ہماری زندگی اجیرن اور گزران محال ہو جائے۔ ان کی یادداشت کا دباؤ اگر ہر وقت ہمارے ذہن و دماغ پر طاری رہے تو اس کی قوتیں تباہ و برباد ہو جائیں اور سابقہ واقعات کی یاد دہرانے کے سوا ہم کوئی اور کام نہ کر سکیں۔

یہ بھی حقیقت ہے کہ ہماری زندگی کا چھوٹے سے چھوٹا واقعہ اور حرکت و عمل ایسا نہیں ہے جو حافظہ کے نہاں خانہ اور تحت الشعور میں محفوظ و موجود نہ ہو۔ اس بات کا تجربہ تقریباً ہر شخص کو ہوگا کہ جب دماغ میں قوت اور ذہن صاف ہوتا ہے تو بعض اوقات گزشتہ زندگی کے واقعات اور بچپن کی بھولی بسری باتیں اچانک طور پر حافظہ سے ابھر کر ہماری آنکھوں کے سامنے آجاتی ہیں۔ اور یہ ایسی صورت ہوتی ہے کہ اگر ہم انہیں اپنے تصرف سے یاد کرنا چاہتے تو شاید نہ کر سکتے۔ جس واقعہ نے ہمارے دل پر تھوڑا سا بھی اثر ڈالا ہو اس کا یاد آجانا زیادہ آسان ہوتا ہے۔ مگر دیگر اعمال و حرکات جن کا کوئی خاص اثر ہم اپنے دل پر محسوس نہ کر سکے ہوں جلدی یادداشت میں تو نہیں آتے لیکن ہمارے اندر مندرج و مرقوم ضرور ہوتے ہیں۔ اور یہ اعمالنامہ و ریکارڈ آفس ہمارے باطن میں ہی محفوظ و موجود رہتا ہے۔

جس طرح ہمارے وجود کی ظاہری و باطنی مشینری کو چلانے کے لئے اور ہزاروں فرشتے مقرر ہیں۔ اسی

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

طرح ہمارے اعمال وحرکات وسکنات کو محفوظ کرنے کے لئے دو خاص فرشتے مقرر ہیں جنہیں کراماً کاتبین کہتے ہیں۔ اور وہ ہمارے علم وشعور کے بغیر ہماری ہر حالت اور حرکت وعمل کا ریکارڈ ٹیپ کرتے رہتے ہیں۔ موت کے بعد جب ہمارے ادراکات سے مادی حجابات دور ہو جائیں گے تو دیگر علوی حقائق کی طرح ہمارے حافظہ میں محفوظ اور فرشتوں کا محررہ ریکارڈ بھی ہمارے سامنے ظاہر و واضح ہو جائے گا۔

اس وقت ہم دیکھ کر حیران ہوں گے کہ اس میں ہمارا ہر چھوٹا بڑا عمل بعینہ درج اور موجود ہے۔ مَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۝ ہماری ذرہ ذرہ نیکی اور برائی ہمارے سامنے آجائے گی اور انہیں سچا و حقیقی دیکھ کر ہمارے لئے کسی طرح مجال انکار نہ ہوگی بالکل اسی طریق پر ہمارے اندر میزانِ عدل بھی موجود ہے۔ جس کا محل و مقام ہمارا سینہ و دل ہے۔ اس میں ہمارے نیک و بد اعمال تماز دو ہوتے رہتے ہیں اور ان میں سے جس شے کا پلڑا بھاری ہوتا ہے۔ وہ اپنے نتائج اور اثرات کے نشانات .... ہمارے باطن اور دل پر قائم کرتی رہتی ہے۔ ہمارے باطن میں نیکی اور بدی کے اثرات کی جنگ ہر وقت جاری ہے۔ اور جس کی افواج کو غلبہ حاصل ہوتا ہے وہی ہمارے اندر اپنے جھنڈے گاڑ دیتی ہے۔ موت سے پہلے پہلے نیکی و بدی کی ہر قوت کو اپنا اپنا غلبہ و استیلا اور سکہ جاری کرنے کا موقعہ و حق حاصل ہے۔ نیکی بدی کے اثرات کو مٹاتی ہے اور بدی نیکی کے اثر کو زائل کرنے کی کوشش کرتی رہتی ہے۔ موت تک یہ سلسلہ ہمارے اندر جاری و قائم رہتا ہے۔ موت کے بعد جب نیکی و بدی کے مقابلہ کے امکانات ختم ہو جاتے ہیں۔ تو اس آخری حالت میں خیر و شر کے اثرات میں سے جس چیز کا ہماری روح پر غلبہ و قبضہ ہوتا ہے۔ وہ اسے اپنے احاطہ و تصرف میں لے لیتی ہے۔ اور قیامت تک اسی ایک وصف کی بڑھوتری ہوتی رہتی ہے۔

قیامت کے روز اعمال کے ریکارڈ کی طرح ان کے اثرات کی آپس میں جنگ جو تمام عمر ہمارے اندر برپا رہی ہے۔ ہمارے شعور کے سامنے آجائے گی کیونکہ اس روز ہم عمل کی بجائے سابقہ اعمال کے مشاہدہ میں مشغول ہوں گے۔ روحانی طور پر ایک ایسی ترازو قائم ہوگی جس میں ہماری نیکی و بدی کے اثرات کو مجموعی طور پر وزن کیا جائے گا۔ اس وقت یہ سارا عمل ہماری آنکھوں کے سامنے واضح و عیاں ہوگا اور اتمام حجت کر پورا کر دیا جائے گا۔ آخری صورت میں جس چیز کا وزن بھاری ہوگا۔ اسی کے حق میں فیصلہ دیا جائے گا اور ہمارے

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

وجود و روح پر اسی کے تاثر کو قبضہ حاصل ہوگا۔ اور یہ نفسیاتی و روحانی سائنس کا اٹل فیصلہ ہوگا۔ جو لوگ ان باتوں کا تمسخر اڑاتے اور انکار کرتے ہیں انہیں اپنی عقل و دانش کا ماتم کرنا چاہیے۔ جس طرح جاہل لوگوں کا بعض سائنسی امور کا انکار کرنا ان کی حقانیت کے اظہار کو روک نہیں سکتا اور بعد میں ہر شخص انہیں واضح وعیاں طور پر دیکھ لینے پر مجبور ہو رہا ہے۔ بالکل اسی طرح یہ اخروی حقائق جو دنیاوی زندگی میں ہمارے اندر پرورش پاتے رہتے ہیں۔ اہلِ بصیرت کے نزدیک واضح وعیاں ہیں اور وہ انہیں دوسری ہر موجود چیز کی طرح اپنے سامنے زندہ و متحرک پاتے ہیں۔

جس طرح صاحبِ الہام آدمی ہی وحی کی حقانیت کو تھوڑا بہت ادراک کر سکتا ہے اور اس کے لئے اس پر یقین و ایمان لانا آسان ہوتا ہے۔ بالکل اسی طرح صاحبِ احسان اور اہلِ تقویٰ لوگ ہی امورِ آخرت کے حقائق یعنی نیکی و بدی کے انوار و ظلمات اور ان کے اثرات کو دنیا کی زندگی میں اپنے اور دوسروں کے اندر دیکھ اور محسوس کر سکتے ہیں۔ ان کے لئے آخرت کے اعمالنامہ اور میزانِ عدل پر ایمان و اطمینان حاصل کرنا آسان ہوتا ہے۔ ورنہ موت کے بعد تو سب لوگ انہیں اپنے سامنے موجود دیکھ کر تسلیم کرنے پر مجبور رہوں گے۔

دنیا کی فنا و بے ثباتی کا احساس

دنیا جس کی متاعِ قلیل ہمیں اپنے اندر مشغول و مصروف کر کے حق سے غافل کئے ہوئے ہے۔ اپنی بے ثباتی اور فنا کے اعتبار سے کوئی ڈھکی چھپی چیز نہیں ہے۔ اگر ہم اس کی ناپائیداری کو محسوس نہیں کرتے تو یہ ہماری عبرت و بصیرت کی کمی اور احساس کی بے رخی کی وجہ سے ہے اگر ہم نگاہِ حقیقت آگاہ سے دیکھیں تو دنیا کی بے ثباتی و بے وفائی کے نظائر ہمارے ارد گرد ہر طرف پھیلے ہوئے ہیں مگر ہماری نگاہ اس طرف رجوع کرنے سے ابا کرتی ہے۔ اور جس چیز کو ہم پسند نہیں کرتے اسے دیکھنا بھی نہیں چاہتے اور یہ ایک فطری امر ہے۔ اگر یہ امر ہمارے اندر ودیعت نہ کیا گیا ہوتو موت سے گریز کے فقدان کی وجہ سے رواں دواں زندگی کا معمولی واقعات سے موت و فنا میں تبدیل ہو جانا عام ہو جائے اور ہماری حیات کا استقرار و استحکام باقی نہ رہے۔ دوسری بڑی وجہ یہ ہے کہ ہماری طبیعت اور وجود کی نمود و پرورش ان دنیاوی اشیاء و نعما ہی سے متعلق ہے اور ہم ان سے مفاد و تمتع حاصل کرنے پر مجبور و مضطر ہیں۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

یہ نفسیاتی کلیہ ہے کہ انسان جن اشیاء سے شدید محبت کرتا اور انہیں ہر وقت اپنے پیش نظر رکھتا ہے۔ وہ محبت و انہماک ان قریبی اشیاء کے علاوہ اس کی نظر کو دور کی اشیا و امور کی طرف جانے کی اجازت نہیں دیتے سوائے ان اشخاص کے جن میں فکر و دور اندیشی کا مادہ و قوت زیادہ ہو اور وہ ملکہ قریبی مفاد اور محبت کی زنجیروں کو توڑ کر دور کی اشیاء و امور کو دیکھنے اور سمجھنے کے ذوق کی تسکین پر آمادہ ہو۔ ان لوگوں کے نزدیک تعلیم و تربیت سے مقصود انسانی نفسیات کا سمجھنا اشیاء کے خواص اور ان کی تقدیرات کا جاننا۔ امور خیر و شر کے اثرات کا پہچاننا انسانوں کے باہمی معاملات کی حقیقی نوعیت سے واقف ہونا نیک اور بد اعمال کے متعلق سابقہ انسانوں کے تجربے سے واقف ہو کر فائدہ حاصل کرنا۔ اللہ تعالیٰ کے افعال کی حکمتوں سے واقف ہونا۔ اور اس کی ذات و صفات کی معرفت کو پانا ہے۔

حق کی طرف قدم اٹھانے اور دنیا و آخرت کی حقیقت کو جاننے کے ابتدائی مرحلہ میں ہی جب تک ہم تقویٰ کو پورے طور پر اپنا نہ لیں جادۂ مستقیم پر اپنے قدم جما نہیں سکتے۔ شرعی اعمال سے پیدا شدہ تاثرات اور پیش آمدہ باطنی واردات کے محسوس کرنے اور ان کے تقاضا کو پورا کرنے کا نام طریقت ہے۔ اور اس کا مفہوم یہی ہے کہ ہم خدا کی طرف جانے کے جس راستہ پر چل رہے ہیں اسے اچھی طرح سمجھ سوچ اور دیکھ بھال کر چلیں اور کسی طرح صراطِ مستقیم سے بھٹک نہ جائیں۔ اسی سوچ بچار اور حزم و احتیاط کو اصطلاح قرآنی میں تقویٰ سے موسوم کیا گیا ہے اور ہدایت کے راستہ سے بھٹک جانے کا ڈر اس کی روحِ رواں ہے۔ سیدھے راستہ پر چلنا جسے طریقت کہتے ہیں گویا تقویٰ ہی کا دوسرا نام ہے۔

تعلیم و تلقین اور وعظ و نصیحت کے طور پر حق کو قبول کرنے والے صرف وہی لوگ ہو سکتے ہیں جن میں طلبِ حق کا جذبہ پہلے سے بیدار ہو یا جن کی فکری قوتیں صدقِ دل کے ساتھ آیاتِ الٰہی کے مطالعہ میں مصروف ہو جائیں۔ جن لوگوں میں غلامانہ ذہنیت اور متشددانہ عزائم ہوں۔ وہ قوت و شوکت دیکھے بغیر تسلیم و اطاعت کے قریب نہیں آتے اور تعصب و ہٹ دھرمی کو چھوڑنے پر آمادہ نہیں ہوتے۔

غلامانہ ذہنیت اور تشدد پسندی درحقیقت ایک ہی درخت کی دو شاخیں ہیں اس قسم کی نفسی کیفیت والے کو جب اختیار و قوت دی جاتی ہے تو وہ فتنہ و فساد اور ظلم برپا کرنے پر آمادہ ہوتا ہے اور اپنے سے کمزوروں کو دبا کر مکمل غلام بنا لیتا ہے اور جب اسے کمزور کر کے قوت و اختیار سے محروم کر دیا جائے۔ تو وہ نہایت ذلت و خست اور دناءت کے ساتھ غلامانہ ذہنیت کو قبول کر کے بالکل نچلی سطح پر اتر آتا ہے۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

اس وقت وہ دوسرے غالب وحاکم لوگوں کو اپنے اوپر ظلم وتعدی اور تشدد بیجا کا حقدار سمجھنے لگتا ہے۔ ایسے آدمی معاشرہ کو کوڑھ کی بیماری اور گھن کی طرح کھاتے ہیں اور اعلیٰ روحانی اخلاق واقدار کو پنپنے کا موقعہ نہیں دیتے۔ اہل حق کے لئے ان لوگوں کا علاج سب سے زیادہ صبر آزما اور حکمت وبصیرت کے تقاضوں کو بروئے کار لانے کا متقاضی ہوتا ہے۔

حقیقی شریف اور ایماندار آدمی اپنے اختیار وقوت کو ناجائز طور پر استعمال نہیں کرتا۔ غریبوں اور کمزوروں کو دبا کر انہیں خوئے غلامی کو پختہ کرنے کی کوشش سے باز رہتا ہے۔ وہ اپنی غربت و بے بضاعتی اور عدم اختیاری کی حالت میں خوشامد، چاپلوسی، کمینہ پن اور رذیلانہ قسم کی حرکات کو اختیار نہیں کرتا۔ اور اپنی خودداری وعزت نفس کے تقاضوں کو پس پشت ڈال کر اہل اختیار کو مغرور ومتکبر ہونے کی دعوت نہیں دیتا۔ وہ ہر حالت میں قبول حق کے لئے تیار رہتا ہے، اور ایسا ہونا اس کی نفسی کیفیت اور فطری تقاضا کی بنا پر ہے۔

نفس انسانی کے انہی بنیادی اختلافات کی نشاندہی فرماتے ہوئے۔ اللہ تعالیٰ حضور پاک کی تسلی اور تعلیم وہدایت کے طور پر فرماتے ہیں کہ تیرا رب بہتر طور پر ان کے نفسیات کو جانتا ہے کہ ان میں سے کون مفسد وفتنہ پرداز ہے۔ جو ایمان کے قریب نہیں آ سکتا اور کون اپنی نفسی حالت وکیفیت کے اعتبار سے ایمان کو قبول کرنے پر آمادہ ہو سکتا ہے۔

ہدایت وضلالت کے درجات ومراتب

ہدایت وضلالت کے متعلق انسان کی باطنی حالت اور قلبی کیفیت کے درجات ومراتب ہیں۔

ہدایت کے بعض مرتبوں تک نفس وشیطان روحانیت کا پیچھا کر کے اسے رجعت کی طرف کھینچنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ لیکن ایک خاص حد پر پہنچ کر اس کے گمراہ ہونے سے ناامید ہو جاتے اور اسے اللہ تعالیٰ کی توفیق سے آراستہ اور محفوظیت میں دیکھ کر اس سے ہاتھ اٹھا لیتے ہیں۔ یہ حالت آدمی کے اللہ تعالیٰ کے ساتھ خالص ہو جانے سے لے کر ولایت کی انتہا تک ہے اور انبیائے کرام تو خدا کے فضل سے گناہوں سے محفوظ ومامون اور معصوم ہوتے ہیں۔ ان کی استغفار گناہوں سے نجات کیلئے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے قرب کے مراتب میں ادنیٰ کو چھوڑ کر اعلیٰ کی طرف جانے کیلئے ہوتی ہے۔ اہل ہدایت کے مقابل اہل ضلالت وایمان سے عاری اور فسق وفجور میں مبتلا لوگوں کی نفسی حالت کے بھی درجات ومراتب ہیں۔ بعض مرتبوں تک دل کی حالت ایسی

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

نہیں ہوتی کہ اس میں ایمان و ہدایت کا ادخال نہ ہو سکے۔ اور اس کے رو براہ ہونے سے ناامیدی ظاہر کی جائے۔ مگر انسان کے دل کی شقاوت و قساوت اور ظلمت و طغیان کے بعض مراتب ایسے بھی واقع ہو جاتے ہیں کہ ان پر اللہ کی مہر اور رین کا حکم صادق آتا ہے اور یہ صورتِ حال ان کے کسب و اعمال ہی سے وقوع میں آتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے بَلْ رَانَ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ۔ جب گناہ دل پر احاطہ کر لیتے ہیں۔ اور ان کی ظلمت اسے چاروں طرف سے گھیر لیتی ہے تو ہدایت و ایمان کی روشنی کو دیکھنا اس کے لئے ناممکن ہو جاتا ہے ایسے لوگ انبیاء و اولیائے کرام کے قریب رہتے ہوئے بھی ایمان سے محروم اور ان کے انوار کے مشاہدہ سے قاصر و محجوب رہتے ہیں۔ نیکی کے متعلق ان کی صلاحیت سلب ہو جاتی ہے اور کوئی نصیحت ان پر کارگر نہیں ہوتی۔ ان کا حال ان کی طبیعت کا ملکہ زراسخ ہو جاتا ہے۔

نہ ہو طبیعت ہی جن کی قابل وہ تربیت سے نہیں سنورتے
ہوا نہ سرسبز رہ کے پانی میں عکس سروِ کنارِ جو کا
(اقبالؒ)

ایمان و کفر اور ہدایت و ضلالت میں انسان کی نفسی کیفیات اور ان کے درجات و مراتب کا حتمی طور پر متعین کرنا اور ان پر کلی و آخری حکم لگانا کسی انسان کے بس کی بات نہیں۔ اس لئے داعیان حق اور مصلحین پر ہر شخص کو تبلیغ کرنا فرض ہے اور اسی بات پر ان کی ماموریت ہوتی ہے۔ ہدایت کا دل میں داخل کرنا اور اس پر استقلال عطا فرمانا اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار میں ہے۔ اگر بعض انبیاء اور کامل افراد اولیاء اللہ کسی کی ہدایت کیلئے دعا فرماتے اور اس میں تصرف کرتے ہیں تو ان کا یہ فعل اللہ تعالیٰ کے امر سے ہی وقوع میں آتا ہے۔

جن لوگوں کا گمراہی پر قائم رہنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقدر ہوتا ہے۔ ان کے نفسیات اور باطنی حالت کو انبیاء کرام پر ظاہر و واضح فرما دیا جاتا ہے۔ اور اپنی مشیت کا راز ان سے بیان فرما کر اپنے محبوب بندوں کو ان کے حق میں دعائے خیر کرنے سے روک دیا جاتا ہے اور اس کے ساتھ ہی ان کے کفر کا بنیادی نقطہ اور اصلی وجہ جس نے ان کے باطن میں گرہ لگا رکھی ہوتی ہے۔ انبیاء کرام پر عیاں کر دیا جاتا ہے۔

اس میں ایک عمیق راز ہے۔ اللہ تعالیٰ کو اپنے مخلص اور محبوب بندوں کی دعا کا رد کرنا شاق ہے۔ اسی لئے وہ انہیں کفار کی انتہائی تقدیر دکھلا کر پہلے ہی دعا سے روک دیتا ہے اور انہیں حیرانی سے بچانے اور اعمال کے تاثرات کو دکھلانے کے لئے کفار کے اندر موجود ان کے کسب و اعمال کے اثرات اور اس بنیادی نقطہ سے پردہ اٹھا دیتا ہے۔ جو ان کی گمراہی و ضلالت کا سببِ اولین ہوتا ہے تاکہ دیکھنے والوں کو انہیں اپنے تفسیر لیا

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

پر ظالم قرار دینے میں کوئی وقت واقع نہ ہو۔

ان آیات مبارکہ میں حضور پاکؐ اور کفار کے باہمی معاملات کو مذکورہ بیانات سے مکمل تطابق ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر وہ آپ کو جھٹلاتے ہیں تو اس بات سے رنجیدہ خاطر نہ ہونا بلکہ انہیں فرما دیجئے کہ میرے لئے میرے اعمال ہیں اور تمہارے لئے تمہارے اعمال، تم میرے اعمال سے مفاد حاصل نہیں کر سکتے اور میں تمہارے اعمال کے نتیجہ سے بَری ہوں۔ ان میں سے جو لوگ آپ کو مستمع نظر آتے ہیں۔ اور آپؐ کی بات کو سننے کے لئے کان لگائے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ آپؐ انہیں اپنی بات کس طرح سنا اور سمجھا سکتے ہیں۔ جبکہ وہ دل کے بہرے ہیں اور مطلق عقل نہیں رکھتے جو امور کی معرفت حاصل کرنے کیلئے ضروری آلہ ہے۔

عقل کا نہ ہونا ہی دل کا بہرہ پن ہے اور بہرے کے لئے بات کا نہ سننا۔ اللہ کی تقدیرات اور اس کی سنتِ جاریہ میں سے ہے۔ حقائقِ امور کو جاننے اور ہدایت کی راہ پر گامزن ہونے کے لئے عقل کی روشنی کا حاصل کرنا شرطِ اوّلین ہے۔ اور اس کے حصول کے لئے غور و فکر کا تحرک کرنا اور تقویٰ کا بروئے کار لانا اشد ضروری ہے۔ ان امور کا آپس میں ایسا لزوم ہے۔ جنہیں ایک دوسرے سے جُدا نہیں کیا جا سکتا۔ اور کفار میں ان بنیادی چیزوں کا فقدان ہی انہیں عقل اور حُسنِ سماعت سے بے بہرہ کئے ہوتے ہے۔ جب تک بصیرتِ باطنی نہ ہو اشخاص کے انوار و اخلاق اور ان کی اعلیٰ اقدار کو دیکھنا اور ان سے مستفید ہونے کا بہرہ حاصل کرنا ممکن نہیں ہے۔ جو لوگ انبیاء و اولیاء اللہ کو اوپری اور سطحی نظر سے دیکھتے اور انہیں اپنے جیسا انسان سمجھنے پر اکتفا کرتے ہیں۔ وہ ان کے حُسنِ باطن، تعلق باللہ اور اعلیٰ صفات کو اپنے شعور میں نہیں لاتے۔ اس لئے ان سے ہدایت حاصل کرنے سے محروم رہتے ہیں۔ ایک ناصح مشفق کے لئے اس کے سوا چارہ نہیں کہ وہ ایسے شخص کو خدا سے دیدۂ بصیرت طلب کرنے کی رغبت دلائے اور صدقِ دل سے دعا کی طرف رجوع ہونے کی تلقین کرے۔

دلِ بینا بھی کر خدا سے طلب   آنکھ کا نور دل کا نور نہیں
بے حضوری ہے تیری موت کا راز   زندہ ہے تو تو بے حضور نہیں!

(اقبالؒ)

جو لوگ دلِ بینا اور چشمِ بصیرت نہیں رکھتے۔ وہ حضورِ دل کے حامل ہونا تو کجا اس کے معانی بھی نہیں سمجھ سکتے اور حق تعالیٰ سے باطنی ربط و تعلق کا احساس بھی نہیں کر سکتے۔ اشخاص و امور کے متعلق ان کے نظریات

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ظن واوہام پر مبنی ہوتے ہیں اور وہ اپنے نفس کی گمراہی پر ہی خوش رہتے ہیں۔ ایسا شخص بے تحاشا تنزل و سفلیت کی پست اور پیچ در پیچ عمیق گھاٹیوں میں اترتا چلا جاتا ہے اور دنیا کی ذلیل محبت و کشش اسے اتنی تاریک گہرائیوں میں لے جاتی ہے۔ جہاں سے اوپر نگاہ اٹھا کر دیکھنا بھی اس کے لئے ممکن نہیں رہتا اور بالآخر اسے انہی پستیوں میں دل لگانا پڑتا ہے۔ اس کی حقیقی روح اس دنیا کی کثیف ہواؤں میں دب کر بالکل ساکت و صامت ہو جاتی ہے اور اس حالت میں اپنی ذات کا ادراک و نظارہ اس کے لئے ناممکن سا ہو جاتا ہے۔ اس وقت اس کی حیوانی جبلت اور بہیمی طبیعت اپنے پاؤں پھیلاتی اور پر پرزے نکالتی ہے۔ اور اپنی مناسبت کی فانی لذتوں میں مستغرق ہونے پر نہ اسے اپنی فنا کا اور نہ اشیاء دنیا کی بے ثباتی کا احساس و ادراک ہوتا ہے۔ اس کی ساری وجودی قوتیں اپنے سفلی جذبات کی تسکین کا ساز و سامان مہیا کرنے میں خرچ ہوتی رہتی ہیں۔ اس حالت میں بہیمی جذبات کی اتنی فراوانی اور ان کے مطلوبہ اسباب کی اتنی کثرت ہوتی ہے کہ انسان کو ایک گھڑی کے لئے بھی فرصت و فراغت نہیں ہوتی۔ جس میں اپنی طبیعت کے خلاف کسی بلند مقصد کی طرف خیال کو لگا سکے یہی صورت حال اس کے لئے ایک جال اور قید خانہ بن جاتی ہے۔ جس سے قدم باہر نکالنا اس کے امکان میں نہیں رہتا۔ اس حالت کے ساتھ اس کا مانوس ہو جانا اور باہر نکلنے کی رغبت نہ کرنا اس کی بدنصیبی پر مہر تصدیق لگا دیتا ہے۔

جب اچانک موت اسے اپنے پنجہ میں دبوچ کر اس کے بال و پر نوچ دیتی ہے اور اس کے طبعی و بہیمی وجود کو ٹکڑے ٹکڑے اور ریزہ ریزہ کر کے اس کی حقیقی روح کو مجرد و ننگا کر دیتی ہے اور دنیا کا وہ مال و متاع اور ساز و سامان جس نے اس کے دل کو اپنے ساتھ باندھ رکھا تھا اس سے علیحدہ ہو جاتا ہے اور اس کی روح برے اعمال کی وجہ سے اپنے گرد ظلمات اور تاریکیوں کے سوا کچھ نہیں پاتی تو سوائے گھبرانے اور حسرت زدہ ہونے کے اسے کچھ ہاتھ نہیں آتا اور یہیں سے اس کے عذاب کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔

جن انوار و نیک اعمال نے آخرت میں کام آنا ہے ان کا حصول تو دنیا میں ہی ممکن تھا اور وہ پیچھے رہ گئی۔ جس کی طرف لوٹ کر جانا اس کے امکان میں نہیں رہتا۔ اور جن برے اعمال کو وہ دنیا میں سرانجام دیتا رہا ہے۔ ان کے اثرات اس کے دل و جان پر نقش ہو چکے ہیں۔ جنہیں وہ کسی طرح اپنی روح سے دور نہیں کر سکتا۔ یہ وقت انسان کی انتہائی بے بسی اور حسرت و ارمان کا ہوتا ہے۔ سوائے خدا کی رحمت کے اسے کسی طرف سے دل کی روشنی اور راحت و آرام کا سامان نظر نہیں آتا۔ اور اللہ کی رحمت کو دنیا میں قبول نہ

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کرنے کی وجہ سے اس کے دروازے اپنے ہاتھوں اپنے اوپر بند کر چکا ہوتا ہے۔ دنیا میں اللہ کی رحمت یہی اس کی آیات بینات اور انبیاؑ و اولیا ہی تو ہیں۔ جن نے گریز پائی نے اسے اس حالت تک پہنچایا ہے حضور پاک کے بعد انبیائے کرام کا سلسلہ تو اب ختم ہو چکا البتہ آپؐ کے نائب اور قائمقام اولیائے کرام دنیا میں آتے رہے ہیں اور قیامت تک ان کا سلسلہ جاری رہے گا مگر ان میں سے لوگوں کی ہدایت پر مامور بزرگ ہر وقت موجود و ظاہر نہیں رہتے۔ اس لئے ان کا تلاش کرنا اور جستجوئے بلیغ سے ان تک رسائی حاصل کرنا بھی ذرا دور کی بات ہے۔ عام لوگوں کو ان کی تلاش میں زیادہ مشکل اس لئے پیش آتی ہے کہ ہزاروں عیار و فن کار لوگ ان کی مسندوں پر قدم جما کر اپنے خالی ڈھول کو پیٹنے لگتے ہیں۔ البتہ جب کبھی کوئی کامل ولی اللہ ظہور فرماتا ہے تو اس کی روشنی ہر کہ و مہ تک پہنچ جاتی ہے۔

اولیاء اللہ کے اس گیپ اور خلا کے زمانہ میں قرآن مجید کی آیاتِ بینات کی طرف رجوع کر کے ان کا مفاد حاصل کرنا زیادہ آسان اور ہر قسم کے دھوکہ سے مبرّا ہوتا ہے۔ ان کا حصول ہر وقت ہمارے لئے ممکن و آسان ہے۔

قرآن پاک کی اشاعت اس قدر عام اور سہل الحصول ہو جانے کی وجہ سے عامۃ الناس کے نزدیک اس کی قدر و قیمت اور عظمت کا احساس کم ہو جانے پر ایک صاحبِ محبت اور درد دل رکھنے والے انسان کو ضرور خیال آتا ہے کہ اس کی اشاعت کم ہو کر ایسی صورتِ حال پیدا ہو جائے کہ صرف ادب کرنے اور حقیقی مفاد حاصل کرنے والے لوگ ہی اس تک رسائی حاصل کر سکیں۔ مگر اللہ تعالیٰ کی رحمت و ربوبیت اور حکمت کے تقاضا کو دیکھنے پر یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ اس نعمت کا عام اور ہر شخص کے قریب ہونا ہی ضروری ہے۔ جس طرح ہوا انسان کی زندگی کے لئے سب سے زیادہ ضروری اور نہایت قیمتی چیز ہے۔ جس کا بدل کسی طرح مہیا نہیں ہو سکتا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اسے سب سے زیادہ عام اور سہل الحصول بنایا ہے۔ اسی طرح اپنی آیات کو بھی جو اس کی طرف رہنمائی کرتی ہیں۔ سب انسانوں کے قریب اور نظروں کے سامنے کر دیا ہے اور کسی شخص کو اس نعمت کے حاصل کرنے میں کسی وقت کا سامنا نہیں ہے۔ اسی طرح قرآن پاک کی آیات میں جن چیزوں کے متعلق فکر کرنے کے لئے اشارات دیئے گئے ہیں۔ وہ بھی کسی وقت انسان کی نظروں سے اوجھل نہیں ہیں اور انسان جس وقت چاہے۔ ان کی طرف اپنی توجہ مبذول کر سکتا ہے۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

آیات پر حقیقی غور و فکر کرنے والوں کی صورت حال

جو لوگ قرآن پاک کے مطالعہ سے آیات پر غور و فکر کے عادی ہوتے ہیں۔ انہیں اس کی مشق و مداومت سے یہ حالت حاصل ہو جاتی ہے کہ آیات کی زبانی تلاوت کے بغیر ہی جب وہ اشیاء کائنات کو دیکھتے ہیں۔ جن پر غور و فکر کرنے کی دعوت قرآن مجید میں دی گئی ہے۔ تو وہ ہر شے کو اپنے لیے حق کی طرف دلیل راہ بناتے ہیں۔ اور کسی شے کو بھی غفلت و بے اعتنائی کی نظر سے نہیں دیکھتے۔ اس صورت میں ہر شے ان کے لیے حق کی آیت ہوتی ہے اور آیات کی عمومیت ان کے نزدیک اسی طرح ہو جاتی ہے۔ جیسے ہوا ہر ایک کے لیے عام اور بغیر طلب و وقت کے موجود ہے۔

وہ جب بھی آنکھ کھولتے اور نظر اٹھاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی کسی نہ کسی آیت و نشانی کو اپنے سامنے موجود پاتے ہیں اور اس میں انہیں حق تعالیٰ کے افعال و صفات کو مشاہدہ کرنے کی دعوت مدرک و محسوس ہوتی ہے۔ اور یہ صورت حال اس حد تک پہنچ جاتی ہے۔ گویا ہر شے ان کے سامنے قرآن پاک کی کسی نہ کسی آیت کی تلاوت کر رہی ہوتی ہے۔ اس نظر کی ابتداء کو حاصل کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں خاص خاص چیزوں کو ہماری توجہ اور فکر کا مرکز بنایا ہے۔ جن کی اہمیت ہمارے نزدیک مسلّم ہے اور جن کے فوائد سے ہم ہر وقت تمتع حاصل کرتے رہتے ہیں۔ اس میں ہمارے لیے آسانی اور سہولت کا سامان ہے اور جو لوگ اس دعوت کو قبول کرتے ہیں۔ ان کے لیے آئندہ فکر کا راستہ زیادہ وسیع اور آسان تر ہوتا جاتا ہے۔

اگر انسان ان آیات پر صدق دل سے غور کرے تو اس کے لیے اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات اور اس کے رسول پاک کی حقانیت پر ایمان لا کر تسلیم کے قریب ہو جانا ممکن ہو سکتا ہے (سورہ رعد اللّٰہُ الذی ۔۔۔ لقوم یعقلون ٥) ان آیات میں جن اشیاء کا بیان فرمایا گیا ہے۔ انسانی عقل کو ان کی کلی حقیقت پر احاطہ نہیں ہے۔ مگر قرآن حکیم کی آیات سے مقصود جغرافیائی اور طبعی حقائق کی تعلیم دینا نہیں ہے۔ بلکہ ان سے مقصود انسان کی عقل و فکر کو اللہ تعالیٰ کی عظمت کی طرف لگانا ہے۔ جو لوگ آیات پاک کے نزول کے وقت ان کے ابتدائی خطاب کو سننے والے ہیں ان کے علم طبیعات، فکری حدود اور آیات میں مذکورہ اشیاء کے متعلق اسلوب فکر کی نسبت و مطابقت سے یہی طرز بیان بہتر و اصلح اور اقرب الی الصواب ہے۔

اگر ایسے اشخاص کو ان کے حدود علم سے بڑھ کر پہلے طبیعاتی حقائق کے متعلق تعلیم دینی شروع کی جائے

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

تو نزولِ آیات سے جو اصل مقصود ہے وہ فوت ہو جاتا ہے اس لیئے ہمیں آیات کو اسی نظریہ سے دیکھنا چاہئیے جس کے مطابق ان کا نزول ہو رہا ہے اور ان پر غور و فکر کے وقت ہیں انسان کی سائنسی معلومات اور موہوم و ظنی معتقدات کے اختلافات کو موضوعِ بحث نہیں بنانا چاہئیے۔

مذکورہ آیات میں قرآن مجید اور حضور پاک کی حقانیت کو بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی ذات پر دلیل بیان فرمائی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ وہ ہے۔ جس نے آسمانوں کو بلند کیا بغیر ستونوں کے جنہیں تم دیکھ سکو۔ پھر وہ عرش پر متصرف ہوا۔ اور سورج و چاند کو مسخر کیا۔ ہر ایک چلتا ہے۔ مدتِ مقررہ تک وہ امور کی تدبیر فرماتا اور آیات کی تفصیل کرتا ہے تاکہ تم اپنے رب کی لقا پر ایمان و ایقان حاصل کر سکو۔ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک وہ ہے۔ جس نے پھیلایا زمین کو اور اس پر پہاڑوں کا بوجھ ڈالا اور ان میں نہریں جاری فرمائیں۔ جس طرح دن اور رات جوڑے کی مانند ہیں اسی طرح تمام پھلوں کو جوڑا جوڑا بنایا اور ان میں اہلِ فکر کے لئے اپنی نشانیاں نمایاں فرما دیں۔ زمین میں مختلف قطعات بنا دیئے اور ان میں انگور، مزراعت کے کھیت اور کھجوریں جو ایک دوسری سے جڑی ہوئی بھی ہیں۔ اور علیحدہ علیحدہ بھی ایک ہی قسم کے پانی سے آب پاش ہوتی ہوئی پیدا فرما دیں اور لطف یہ ہے کہ ان میں کھانے کی لذت میں ایک کو دوسرے پر فضیلت دے دی۔ اور ان میں تنوع و امتیاز پیدا فرما دیا۔ اس سارے سلسلۂ تخلیق میں عقلمند لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کی معرفت کے لئے نشانیاں موجود ہیں۔

اگر ہمارا ذہن ماحول کے غیر فطری اثرات اور تخلیق و نظامِ عالم کے متعلق مغربی فکر و فلسفہ کے خود ساختہ نظریات کی چھاپ کی وجہ سے قرآن پاک کے اس سادہ و فطری استدلال اور اسلوب و طرزِ بیان سے نفرت و اباء نہ کرے تو اس میں فکر و نظر کے لئے تسلیم و رضا تک پہنچنے کے ہزاروں نشانات ہیں۔

آسمانوں اور ان میں موجود مخلوقات کے متعلق ہمارا سائنسی علم بالکل ادھورا و نامکمل ہے۔ جب تک انسان چاند، سورج اور ستاروں تک پہنچ کر ان پر پورے طور پر تصرف حاصل نہیں کر لیتا۔ اور ان کی حرکت و سکون اور گردشوں کے راز کو پورے طور پر اپنا نہیں لیتا۔ ان کے متعلق وہ کسی حتمی و یقینی علم اور ثابت شدہ حقیقت کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ انسان کا آسمانوں کے متعلق موجودہ سائنسی علم ظن و تخمین کی حدود سے آگے نہیں ہے۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

زمین کی گولائی، اس کی سورج اور اپنے محور کے گرد گردش اور چاند کا زمین کے گرد گھومنا جو ہمارے سائنسی علم اور تجربات سے ثابت ہوا ہے۔ جن کی بنیاد پر ہمارے سال و ماہ اور شب و روز مرتب و معین ہونے میں کوئی غلطی واقع نہیں ہوتی اور سورج و چاند گرہن کے متعلق ہمارا حتمی علم ان امور کو حقیقت واقعی ثابت کر رہا ہے۔ آسمانوں کے متعلق علم کے مبادیات میں سے ہے۔ اسے من وعن تسلیم کر لینے پر بھی ہمارے آیات پر فکر کرنے اور ان سے مطلوبہ مقصود تک پہنچنے میں کوئی مانع و رکاوٹ پیدا نہیں ہوتی۔ اگر ہماری عجائب و عجلت پسندی آسمانوں کو حدِ نظر ماننے اور مختلف ستاروں اور عناصر افلاکی کو آسمان کہنے پر مجبور ہے تو بھی آیات پر فکر کرنے کا راستہ بند نہیں ہوتا۔ اور ان عناصر ارضی و افلاکی کے درمیان ایسی کشش کو ماننا ناگزیر ہے۔ جس کے ذریعہ ہمیں نظر میں نہ آنے کے باوجود ان کے وزن کو اٹھانے اور توازن قائم رکھنے میں ایسا نظام موجود ہے۔ جو ستونوں کے ذریعہ چھت کو اٹھانے کی مثال میں واضح ہوتا ہے۔ ان عناصر ارضی و افلاکی کی مقررہ و معین گردشیں اور ایسی کشش جو سب کو ایک حال پر قائم رکھے ہوئے ہے کیا اتفاقی طور پر پیدا ہو گئی ہے؟ اور اس میں کسی علیم و قدیر اور عزیز الحکیم کی کار فرمائی نہیں ہے؟ عقل سلیم اسے ہرگز تسلیم نہیں کرتی کہ اتنا عظیم الشان اور مستحکم نظامِ عالم خود بخود قائم ہو گیا ہے اور کوئی ذاتِ واحد اسے نمود دینے اور کنٹرول کرنے والی نہیں ہے۔

عرش جو اپنے معنی و مفہوم میں ساری کائنات کے ظہور کا منبع اور مرکزِ اولین ہے۔ اللہ تعالیٰ کی نگاہ اور قدرت کی کار فرمائی کے لئے ایک مقام کی حیثیت رکھتا ہے۔ اور یہی وہ مقام ہے۔ جہاں سے اس کی تدبیرات کا ظہور ہوتا ہے۔

جس طرح اس کی ذات کے لئے کوئی مادی مثال صادق نہیں آسکتی۔ اسی طرح اس کی صفات اور متعلقات بھی اس بات سے ارفع و اعلیٰ اور وراء الوریٰ ہیں۔ ان کے حقیقی مفہومات کو جاننے اور مشاہدہ کرنے کے لئے جو لوگ روح اور باطن میں غوطہ لگاتے ہیں۔ وہ اپنی اپنی استعداد اور توفیق کے مطابق کچھ نہ کچھ حقائق کو اپنا لیتے ہیں اور ان کے بیان سے دوسرے اہلِ ذوق بھی کسی قدر سمجھ جاتے ہیں۔ آسمان کا مفہوم رفعت و روحانیت سے بھی متعلق ہے۔ اور بعض مذاہب کی اصطلاح میں اسے انہی معنوں سے معنون کیا گیا ہے۔ جیسے عیسائیوں میں آسمانی باپ کا لفظ رواج پذیر ہے اور ارفع و اعلیٰ اقدار کو آسمانی کہنے کا عام دستور ہے۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

شمس وقمر کی تسخیر نے مقصود ان کے تواص و فوائد کو ایک حالتِ خاص پر منظم و مقرر کرنا ہے۔ جس میں تبدیلی خود ان کے امکان میں نہیں ہے اور خداوند تعالیٰ کے سوا کوئی دوسری قوت ان پر اثر انداز نہیں ہو سکتی۔

قیامت کے آثار و مقدمات

ان کی گردشیں اور ظہور و خفا اوقاتِ معینہ پر ہے اور وہ اپنی اس تقدیر و اجل سے کسی طرح باہر نہیں جا سکتے۔ روزِ قیامت تک ان کا یہ سلسلہ قائم ہے اور جب اللہ تعالیٰ کی مشیت سے ان کی آخری اجل کا وقت آئے گا تو یہ سارا سلسلہ درہم و برہم اور نیست و نابود ہو جائے گا اور اس اجلِ مسمیٰ کے ظہور کیلئے ممکن ہے کہ کشش کی۔ ان تاروں کو توڑ دیا جائے جن کے ذریعہ حق تعالیٰ نے ان عناصر کو ایک دوسرے سے باندھ رکھا ہے اور یہ آپس میں ایک دوسرے سے ٹکرا کر تباہ و برباد ہو جائیں۔ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيمٌ اور جُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ کی آیات سے کچھ اسی قسم کا تصور پیدا ہوتا ہے زمین کا اس شدت سے ہلنا کہ پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں اور اس کی ہیئت بالکل بدل جائے کسی معمولی واقعہ کی تعبیر نہیں ہو سکتی اور یہ امر اسی قادرِ مطلق کے ہاتھ میں ہے۔ جو زمین و آسمان اور ان کے درمیان کی ہر چیز کو پیدا کر رہا ہے۔

رب کی لقاء پر ایمان حاصل کرنے سے کئی مفہوم پیدا ہوتے ہیں۔ سب سے اول تو یہی بات ہے کہ انسان قیامِ قیامت کو اپنے ذہن نشیں کر سکے۔ اس کے ظہور کے آثار و مقدمات کے طور پر اللہ تعالیٰ بعض اوقات ایسے واقعات کا اظہار فرماتا ہے۔ جن سے قیامت کا تصور انسان کے بہت قریب آ جاتا ہے۔ چمک و کڑک کے ساتھ بجلی کا زمین پر اترنا آتش فشاں پہاڑوں کا پھٹ کر آگ برسانا اور ملحقہ دیہات و قصبات کا تباہ و برباد کر دینا۔ شدید زلزلہ کا آنا اور اس سے آبادیوں اور مکانات کا تہ و بالا و مسمار ہو جانا۔ سمندر سے طوفان کا اٹھنا اور اپنے کناروں کو بہا لے جانا۔ طوفانِ باد و باراں اور سیلاب سے زمین کا حلیہ بدل جانا یہ سب اسی قسم کے واقعات ہیں کہ اگر انہیں زیادہ وسیع پیمانہ پر تصور کیا جائے جس کا امکان قدرت کے پاس ہر وقت موجود ہے تو انسان کو قیامت سامنے نظر آنے لگتی ہے۔ اس کے علاوہ جنگ کی ہولناکیاں جو خود انسان کے اپنے ہاتھوں پیدا کی ہوئی ہیں۔ خوف و ہیبت اور تباہ کاری میں قیامتِ صغریٰ کا نمونہ پیش کرتی ہیں۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی آیات ہیں۔ جو انسان کو اس کی ذات اور قیامت کی طرف متوجہ کرنے کے لئے ہیں۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

لقاءِ رب العالمین

تفصیل آیات اور لقاءِ رب العالمین سے دوسرا مفہوم یہ برآمد ہوتا ہے کہ انسان مظاہرِ قدرت کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات پر ایمان حاصل کرے اور اس کی صفاتِ جمال و جلال سے اثرات وصول کرکے اس کی محبت و خوف کو اپنے دل میں پیدا کرے اور انہیں اپنی روحانی سیر کے قدم بنا کر اس کی معرفت کے میدان میں رواں دواں ہو اور اس طرح اپنی چشم نظارہ کو اس کی دید و لقا کے لئے وقف کر دے۔ یہ ایمان کو ایقان تک پہنچانے کا عمل ہے اور دنیا و آخرت کے میدان اس کی کارگزاری کے لئے بنائے گئے ہیں اور اس کی تکمیل اس وقت ہوتی ہے۔ جب بندہ اپنے رب کے مشاہدہ تک پہنچ جاتا ہے اللہ تعالیٰ کی معرفت تک پہنچ جانے میں کائنات کی جملہ اشیاء کی حقیقت سے واقف ہو جانا۔ بالکل اسی طرح ہے۔ جیسے ہاتھی کے پاؤں میں سب کا پاؤں مشہور ہے اور یہ معرفت اتنی طویل و عریض ہے کہ اس کی وسعت کی تفصیل میں ساری آیات سما جاتی ہیں۔

زمین میں اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کے ثبوت

اس کی ذات اور ربوبیت پر سب سے زیادہ قریبی اور قابل فہم دلیل اور نشان یہ زمین ہے۔ جس پر ہم آباد ہیں۔ اس پر پہاڑوں کا سلسلہ اور ندی ناؤں اور دریاؤں کا ظہور ایسی آیات ہیں۔ جن کا شعور ہمارے فکر و خیال کو اس کی ذات و صفات کی تعظیم کرنے پر مجبور کرتا ہے۔ جن حکمتوں اور مصلحتوں کے ساتھ اس سلسلہ کو بنایا گیا ہے۔ غور و فکر کے ساتھ ان سے واقف ہونا انسان کے دل کو تشکر و امتنان کے جذبات سے معمور کر دیتا ہے۔

اس میں مختلف قطعات کی نمود اور ان میں مخصوص اجزا و صلاحیتوں کا وجود اللہ تعالیٰ کی بے پایاں حکمت و ربوبیت کا شہود ہے۔ ان مختلف قطعات ہی سے مختلف قسم کے نباتات و ثمرات اور ہر قسم کے ماکولات پیدا ہوتے ہیں۔ پہاڑوں سے ہزارہا قسم کے معدنیات اور زر و جواہرات حاصل کئے جاتے ہیں۔ جو انسانی زندگی کی ضروریات کو پورا کرنے میں نہایت اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ ان میں سے پیدا ہونے والے دریا جس طرح زندگی کی نشو و نما کا سامان پیدا کرتے ہیں۔ وہ کسی صاحب عقل و فہم سے پوشیدہ و پنہاں نہیں ہیں۔ پہاڑوں میں دریاؤں کا راستہ پیدا ہونا قدرت کی ازلی حکیمانہ

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کارگزاری کا ثبوت ہے جسے ہم پہاڑوں میں کسی دریا کے کنارے سفر کر کے ہی دیکھ سکتے ہیں۔ چنانچہ گلگت سے سوات تک لاری کے سفر میں آپ اس حقیقت کو اچھی طرح محسوس کر سکتے ہیں۔ جہاں دریائے سندھ کی گزرگاہ واقع ہے۔ دور سے دیکھنے پر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ دو پہاڑ آپس میں مل رہے ہیں اور دریا کا راستہ مسدود ہو رہا ہے۔ مگر اس موڑ کے قریب جانے پر نظر آتا ہے کہ ایک پہاڑ پھیلتے پھیلتے قدرتی طور پر ایک جگہ رک گیا ہے اور دوسرے پہاڑ سے ملنے کی بجائے اس نے دریا کی گزرگاہ کیلئے راستہ چھوڑ دیا ہے۔ اس سفر میں یہ نظارہ بیسیوں دفعہ نظر آتا ہے اور خود بخود یہ احساس پیدا ہو جاتا ہے کہ پہاڑوں میں دریا کے لئے یہ راہ بنانا قدرت کی خاص مشیت و کارگزاری سے ہے ہمارا مقصد ان فوائد کو گنوانا نہیں بلکہ قارئین کی توجہ کو ان کی طرف مبذول کرنا ہے تاکہ وہ اپنے ذاتی غور و فکر سے ان کو سمجھ سکیں۔

جو علم انسان پر اس کی ذاتی جدوجہد اور فکری تعمق سے وجدانی طور پر ظاہر ہوتا ہے۔ اس کے حصول میں جو لذت حاصل ہوتی ہے۔ اور دل میں ذاتی مشاہدہ کی وجہ سے اس کی جو قدر و قیمت ہوتی ہے۔ وہ دوسرے کے بتانے پر کبھی محسوس نہیں ہو سکتی۔ اسی لئے ہم ہر آیت کے بیان میں چند اشارات پر اکتفا کرتے ہیں۔

زمین کی ہیئت میں آثارِ رحمت و ربوبیت

اب زمین کی زیرِ آبادی اور قابلِ کاشت سطح پر ہی غور کر کے دیکھو کہ اگر یہ تمام دلدلی یا سخت پتھریلی قسم کی ہوتی تو ہمیں چلنے پھرنے اور اشیائے خوردنی کے پیدا کرنے میں کس قدر دقت درپیش ہوتی۔ یہ اس کی رحمت و ربوبیت ہی کا تقاضا ہے کہ اس نے زمین کو ہمارے لئے وسیع و فراخ اور نرم و زرخیز بنایا۔ نہ یہ ایسی نرم ہے کہ ہم اس میں دھنس جائیں اور نہ ایسی سخت کہ اس میں کوئی شے پیدا نہ ہو سکے۔ یہ ہماری ہر قسم کی ضروریات کی کفیل اور جملہ سامان راحت و آرام کو پیدا کرنے والی ہے۔ ہم اس میں آسانی سے چل پھر سکتے اور اس کے دور دراز گوشوں تک پہنچ سکتے ہیں۔ اس میں کوئی جگہ ایسی نہیں۔ جس میں ہمارے لئے نفع رسانی کا کچھ نہ کچھ سامان موجود نہ ہو۔ اس کی آبادیوں میں ہماری حفاظت اور آرام و امان کا سامان ہے اور اس کے جنگل اور ویرانوں میں ہماری سیر و سیاحت اور

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

روح کی بیداری کا راز پنہاں ہے۔

اگر اس کی نباتات پر نگاہ کو مرکوز کرو تو اس میں تنوع و بوقلمونی کے ایسے عجیب و غریب نظائر ہیں کہ انسان کی عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ ایک ہی پانی سے آب پاش ہونے والی زمین کس طرح اپنے اجزا کو رنگوں میں ظاہر کر رہی ہے۔ انواع و اقسام کے پھول و پھل کس طرح اپنی بہار دکھاتے ہیں۔ ایک ہی درخت میں کوئی پھل چھوٹا ہے کوئی بڑا۔ کوئی خام کوئی پختہ اور پھر کھانے میں ہر پھل کی لذت اور مزا جدا جدا ہے۔ ہر نوع میں ایک کو دوسرے پر فضیلت اور درجہ حاصل ہے۔ کسی جگہ یک رنگی اور ایک ہی صفت کا تواتر نہیں ہے۔ بلکہ ہر پھول و پھل میں مختلف رنگ و بو اور علیحدہ علیحدہ لذت و خواص موجود ہیں۔ جو ان کے پیدا کرنے والے کی قدرت کاملہ اور ہمہ صفت ہونے کی دلیل ہے۔ اگر ایک ہی قسم کے دو چار پھل اور غلے ہوتے تو انسان ان سے اکتا جاتا اور اس کی جامعیت کے تقاضے پورے نہ ہو سکتے مگر یہاں تو اللہ تعالیٰ کی رحمت و ربوبیت کی فراوانی سے یہ صورتِ حال ہے کہ ایک ہی پھل کی کئی کئی اقسام ہیں اور ہر قسم کی لذت و مزہ جدا جدا ہے۔

مثال کے طور پر آپ کھجور ہی کو دیکھئے کہ اس کی کتنی قسمیں ہیں اور اس کے درختوں کی ہیئت میں بھی کیسا تنوع واقعہ ہے کہیں ایک ایک کر کے کھڑے ہیں اور کہیں ان کے جھنڈ کے جھنڈ موجود ہیں اور پھل کہیں ایک ایک دانہ لگتے ہیں۔ اور کہیں گچھے کے گچھے لٹک رہے ہیں۔ ہر شے اپنی طبیعت اور خاصیت میں ایک حالت پر موجود ہے اور ان کا آپس میں خلط ملط ہونا بہت بہت کم واقعہ ہوتا ہے۔ جہاں انسانی تصرف ان کی مختلف نسلوں کو آپس میں ملاتا اور نئی قسمیں پیدا کرتا ہے وہاں بھی ان کی ہیئت میں تبدیلی کا عمل خاص تقدیرات کے تابع ہوتا ہے۔ اور کوئی شے امرِ حق کے بغیر اپنی صورت و حیثیت بدل نہیں سکتی۔

اسی طرح انگور کی سینکڑوں اقسام ہیں اور ان میں بعض کو بعض پر اپنی لذت اور نوعی حیثیت میں فضیلت حاصل ہے۔ ان کے رنگ و روپ، وضع قطع، اور اختلافِ قد و قامت میں ایک دوسرے سے ممتاز ہیں۔ اجناسِ غلہ اور دیگر خوردنی اشیاء کی تو ہزاروں قسمیں ہیں۔ جن کی مکمل گنتی کرنا بھی شاید ہمارے امکان سے باہر ہو۔ ان سب کو علیحدہ علیحدہ نوعی حیثیت میں پیدا کرنا۔ ان کی اس حیثیت کی حفاظت کرنا اور ان کی افزائش نسل کو برقرار رکھنا کیا اللہ تعالیٰ کے کمال علم و حکمت اور قدرت کی دلیل نہیں؟ اگر کوئی شخص ان کی حفاظت اور افزائش نسل کو انسان کے تصرف پر محمول کرے تو یہ اس کی کوتاہ بینی اور غلط

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

اور غلط اندیشی ہے۔ کیا انسان کا وجود اور اس کا ہر فعل اللہ تعالیٰ کی مشیت و ارادہ اور قدرت ہی کا ظہور نہیں ہے؟ اللہ تعالیٰ کی سنت و تقدیرات اسی طرح جاری ہیں کہ بعض مخلوق سے بعض کو تقویت دیتا اور تکمیل تک پہنچاتا ہے۔ اس کی بتائی ہوئی ہدایت اور تقدیرات اشیاء کے علم سے اس سلسلہ میں معمولی تصرف اور کارگزاری کرنے کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ انسان ان کا خالق اور نشوونما دینے والا بن گیا ہے۔ ان کی مختلف انواع کا پیدا کرنا اور تقدیرات کو معین فرمانا۔ اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہے اور اس امر میں اس کا کوئی شریک نہیں اگر کوئی تمیز نظری سے عاری، عقل کا اندھا اور ضدی آدمی انسان کے اختیار کی وسعت میں ہی گم ہو جائے۔ اور اس کے اختیار میں مجبوری کا ملاحظہ نہ کر سکے تو اس سے پوچھنا چاہیئے کہ ابتداءً اور روزِ اول میں یہ مختلف اجناس اور ان کے تخم انسان نے کس طرح حاصل کئے؟ کیا ان کی ہر نوع کو اس نے اپنے ارادہ و اختیار سے بنایا ہے؟

اس سوال پر ہر انسان کا یہی جواب ہو گا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت و قدرت سے پیدا ہو کر ظہور میں آئے اور انسان کو دستیاب ہوتے ہیں۔ بلکہ گمان غالب ہے کہ انسان کی پیدائش سے قبل ہی یہ روئے زمین پر موجود ہوں۔ اہلِ عقل و فکر کے لئے تو یہ آیاتِ حق کی طرف جذب ہونے کا یقینی ذریعہ ہیں۔ کیونکہ عقل ایک ایسا جوہر منور ہے جو اپنی روشنی سے حقائق اشیاء و امور کو دکھاتا اور ان کا ادراک کراتا ہے۔ اگر اسے اس کی فطری حالت پر قائم رہنے دیا جائے تو ہر صاحبِ عقل ہدایت کی راہ کو اختیار کر سکتا ہے اور اشیاء و امور کو حق تعالیٰ کی طرف سے دیکھنے میں اس کے لئے کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی۔

نفس سے مغلوب عقل

مگر جو لوگ اپنے نفسی اشتغال اور سفلی خواہشات کی شدت میں اپنی کمزور عقلی روشنی کو چھپا لیتے ہیں اور ان کی بہیمی خواہشات اس پر غالب آ کر اسے غلامانہ حیثیت دے دیتی ہیں تو وہ ضعیف و مضمحل عقل ان کی خدمت گزاری کے لئے آمادہ ہو جاتی ہے اور اپنی حقیقی ہدایت و ذاتی رہنمائی کے برخلاف نفس کے اشاروں پر حرکات کرنے لگتی ہے۔ ان لوگوں کی تیزی و ذکائی دراصل حواس کی قوت کی نمائش ہوتی ہے اور

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

عقل کا نورانی حصہ اس میں بہت کم ہوتا ہے۔ خالص عقل کا تو کام ہی دور اندیشی اور آئندہ پیش آنے والے حالات و واقعات کا تجزیہ کرنا ہوتا ہے۔ جو لوگ دور اندیشی سے کوسوں دور وقتی لذات و خواہشات پر فریفتہ و دلدادہ ہوتے ہیں۔ ان کی مغلوب الحال عقل انہیں فانی لذات کے حصول کے وسائل و ذرائع اختیار کرنے میں مکر و فریب اور دھوکہ دحیلہ کو وسیلہ بنانے کی طرف رہنمائی کرتی ہے اور اس طرح اپنی خوئے غلامی میں پختہ تر ہوتی جاتی ہے۔ اہلِ دین و دانش اس قسم کی عقل کو عقلِ معاش کا نام دیتے ہیں اور یہ صرف انسان کی مادی و اقتصادی ضروریات کو پورا کرنے کے کام آتی ہے۔

دور اندیشی سے کام لینا اور آخرت کے متعلق سوچنا صرف کامل اور آزاد عقل کا کام ہے جو نفسِ امارہ کی سفلی خواہشات سے مغلوب نہ ہو اور اسی کو عقلِ معاد کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ اہلِ مشاہدہ و تجربہ کے نزدیک یہ کلیہ ہے کہ ظاہری حواس کو تقویت دے کر تیز و مشتعل کرنے سے عقل کی نورانیت و روشنی مدھم و ماند پڑ جاتی ہے۔ اور حواسِ ظاہری کے قوی و مدرکات کو کمزور کرنے سے باطنی حواس اور عقل کی روشنی تیز و تاباں ہوتی ہے اور انسان اس کے ذریعہ حقائق اشیا اور امورِ آخرت کو آسانی سے جان پہچان سکتا ہے۔ اور ان کی معرفت حاصل کرنے کے لئے جب اسے کسی طرف سے تحریک و اشارہ ملتا ہے۔ تو فوراً اس طرف متوجہ و آمادہ ہو جاتا ہے۔ یہ عقل معاد کے حامل ہی غور و فکر کے لئے اللہ تعالیٰ کی دعوت کے مخاطب ہیں اور یہی لوگ حق کی آیات سے پورا مفاد حاصل کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا بار بار اپنی آیات کو بیان فرمانا اور انسان کو ان کی طرف متوجہ کرنا اسی واسطے ہے کہ ان کی معرفت پر اس کی عظمت اس کے دل میں بیٹھ جائے اور اس حالت کو ترقی دے کر یہ توحید و عبودیت کی نسبتوں کو جمع کرتا ہوا اپنے عروج کے منتہائے مقصود تک پہنچ جائے۔

والارض مددنہا ۔ ۔ ۔ ۱۵ پ ۱۹ تا ۲۵ سورۃ الحجر ۔ ۔ ۔ انہ حکیم علیم ۝

آیات کی عظمت و وسعت سے اس کی صفات کا ادراک

آسمان اور اس کے درمیان کی مخلوقات کو کلی طور پر احاطہ فکر میں لانا ہمارے امکان کی بات نہیں البتہ زمین اور اس پر موجود اشیاء جن میں ہم خود بھی شامل ہیں۔ ہمارے فکر کی جولانی کے لئے ایک وسیع میدان ہے۔ حق تعالیٰ کے بیان کردہ نشانات و اشارات کے مطابق ہم اس میں موجود اشیاء و امور پر فکر

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کے اس کی عظمت و ربوبیت کے اثرات کو واضح اور مفصل طور پر دیکھ سکتے ہیں۔ جس زمانے میں ان آیات کا نزول ہوا ہے۔ اس کے حالات اور ان کے اولین مخاطب لوگوں کے ذرائع آمد و رفت اور رسل و رسائل کے اعتبار سے زمین کی وسعت اس کا پھیلاؤ اور اس کے سمندر کا احاطہ ہی اتنی بڑی چیز ہے کہ فکر و عقل کو اس محیط ہونے کیلئے اور اس کے دور دراز گوشوں کو معلوم کرنے میں جس کد و کاوش اور محنت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ وہ انہیں عاجز

و مغلوب کر لیتی ہے اور انسان اس کی طبعی ہیئت و جغرافیائی اختلافات کو دیکھ کر ہی اس کے خالق کی عظمت و قدرت کے کمال کا مقر و معترف ہو جاتا ہے۔

سائنس کی اس قدر ترقی اور ذرائع آمد و رفت کی فراوانی کے باوجود آج بھی عوام کے لئے زمین کے سارے گوشوں کا دیکھنا۔ اس کے صحراؤں اور سمندروں میں گردش کرنا اور اس کے پہاڑوں پر عبور پانا کوئی آسان بات نہیں ہے۔ ساری زمین تو کجا ایک عامی انسان اگر ایک سلسلۂ کوہ اور بلند پہاڑ ہی کو عبور کرنا شروع کرے تو اس کی مسافت کی درازی اور عظمت کے احساس پر جب اس کا خیال اس کے خالق کی طرف منتقل ہو جائے تو اس کی عظمت و ہیبت کا دل میں بھر جانا یقینی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی عظمت پر ایمان اور اس کے احساس و خیال کی بنا پر ہی حضور پاک، صحابہ کرام اور سلف صالحین جب کسی بلندی اور پہاڑ پر چڑھتے تھے تو دل و زبان سے اللہ اکبر کا نعرہ لگاتے اور اس کی عظمت کا ذکر کرتے تھے اور سب مومنین کو اس پر عمل کرنے کی تلقین فرماتے رہے ہیں۔

مخلصین کے اعمال کی تقلید میں دوسروں کیلئے احوال

یہ امر تقدیرات الٰہیہ میں سے ہے کہ اس کے مقبول و مخلص بندے اپنی عابدانہ حالت اور دل کی کیفیت میں جذبِ خاص کے وقت جو اقوال یا اعمال ادا کرتے ہیں اور فطری و قدرتی طور پر جو حرکات ان سے سرزد ہوتی ہیں ان کو تقلیدی طور پر ادا کرنا بھی دوسرے اشخاص کے لئے باطنی حالت اور کیفیت کو جذب کرنے کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ جس طرح عامۃ الناس وجد کو حاصل کرنے کے لئے تواجد پر مجبور ہیں۔ اسی اصول پر اکثر شرعی اعمال و اشغال جو عبادات، نماز و حج میں وارد ہیں۔ رسمی و تقلیدی حرکات کو حالی و کیفی جذبات میں تبدیل کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ ابتداً ہی پختہ عزم کی حالت کو حاصل کرنا تو خاص لوگوں

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کے لئے ہے۔ عوام کو ان کی جھوٹ موٹ نقل کرنے سے بھی سچ تک پہنچنے کا راستہ مل سکتا ہے۔ بشرطیکہ کی طلب اور عمل میں خلوص واقع ہو۔

جو لوگ اس بات کا انکار کرتے ہیں۔ انہیں فرائض و اعمال حج پر غور کرنا چاہیے۔ کیا ان میں اللہ نے اپنے مقبول بندوں کی جذب وحال کے وقت کی حرکات ہی کو اپنے شعائر قرار نہیں دے لیا ہے؟ اور ان کی تعظیم کرنے سے اللہ تعالیٰ کے وعدہ کے مطابق انسان کے دل میں تقویٰ کا شعار پیدا نہیں ہوتا؟ زمین کی پھیلاوٹ کے بعد دوسری قابل غور چیز اس پر سلسلہ ہائے کوہ کا قائم فرمانا ہے۔ اس ثقیل وزن سے زمین کے کسی باطنی تقاضا اور حالت کو قائم کرنے کے علم سے تو اللہ تعالیٰ ہی بہتر واقف ہے۔ ہمارے پہاڑوں کے ظاہری فوائد ہی اس قدر عام ہیں کہ فکر کا ان سے واقف ہونا اللہ تعالیٰ کی عظمت و قدرت اور ربوبیت و حکمت بالغہ کی تسلیم و معرفت پیدا کرنے کے لئے پہاڑوں کے ذریعہ بارش کا برسنا۔ ان برف کا گرنا اور ان سے ندی نالوں کا پیدا ہونا۔ مختلف معدنیات اور زر و جواہرات کا برآمد ہونا۔ کار آمد گیس کا مہیا ہونا۔ کوئلہ کی فراہمی، گھاس اور مختلف نباتات کی بنا پر مال مویشی کی چراگاہیں اور ہر قسم کی لکڑی کا حاصل ہونا۔ غلہ و ثمرات کی پیدائش، دلکش مناظر اور صحت افزا مقامات کی وجہ سے انسانوں کی آمد اور سیر و سیاحت کا مرکز بننا۔ یہ سب ایسے فوائد ہیں۔ جو معمولی فکر و نظر کا آدمی بھی اپنے تصور میں لا سکتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ پہاڑوں کے یہ نشیب و فراز نہ فرماتا تو مذکورہ فوائد میں سے ہم کسی کو حاصل نہیں کر سکتے۔ اس کے علم و حکمت نے ہر شے کو امر حق کے ساتھ پیدا فرمایا ہے اور یہ حق ہی کا تقاضا ہے کہ ہر شے میں موزونیت واقعہ ہو گئی ہے۔

کُلُّ شَیْئٍ مَّوْزُوْن

زمین پر کی ہر چیز اپنے وجودی تناسب اور خواص و اقدار کے اعتبار سے نہایت موزوں اور حسن ظاہری و باطنی کی حامل نظر آتی ہے۔ اور لفظ موزوں کے عام اصطلاحی معنے جو ہمارے بول چال میں رواج پذیر ہیں ہر شے کی حقیقت پر مناسب اور فٹ آرہے ہیں۔ اگر کسی شے کو نقصان و مضرت کے اعتبار سے ہم فضول اور غیر مفید قرار دیتے ہیں تو یہ اس کی کلی حقیقت پر ہمارے علم کے عدم احاطہ کی وجہ سے ہے کائنات کی بہت سی اشیاء ایسی ہیں۔ جن کے ظاہری و باطنی نفع یا نقصان کے متعلق ہماری علمی معلومات تشنہ تکمیل

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کسی شئے کا ہمارے لئے ہر طریق اور ہر حالت پر ضرر رساں ہونا اس کی خلقت میں طبعی موزونیت سے انکار کی وجہ نہیں بن سکتا۔ ہر شئے کا خاص تقدیرات کا پابند ہونا بھی موزونیت کا ایک حصہ ہے۔ اور انہی کے ذریعہ ہر شئے کے وجود میں ایک نظام اور خاص ہیئت ترکیبی کا اظہار ہے۔ جس مقام اور جس جگہ پر کسی شئے کی تخلیق کی ضرورت اور مناسبت تھی۔ اسے اسی مقام پر پیدا فرمایا گیا ہے۔ اور اس شئے کی ضرورت اور طبعی اس کے اعتبار سے ہم اسے ہرگز غیر موزوں نہیں کہہ سکتے۔

جس موسم میں ہمیں جس غلہ یا پھل کی طبعی و طبی اعتبار سے اشد ضرورت ہوتی ہے اسے اسی موسم میں ہی پیدا فرمایا گیا ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اسی بنا پر ہمارے عالم و فاضل اطبا و حکما اس بات کا مشورہ دیتے ہیں کہ انسان کی صحت کے لئے موسمی پھل کا استعمال کرنا نہایت ضروری و مفید ہے اور ایک موسم کا پھل محفوظ کر کے دوسرے موسم میں استعمال کرنا صحت کے لئے غیر مفید اور مضرت کا متحمل ہے۔ اسی طریق پر ہر ملک میں اس کے طبعی و جغرافیائی تناسب و اعتبار کی موزونیت سے مختلف غلے اور پھل پیدا کئے گئے ہیں اور اس ملک کے باشندوں کے لئے ان کا استعمال کرنا صحت کے لئے ضروری اور لازمی ہوتا ہے۔ اگر وہ اپنے ملک کی اشیاء کو چھوڑ کر دوسرے ممالک کی اشیاء کثرت سے استعمال کریں تو ان کے طبعی تقاضوں میں ضرور رکاوٹ واقع ہوگی۔ اب اگر وسائل رسل و رسائل اور ذرائع آمد و رفت کے اعتبار سے تمام دنیا ایک ملک اور برادری کی حیثیت اختیار کر لے اور ہم اپنے ملک میں کسی شئے کی پیداوار میں کمی کی وجہ سے دوسرے ممالک کی اشیائے خوردنی استعمال کرنے پر مجبور ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ ہماری جامعیت میں وسعت فرما کر ان اشیاء کے ساتھ ہماری طبعی مناسبت اور موزونیت کو برقرار کر دے گا۔ یہ بات اس کی قدرت و حکمت سے بعید نہیں ہے۔ پہاڑی اور سرد ممالک میں جو انسان اور جانور پیدا ہوتے ہیں۔ ان کی ہیئت اور طبیعت اس موسم و حالت کے بالکل مناسب ہوتی ہے۔ اگر انہیں گرم و میدانی ممالک میں بسایا یا آباد کیا جائے تو اس منتقلی پر کچھ عرصہ بعد فطرت ان میں ظاہری ہیئت اور طبعی خواص کے اعتبار سے تبدیلی فرما دیتی ہے۔ انسان چونکہ اپنے عقلی ذرائع سے موسمی حالات کا مقابلہ کرتا اور ان کے نقصان سے محفوظ رہ سکتا ہے۔ اس لئے اس میں یہ تبدیلی جلدی واقع نہیں ہوتی۔ مگر جانوروں میں جن کی صحت و حفاظت محض قدرت الٰہی ہی کے ذمہ ہے۔ جلد اس تبدیلی کا اظہار ہو جاتا ہے۔

سرد ممالک کی بھیڑ بکریاں جب گرم ممالک میں منتقل کی جاتی ہیں تو ان کے وجود پر سے لمبی لمبی

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

اون وبال اور بہت بڑی بڑی چکتیاں آہستہ آہستہ کم ہونی شروع ہو جاتی ہیں اور بالآخر موسمی ضرورت کے مطابق ہی ان کا وجود باقی رہ جاتا ہے۔ اس طبعی تبدیلی کو ہم اپنے ملک پنجاب میں بھی جہاں شدید گرمی و سردی پڑتی ہے۔ موسم کی تبدیلی پر جانوروں کے بالوں میں کمی بیشی کے انقلاب سے دیکھ سکتے ہیں۔ یہ ایک معمولی مثال ہے جو قدرت نے ہر شے میں موزونیت کے سلسلہ کو برقرار رکھنے اور اپنی ربوبیت کی دلیل کے اظہار کے طور پر ہماری نظر کے سامنے کی ہے۔ اگر ہمارا فکر و خیال حقائق کو سمجھنے کی قابلیت پیدا کر لے تو زمین و آسمان اور ان کے درمیان کوئی شے ایسی نہیں ہے جو اپنے وجود سے اس کی حسن صنعت اور اپنی موزونیت کا اظہار نہ کر رہی ہو۔

ربوبیتِ حق

زمین کے اوپر تمام دنیا میں اللہ تعالیٰ نے انسان کی معیشت و معاشرت اور دیگر جاندار اشیا و حیوانات کی ربوبیت و رزق رسانی کا جس طرح انتظام فرمایا ہے۔ اسے دیکھنے سے یقیناً ہمیں اللہ تعالیٰ کی عظمت و قدرت کا معترف ہونا پڑتا ہے۔ مگر جنہیں اس بات کا ادراک نہیں ہوتا۔ انہیں انسان کا تھوڑا سا اختیار اور ذاتی تگ و دو مجہول و غافل بنائے ہوتے ہیں۔ اور وقتی و عطائی استعمار کی وجہ سے اس کی اکثریت ربوبیت کو اپنی ذات سے منسوب کئے ہوئے ہے۔ اس لئے اپنی ذات کے متعلق اللہ تعالیٰ کے الطاف کو دیکھنا اس پر مشکل ہو رہا ہے اور جن جانوروں کو یہ اپنے ہاتھ سے رزق پہنچاتا ہے۔ ان کے متعلق بھی اس کا یہی گمان باطل ہے کہ وہی ان کا رب اور روزی پہنچانے والا ہے۔

لیکن اگر اسے اللہ تعالیٰ توفیق دے اور یہ اپنی فکر و نظر کو اس عظیم مخلوق کی ربوبیت کی طرف لگائے جن کے رزق پہنچانے میں انسان کا کوئی واسطہ اور عمل دخل نہیں ہے۔ تو شاید وہ دیگر جانوروں اور اپنے آپ کو بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے روزی پانے والا اور اس کا مربوب سمجھ لے۔ سمندروں، دریاؤں پہاڑوں، جنگلوں، زمین کے غیر آباد حصوں اور فضاؤں میں کتنی کثیر مخلوق ہے۔ جس کو اللہ تعالیٰ براہِ راست روزی پہنچاتا اور ان کی نشوونما فرماتا ہے۔ یہ مخلوق صرف ہوا یا پانی کھا کر پرورش نہیں پاتی بلکہ ہماری طرح ٹھوس غذا اور اس کے جدا جدا اجزاء کو حاصل کرتی ہے اور اگر غور سے دیکھا جائے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت چھوٹے سے چھوٹے جاندار پر بھی اپنی نگاہ رکھے ہوئے ہے۔ انہے روزی پہنچانے

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کا سامان اس کے ذمہ ہے۔ وَمَا مِن دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا - اور وہ اپنی رحمت سے اپنے وعدہ کو ہر ایک کے لئے پورا فرما رہا ہے۔

توکل کے احوال

اس بارہ میں حقیقی معرفت تو ان لوگوں کو حاصل ہوتی ہے۔ جو اس کی ذات پاک پر ایمان لانے کے بعد عملی طور پر توکل اختیار کرتے ہیں اور اپنے عقلی حیلہ کو چھوڑ کر اس کے حضور میں بالکل ساکت و صامت ہو جاتے ہیں۔ اور حصولِ رزق کے لئے اپنی تگ و دو اور حس و حرکت کو چھوڑ دیتے ہیں۔ انہیں جب اللہ تعالیٰ اپنے خزانہ مغیب سے روزی پہنچاتا ہے تو وہ ساری مخلوق کی ربوبیت کے بھید سے بھی واقف ہو جاتے ہیں اس وقت انسان یہ جان لیتا ہے کہ وہ جس طرح اللہ تعالیٰ پر گمان کرے اور جس طریق پر اس سے روزی طلب کرے اسے اسی طرح مہیا کی جاتی ہے۔

اگر انسان اپنے رزق و روزی کو اپنی عقل سے متعلق کر لے تو اسے عقل ہی کے سپرد کر دیا جاتا ہے۔ اور انسانی اکثریت اسی راہ پر گامزن ہے۔ لیکن جو لوگ عقلی حرکت کو چھوڑ کر اپنے آپ کو بہائم کے درجہ پر لے آتے ہیں۔ انہیں ان کے طریق پر روزی دی جاتی ہے اور جو اس درجہ سے بھی نیچے اتر کر نباتات اور جمادات کی صورت اختیار کر لیتے ہیں اور اپنی کوشش و حس و حرکت سے باز آجاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی ربوبیت و پرورش انہی کے طریق پر فرمانے لگتا ہے اور اس امر پر پوری طرح غالب و قادر ہے۔

ان لوگوں میں سے باطن میں ساکن و غیر متحرک ہونے کے باوجود جو لوگ عام انسانی مخلوق میں اللہ تعالیٰ کی سنت جاریہ اور طریق کار کے احترام کے طور پر اور اپنے مبارک احوال کو لوگوں سے چھپانے کے لئے ظاہری اسباب کو مہیا کرتے ہیں۔ ان کا درجہ اور زیادہ ہے۔ اس لئے کہ ان کے باطن کا توکل و اعتماد تو اللہ تعالیٰ پر ہوتا ہے اور ظاہر میں شریعت کی عمومی راہ پر گامزن ہوتے ہیں۔ عامۃ الناس چونکہ اس راز اور حال سے عملی طور پر واقف نہیں ہیں۔ اور نہ وہ اس کے لئے مکلف بنائے گئے ہیں۔ اس لئے انہیں اللہ تعالیٰ کی کامل ربوبیت پر ایمان لانے کے لئے مذکورہ عقلی و فکری دلائل کی طرف ہی رجوع کرنا پڑتا ہے۔ یہ عجیب تماشا ہے۔ جو امر اس کی قدرت و ربوبیت، حکمت و غلبہ اور تعین و استحکام تقدیرات کا سب سے بڑا عنصر ہے۔ وہی ہماری جہالت و غفلت کا باعث بن رہا ہے۔ اور ہم اس بات

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کے کہنے پر مجبور ہیں کہ اس کے افعال و صفات کا شدتِ ظہور ہی اس کی معرفت کا حجاب ہے۔

حق تعالیٰ کا غلبہ و جلال

اگر ہم اس کے حضور سے کسی شے کو طلب کریں۔ اور وہ فوراً ہماری منشا کے مطابق ہم تک پہنچ جائے تو شاید ہم اس کی ربوبیت پر آسانی سے ایمان لے آئیں۔ مگر امور کے اس طرح ہماری منشار کے مطابق واقع ہونے پر اس کا قہر و غلبہ اور صفاتِ جلال کہاں جائیں اور اس خودی و انانیت کے ہوتے ہوئے ہماری منشار کا اس کی مشیت کے ساتھ شریک ہو جانا اسے کس طرح گوارا ہو۔ اس لئے یہ بات امر واقعہ نہیں ہے اور ہماری اکثر خواہشات تشنۂ تکمیل رہتی ہیں۔ اس کے خزانہ میں کوئی کمی نہیں ہے اور ہر شے اپنی انتہائی مقدار میں جو اس کے علم کی اقدار پر ہے۔ اس کے قبضۂ قدرت اور تصرف میں موجود ہے۔ ان اشیاء کو قدرِ معلوم پر نازل فرمانا اور خاص تقدیرات سے متعین کرنا اس کی ذات کے کبریا اور جبرو حکمت کا تقاضا ہے اور ہر شے کو محتاج و مغلوب رکھنے میں ہی اس کے قہر و جلال کا اظہار ہے۔ وہ جس طرح چاہتا ہے اسی طرح اس عالم کا نظام چل رہا ہے۔ اور اس کی خواہش کے خلاف کسی طریق میں حسن و خوبی کا یہ مظاہرہ نہیں ہو سکتا۔ اگر ہماری خواہشات پر اس عالم کا نظام مرتب کیا جائے تو ایک دن بھی قائم نہیں رہ سکتا۔ اور ہماری خواہشات کا تضاد اسے تہ و بالا کر کے رکھ دے۔

یہ امر اس کی توحید و وحدت کا ثبوت بھی ہے اور نظامِ عالم کی خوبی بھی اسی سے وابستہ ہے کہ اس کے امور میں کوئی شریک نہ ہو اور سب کام اس کی ذاتی مشیت اور تقدیراتِ معینہ سے ہی ظہور پذیر ہوں۔ اشیاء و امور کے قدرِ معلوم پر نازل نہ ہونے پر جو صورتِ حال واقع ہوتی۔ اس کے متعلق ہم پہلے چند مثالیں تحریر کر چکے ہیں اور قیامِ حق کی تشریح میں یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ جو کچھ اس کی طرف سے وارد ہو رہا ہے۔ اس کے سوا اصلاح کی کوئی اور صورت نہیں ہے۔

بارش و باراں اور پانی کا نظام

یہ اس کی ربوبیت کا سب سے بڑا اور بنیادی نشان ہے جو اس نے ہواؤں کو سمندر کے پانی سے بھرپور کر کے پہاڑوں کی طرف چلایا اور انہیں مختلف عوامل سے گزار کر بارش کی صورت میں پانی کو

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کو زمین پر برسا دیا۔

وہ اس کی جس مقدار پر قادر ہے۔ اس کا تھوڑا سا اظہار کبھی کبھی بارش کی زیادتی سے محسوس ہو جاتا ہے۔ مخلوق پر یہ اس کی رحمت ہی ہے کہ وہ بالعموم اسے ضرورت کے مطابق اور مقدار مقررہ پر ہی نازل فرماتا ہے۔ اور پھر اس کی زائد مقدار کو زمین میں جذب کر کے محفوظ کرتا ہے۔ جسے بعد میں انسان چشموں اور کنوؤں کی صورت میں استعمال کرتا اور اپنی آب نوشی و آبپاشی کی ضروریات کو پورا کرتا ہے۔ اگر اس کی طرف سے اس کا مستحکم انتظام واقع نہ ہو تو بیچارے انسان کا کیا مقدور ہے کہ وہ اپنی ضروریات کے لئے پانی مہیا کر سکے۔ یہ اللہ تعالیٰ ہی کی قدرت ہے جو اس قدر پانی نازل فرماتا ہے۔ جس سے ساری مخلوق کی ضروریات پوری ہوتی ہیں۔ اور اس سے ہر قسم کے نباتات اور ثمرات و ماکولات پیدائش و پرورش پاتے ہیں۔

پانی ایک ایسی بنیادی ضرورت ہے۔ جس کے بغیر کسی چیز کی زندگی قائم و برقرار نہیں رہ سکتی۔ اور ہر شے کی ابتدائی تخلیق بھی اللہ تعالیٰ کے فرمان وَخَلَقَ مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ کہ ہم نے ہر زندہ شے کو پانی سے پیدا فرمایا ہے۔ انسان کا عمومی تجربہ و مشاہدہ اس کی تصدیق کرتا ہے۔

قیامت کا امرِ عظیم

جن لوگوں کے دلوں میں کفر و انکار نے مضبوطی سے جڑیں جما رکھی ہیں۔ جب داعیانِ حق ان کے سامنے قیامت کا بیان کرتے ہیں تو وہ ظالم از راہ شوخی و شرارت کہنے لگتے ہیں کہ یہ امر ان پر ابھی وارد کیوں نہیں ہوتا۔ اور اس کے وقتِ مقررہ کے متعلق سوال کرنے لگتے ہیں۔ حالانکہ اس وقت کا مخفی و مستور اور پردۂ غیب میں رکھنا اللہ تعالیٰ کی خاص حکمت اور خلقت کے حق میں بڑی اہم مصلحت کا تقاضا ہے۔ ان مشرکین کا اللہ تعالیٰ اور انبیائے کرام کے ساتھ شوخی و شرارت کرنا اور غفلت و جہالت سے ایسے حقائق کے متعلق سوالات کی جرأت کرنا جن کے بارہ میں انہیں صرف اللہ تعالیٰ کی عظمت اور خوف کو ملحوظِ خاطر رکھنا چاہیے تھا۔ ان کے لئے مستقل گمراہی اور خدا کی غیرت کا سبب بنتا ہے۔

انسانی وجود میں اللہ تعالیٰ کی ذات پر دلائل

اللہ تعالیٰ کی ذات اور کمالِ صفات پر سب سے بڑی شہادت اور روشن دلیل خود انسان کی ذات

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

اور اس کی تقدیرات ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اسے پیدا کیا۔ خاص تقدیرات کا پابند بنایا اور اس کے لیے اجل یعنی موت کو مقرر فرمایا۔

یہ امر انسان کی تقدیرات ہی میں مندرج ہے کہ وہ پیدا ہونے کے بعد بتدریج نشوونما حاصل کرتا اور ایک خاص وقت پر اپنے وجود کی تکمیل کو پاتا ہے۔ اس کے بعد اس کے اضمحال و کمزوری کا دور شروع ہو جاتا ہے۔ جس طرح تدریجاً اعضا و قوی میں فروغ حاصل ہوتا رہا تھا۔ اسی طرح بتدریج ان میں ضعف واقع ہوتا جاتا ہے۔ اس عمل میں کوئی بات بھی انسان کے ذاتی اختیار اور قبضہ و قدرت میں نہیں ہے۔ اچھی غذا اور حفظانِ صحت کے اصولوں پر پابندی سے وہ اپنی صحت کو بحال رکھنے اور کچھ مدت زیادہ زندہ رہنے کے سوا اور کچھ نہیں کر سکتا۔ جس طرح وہ بڑا ہونے اور پروان چڑھنے میں مجبور ہے۔ اسی طرح موت کی طرف جانے اور ضعف و کمزوری کو اپنانے میں بھی مقررہ تقدیرات کا پابند ہے۔ اگر انسان کے ساتھ کوئی حادثہ یا بیماری پیش نہ آئے۔ تو بھی اپنی طبعی خاصیت و اقدار کے اعتبار سے وہ کمزور در مضمحل ہو جانے اور بچپن کے حالات کی طرف رجوع کر کے بالکل معذور و ناتواں بن جانے پر مجبور ہے۔ بعض انسانوں کو اللہ تعالیٰ ان کی عمر کی طوالت کی وجہ سے اس صورتِ حال سے دوچار کر کے سب کے لیے اپنی قدرت و مشیّت کے اظہار کا نمونہ بناتا ہے۔ اور دیکھنے والوں کے لئے عبرت و بصیرت کی دلیل بنتی ہے۔ اس حالت میں انسان بالکل اندھا، بہرہ، حواس سے عاری کمزور و ناتواں ہڈیوں کا ڈھانچہ ہو کر رہ جاتا ہے اور اس کی کیفیت بالکل اسی طرح ہو جاتی ہے۔ جیسے ماں کے پیٹ میں بے حس و حرکت گوشت کا لوتھڑا تھا۔

احوال کے اس تبدّل میں کیا انسان کا کوئی اختیار ہے؟ کیا وہ اپنی اس آخری حالت کو اپنے دل میں پسند کرتا ہے؟ انسان کی یہ مجبوری ہی اس کے خالق کے وسیع اختیار کا عنوان ہے۔ اور اہلِ بصیرت کے لیے ان باتوں میں ہی اس کے واحد القہار ہونے کا ثبوت پایا جاتا ہے۔ بعض لوگ عمر کی درازی چاہتے ہیں۔ اور انہیں نصیب نہیں ہوتی اور بچپن و جوانمرگی میں مرجانا تو کوئی پسند نہیں کرتا۔ لیکن یہ بات سب کے سامنے ہے کہ جب موت آجاتی ہے تو کوئی اسے ٹال نہیں سکتا۔ کیا یہ خالقِ کائنات کی قدرتِ مطلقہ اور جباری و قہاری کا ثبوت نہیں ہے؟

اس کی مشیّت کے دروں خانہ اس کے علم نے جس طرح اشیا کو دیکھا ہے۔ وہ اسی طرح وقوع پذیر

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ہونے پر مجبور ہیں اور کسی شے کو اس کے حضور میں عذر و سوال کی مجال نہیں یہی اس کے علیم و قدیر ہونے کی تفسیر ہے اور انہی صفات کے قبضہ میں سارے عالم کی تقدیر ہے۔

جبری مساوات فطرت کے خلاف ہے

جس طرح انسانی عمر میں تفاوت اور کمی بیشی اس کی قدرت مطلقہ پر دلیل ہے۔ اسی طرح رزق و روزی میں فرق و اختلاف بھی اسی بات کو ظاہر کرتا ہے اور اس میں بندوں کے لئے امتحان ہے۔ جبری مساوات فطرت کے خلاف ہے مگر رضا و رغبت سے اپنے رزق میں دوسروں کو حقدار سمجھنا اور شریک بنانا انسان کی سعادت اور فلاح و بہبود کا باعث ہے۔ اس میں محتاج و مسکین کی پرورش اور خرچ کرنے والوں کے لئے اجر عظیم ہے۔ اگر جبری مساوات کو عام کر دیا جائے تو غریب کے لئے صبر و رضا اور امیر کے لئے جود و سخا کا ثواب مفقود ہو جائے۔

اسلام کی تعلیم

اسلام میں جہاں اجتماعی مفادات کا تحفظ کیا گیا ہے۔ وہاں انسان کی انفرادی آزادی و خودی کو بحال رکھنے کا بھی خاص اہتمام ہے اور اس کے اعمال کو نیت و ارادہ کے ساتھ وابستہ کر کے بروئے کار لانے کی تعلیم دی گئی ہے۔ کسی اجتماعی جبر سے اس کی حقیقی آزادی کو کچلنے کی کوشش نہیں کی گئی ہے اور آزاد و خود مختار افراد کی اجتماعیت ہی سے معاشرہ کی تعمیر و تکمیل کا انتظام فرمایا گیا ہے۔ اس میں تعلیم و تلقین کے ذریعہ عملی مساوات پیدا کرنے کا اہتمام فرمایا گیا۔ اسی طرز عمل میں ہر انسان اپنے انفرادی اعمال کے اجر و ثواب کا حقدار بن سکتا ہے۔ اور یہی طریق فطرت انسانی کے تقاضوں کے عین مطابق ہے۔

شریعت حقہ میں جہاں غرباء کو صبر و قناعت اور تسلیم و رضا کا حکم ہے۔ وہاں امراء کے لئے جود و سخا صدقہ و خیرات اور حسن سلوک کی تعلیم دی گئی ہے۔ اور ان پر عمل کرنے سے ہر دو فریق حسن معاملہ و ثواب دارین کو اپنا لیتے ہیں۔ زکوٰۃ و صدقات کے اجتماعی طور پر اجراء سے سوشلزم اور مساوات کا مفاد خود بخود حاصل ہو جاتا ہے۔ اور اس میں انفرادی خودی بھی شدت کے ساتھ مجروح نہیں ہوتی۔

اجتماعی نظام کے بروئے کار نہ ہونے کی صورت میں امراء غرباء کے حال سے بے اعتنائی کر لیتے ہیں۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

دولت کو اپنے لئے خاص کر لینے کے جذبے سے ہی دنیا میں ہر قسم کے فتنہ و فساد پیدا ہو رہے ہیں۔ اور اخلاقی برائیاں فروغ پا کر انسانیت کو گھن کی طرح کھا رہی ہیں۔ اکثر غربا، احتیاج کی وجہ سے ہی گداگری اور چوری کے ذلیل و ضرر رساں پیشہ پر آمادہ ہو جاتے ہیں اور جب انہیں موقعہ ملتا ہے تو گروہ بندی اور عصبیت کو مضبوط کر کے امراء کو لوٹتے اور انہیں قتل و غارت کرتے ہیں۔ آج دنیا مساوات اور عدم مساوات کے نظریات کو ہوا دے کر ہی دو متحارب گروہوں میں بٹی ہوئی ہے۔ اور ان کی آپس میں جنگ ہر وقت دنیا کی تباہی کا خطرہ اپنے اندر چھپائے ہوئے ہے۔

اگر لوگ اسلام کی تعلیم پر عمل کریں تو یہ خطرہ ہمیشہ کے لئے ٹل سکتا ہے۔ اور امراء و غربا آپس میں شیر و شکر کی طرح مل کر دنیا کے حسن و خوبی میں اضافہ کر سکتے ہیں۔ اس تعلیم کا ماحصل یہی ہے کہ لوگ نعمت کو خدا کی طرف سے سمجھ کر غربا کے حق کو اس میں تسلیم کریں اور خزانوں میں جمع کر کے صرف اپنے نفس کا عیش حاصل کرنے کی بجائے غربا کی ضروریات کو پورا کریں۔ یہ عملی مساوات ہے جو اسلام نے بغیر تشدد کے پیش فرمائی ہے اور اس پر کاربند ہونے سے انسان کی ظاہری و باطنی، مادی و روحانی اور انفرادی و اجتماعی ساری تکلیفات اور نقائص دور ہو کر ان کے جسم و روح میں پاکیزگی اور حسن و خوبی آجاتی ہے۔ عدم تشدد کی اس ایمانی تعلیم میں انسان کی روحانی ارتفاع اور اخلاقی اقدار میں جو فروغ حاصل ہوتا ہے۔ وہ متشددانہ مساوات میں کسی طرح پیدا نہیں ہو سکتا۔ اپنی نیت و ارادہ سے اللہ کی راہ میں مال کے خرچ کرنے اور جود و سخا سے انسان کے دل میں جو وسعت و نورانیت پیدا ہوتی ہے وہ کسی اور عمل سے حاصل نہیں ہو سکتی۔ اسی لئے سخی کو حبیب اللہ اور جنت کا حقدار قرار دیا گیا ہے۔ اور اس کے مقابلہ میں بخیل کے لئے ان انوار میں سے کوئی حصہ نہیں ہے۔

افراد انسانی کی جس قدر قوت رزق کو ناجائز طور پر اپنے قبضہ و تحویل میں لینے کے لئے خرچ ہو رہی ہے۔ اگر اسی قوت کو اس کی پیداوار کے بڑھانے کے وسائل پر لگا دیا جائے تو دنیا میں کئی گنا زیادہ رزق کا اضافہ ہو سکتا ہے۔ انسان کی سب سے بڑی روحانی بیماری دولت کو دوسروں سے چھین کر اپنے پاس جمع کرنا ہے۔ اور اس کے اسی نظریہ نے زمین پر فتنہ و فساد برپا کر رکھا ہے۔ اگر انسان کے دل سے یہ خیال دور ہو جائے اور وہ اپنی جائز ضرورت کے مطابق خرچ کے لئے مال و دولت اپنے پاس رکھے اور زائد از ضرورت کو دوسرے حاجتمندوں میں تقسیم کر دے تو جس قدر پیداوار آج دنیا میں ہو رہی ہے۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

اسی کے جائز استعمال سے روئے زمین کے انسانی دلوں سے رزق کے متعلق بے اطمینانی کی اٹھنے والی لہر کو روکا جاسکتا ہے۔ یہ انسان کے دل اور ایمان کی کمزوری کا نتیجہ ہے کہ وہ اپنے مادی مستقبل کو محفوظ کرنے کی جدوجہد کو اتنا طول دیتا ہے کہ اس کے مقابلہ میں وہ اپنے دوسرے نہایت اہم فرائض حیات کو ادا کرنے سے قاصر رہ جاتا ہے۔ اور اس طرزِ عمل سے وہ معاشرہ میں ناہمواری اور خود اپنے مقصدِ حیات سے دور نکل جانے کا نقصان اٹھاتا ہے۔

ایمان کے بعد توکل و استغناء اور طولِ امل سے اجتناب ہی ایسے اخلاق و اعمال ہیں جو انسان کو شدتِ حرص سے روکتے اور رزق کے متعلق اس کے حالاتِ حاضرہ پر قناعت و اطمینان دلاتے ہیں۔ ایسا شخص تھوڑی چیز میں زیادہ فارغ البالی سے زندگی گزار سکتا ہے۔

جن لوگوں کو نعمائ حاصل ہیں۔ اور وہ انہیں اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ وہ حقیقتاً خوش نصیب ہیں۔ اور دنیا و آخرت کے مفادات کو اپنانے کا انہیں سب سے زیادہ موقع حاصل ہے اگر وہ نعمت کے ساتھ اللہ کے شکر کو جو ان پر واجب ہے پورے طور پر بجالائیں تو دنیا کے آرام کے ساتھ وہ آخرت کی فوز و فلاح بھی حاصل کر سکتے ہیں۔

روزِ قیامت اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں

آخرت اور روزِ قیامت جو تمہیں دور و بعید نظر آتا ہے۔ اور جس پر یقین کرنے میں تم دقت محسوس کر رہے ہو اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک [illegible] کی جھپکی یا اس سے بھی زیادہ قریب ہے۔ اس بات کے اظہار کرنے میں اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کی کلیت اور عظمت کو ظاہر فرمایا ہے۔ اس کی عظمت ہی کی یہ شان ہے کہ اس کے امر کن سے ہر چیز ظہور پذیر ہو جاتی ہے۔ انسان اس کی اس شان کو کسی مثال سے ظاہر نہیں کر سکتا اور وجدانی طور پر معلوم علم کو ظاہر و بیان کرنے کے لئے بھی اسے کوئی اسلوب و انداز اور مناسب الفاظ نظر نہیں آتے۔ اللہ تعالیٰ کی صفات کے اظہار میں اپنے لغت و بیان کی بے مائیگی انسان کو نمایاں طور پر محسوس ہوتی ہے۔ اور اکثر عالم و صاحب بیاں اس میں مغالطہ کھاتے ہیں۔ اس کی ذات و صفات میں حدوث واقع نہیں ہو سکتا اور وہ زمان و مکاں کے سارے تعینات سے ماورئی ہے۔ ہمارے ہزاروں سال بلکہ ازل سے

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

لے کر ابد تک کی ساری مدت اس کی ایک نگاہ کے سامنے ہے۔

امر قیامت جو ہمارے نزدیک شاید ہزاروں سال بعد آنے والا ہے۔ اس کی پہلی اور اولین نگاہ کے سامنے ہے۔ اور اس کی اسی نگاہ نے چونکہ قیامت کے بعد کے احوال کو بھی احاطہ کیا ہوا ہے۔ اس لئے اس کی نگاہ کی کلیت ۔۔۔۔۔۔ کے اعتبار سے وہ اس کی جھپکی سے بھی قریب واقعہ ہے۔ اس کی ذات کی عظمت کی کوئی حد و انتہا نہیں جسے انسان کسی طرح اپنے حیطہ میں لا سکے۔ اس لئے جس قدر انسان کا علم اور معرفت زیادہ ہو جاتے ہیں۔ وہ اپنے عاجز ہونے کے احساس اور اللہ تعالیٰ کی عظمت سے مرعوب ہونے اور خوف کھانے پر زیادہ مجبور ہوتا جاتا ہے۔ اور انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء کی حقانیت اس پر زیادہ روشن و واضح ہوتی جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ذاتی علم جو کائنات پر محیط ہے۔ کسی وقت اس سے علیحدہ نہیں ہوتا۔ اور ہر شے کا اس کے علم میں مندرج ہونا ہی اس کی ایک نگاہ میں سما جانے کے مترادف ہے۔ جب اس نے ہمارے لئے قیامت کے غیب سے پردہ نہیں اٹھایا ہے۔ اور اس کے ظہور کے اسباب بھی کلی طور پر اسی کے ہاتھ میں ہیں تو ہمارے لئے ایک لحظہ کے بعد اس کے وارد ہو جانے کے امکان پر یقین کرتے میں عقلی طور پر کوئی اشکال نہیں ہے۔ جب ہم معمولی واقعات مثل زلزلہ، پہاڑوں کی آتش فشانی، سمندر کا جوش و خروش، سیلاب اور طوفان باد و باراں کا علم غیب نہیں رکھتے اور ان کے روکنے کی ہمارے اندر کوئی قوت نہیں ہے۔ تو قیامت کے متعلق حق تعالیٰ کی بتائی ہوئی بات میں ہم کس طرح انکار کر سکتے ہیں۔ جبکہ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

اللہ کی قدرتِ مطلقہ

اس کی قدرتِ مطلقہ کو سمجھنے کے لئے ہمارے لئے یہ امر ہی کافی ہے کہ وہ ہمیں عدم سے وجود میں لا کر ایسے احوال سے گزارتا ہے۔ جن کے بدلنے میں ہمیں ذاتی اختیار حاصل نہیں ہوتا۔ جب اس نے ہمیں ماں کے شکم سے نکالا تو کیا ہم اپنے مستقبل کے متعلق کچھ جانتے تھے؟ اور بڑے ہو کر جن احوال و واقعات سے دوچار ہوئے وہ ہم پر جبراً وارد نہیں ہو گئے؟

دنیا سے پیچیدگی کی مثال

جنین شکم کی جس تنگ کوٹھڑی اور محدود دنیا میں رہتا ہے۔ وہ اسی کو اپنی جنت اور آرام کی جگہ سمجھتا

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

اس حالت میں اگر اسے بتایا جائے کہ اس تاریکی سے باہر اس قسم کی روشن و وسیع دنیا ہے اور اس میں ایسی ایسی نعمائ و اشیاء موجود ہیں۔ جن سے وہ لطف اندوز ہو سکتا ہے۔ تو یقیناً وہ بچہ اس پر ایمان نہ لائے گا اور خون حیض کی غلیظ غذا پر ہی قانع ہوتا ہوا ماں کے شکم میں اور زیادہ سمٹ جائے گا۔ وہ اپنی اس حالت پر مجبور ہے کیونکہ اس کے اندر عقل روشن نہیں ہے۔ جو اپنے نور کے ذریعہ دور کی حالت و کیفیت اور عمدگی کو دیکھ کر اپنے قریب اور نزدیک کی شے کو چھوڑنے پر آمادہ کر سکے۔ بالکل یہی حالت دنیا میں عقل و بصیرت سے عاری لوگوں کی ہے۔ جب انہیں آخرت کی نعمائے کے متعلق بتایا جاتا ہے۔ تو وہ ان پر ایمان نہیں لاتے بلکہ اور زیادہ سفلیت سے چمٹ جاتے ہیں۔ ایک حالت سے گزر کر دوسری کو قبول کرنے کے لئے یہ امر ناگریز ہے کہ پہلی حالت سے ہمیں قدرے نفرت اور اس کے چھوڑنے پر آمادگی حاصل ہو۔ جنین کے دل میں جب تک اللہ تعالیٰ باہر آنے کا الہام نہیں کرتا اور وہ اپنی کوشش سے اس اندھیری کوٹھری کو چھوڑنے پر آمادہ نہیں ہوتا کسی بچے کی پیدائش نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح آخرت کے انوار کو دیکھنے اور اپنانے کے لئے جب تک ہمارے دل میں دنیا کی لغویات سے نفرت اور آخرت کی پسندیدگی حاصل نہ ہو ہم کبھی اس طرف گامزن نہیں ہو سکتے۔

حصولِ آخرت کی تمنا کے اسباب

جو لوگ آخرت کی طرف راغب ہوتے ہیں۔ اس کے یہی اسباب ہوتے ہیں کہ یا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے براہ راست یا کسی فرشتہ و ولی اللہ کے ذریعہ ان کے دل میں آخرت کی عمدگی اور اس کے انوار کا الہام ڈالا جاتا ہے۔ اور یہ امر محض اللہ تعالیٰ کی رحمت سے واقع ہوتا ہے۔ اور دنیا سے نفرت پیدا ہو جانے کے بواعث میں سے کسی تکلیف، بیماری یا ناگہانی مصیبت کا وارد ہو جانا ہے اور آخرت کی عمدگی کا نظر آ جانا خود بخود دنیا سے نفرت حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔ انسان کی ذاتی جدوجہد سے حصولِ آخرت کی تمنا پیدا کرنے کے اسباب میں بڑی بات یہ ہے کہ انبیاء اولیاء اور علماء و صلحا کی باتوں پر یقین حاصل کیا جائے اور اپنے غور و فکر سے ان کی حقانیت کی معرفت حاصل کرنے کی کوشش کی جائے۔

یہ امر انسان کی طبعی و فطری مجبوری ہے کہ ایک حالت پر قائم رہتے ہوئے وہ ساری حقیقتوں کو دیکھ نہیں سکتا۔ کفر کی حالت میں شکر کی کیفیت و حقیقت سے ناواقف ہوتا ہے۔ اور دنیا کی محبت کی حالت میں آخرت کی معرفت و محبت سے بے بہرہ، اسی طرح تمام اخلاقی اقدار اور باطنی کیفیات کی صورتِ حال

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ہے۔ جب تک ایک حالت کو چھوڑ نہیں دیتا دوسری کو قبول کرنا اس کے لئے ناممکن ہوتا ہے۔ اس امکان کو حاصل کرنے کے لئے باطن میں کسی زبردست تحریک کا پیدا ہونا ضروری ہے۔ اور یہ تحریک درپردہ حقائق کو نظری و فکری مشاہدہ سے محسوس کرنے پر ہی پیدا ہو سکتی ہے۔

عبودیت پر باطنی تحریک

جب انسان اپنی عدمیت اور خدا کی خالقیت کو چشم مشاہدہ سے دیکھتا ہے۔ تو اس کا دل تو خود بخود پکارنے لگتا ہے۔ وَمَالِیَ لَا اَعْبُدُ الَّذِی فَطَرَنِی وَاِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ ہ کہ جو مجھے عدم سے وجود میں لایا۔ اس طرح سنوارا بنایا۔ اور پھر اسی کے حضور میں مجھے واپس جانا ہے تو میں اس کی عبادت کیوں نہ کروں۔ وہ انسان اللہ تعالیٰ کی عبادت کو اپنا حق سمجھتا ہے۔ اور جہاں اسے ادا کرنے کی کوشش کرتا ہے اس کی توفیق کو بھی اسی کی طرف سے وصول ہونے کا احساس رکھتا ہے۔

کسی انسان کے احسان پر اس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے آدمی اس بات کی کوشش کرتا ہے کہ صاحب احسان کی کچھ خدمت بجالائے۔ مگر اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں یہ بات مفقود ہے۔ اس کا شکر تو یہی ہے کہ انسان اس نعمت کو اس کی دوسری مخلوق کی خدمت کا ذریعہ بنائے اور اپنے لئے اس کے حکم کے تابع اس کا استعمال کرے جس سے اسے مزید فائدہ حاصل ہو۔ اور اس کا اقل درجہ یہ ہے کہ زبان سے الحمد للہ پکارتے ہوئے دل میں اس کے مفہوم و معانی کا مکمل احساس ہو۔

اس کی خدمت کا تصور اس سے زیادہ کوئی عملی صورت نہیں رکھتا کہ اس کی عبودیت و نیازمندی میں انسان زیادہ سے زیادہ گم ہو جائے یا اس کے بندوں کی خدمت گزاری میں اس کی رضا و خوشنودی کا احساس رکھتے ہوئے اپنے آپ کو وقف کر دے۔

اللہ تعالیٰ کا ہر امکان پر قدرت کا اظہار

مومن تو ہر شے سے عبرت و بصیرت اور اسی کی قدرت کی نشاندہی حاصل کرتا ہے۔ جب وہ فضائے آسمانی میں پرندوں کو اڑتے ہوئے دیکھتا ہے۔ تو ان کی اس تقدیر پر اللہ تعالیٰ کی حسن صنعت اور کمال قدرت کی تعریف و توصیف اور حمد و بیان کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مخلوقات میں

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

میں تنوع وامتیاز اور بوقلمونی پیدا کرنے اور ہر امکان پر اپنی قدرت کا اظہار کرنے کے لئے ان کی تقدیرات میں اختلاف پیدا فرما دیئے ہیں۔ سمندر اور دریاؤں کی آبی مخلوق خشکی کے جاندار پانی میں زندہ رہنے کے قابل نہیں اسی طرح زمین پر چلنے اور رینگنے والی مخلوق ہوا میں اڑنے کے قابل نہیں اور فضائے آسمانی میں پرواز کرنے والے پرندے سطح زمین پر قرار حاصل نہیں کرتے۔ اگر وہ کسی مخلوق کو ہر جگہ زندہ رہنے کی صلاحیت عطا کر دے تو یہ بھی اس کی قدرت سے بعید نہیں ہے اشیاء کو ان تقدیرات پر بنانا اور ان کی ضروریات زندگی کا کفیل ہونا اس کی حکمت کی شان ہی کا ظہور ہے۔ پرندوں کا ہوا میں اڑنا ایک خاص تقدیر ہے جسے قائم و برقرار رکھنا اسی کے دست قدرت میں ہے۔

انسان کو اللہ تعالیٰ نے جامعیت عطا فرمائی اور اس کے وجود میں عقل کو روشن کر کے حقائق اشیاء و امور اور بعض تقدیرات کے سمجھنے کی قابلیت بھی فرما دی ہے۔ اسی صلاحیت کی بنا پر وہ ہوا میں اڑنے اور پانی میں تیرنے کی تقدیرات سے واقف ہو کر، ہوائی جہاز، آبی جہاز اور آبدوز کشتیاں بنانے پر قادر ہوا ہے۔ انسان کی یہ قدرت اللہ تعالیٰ کا مقابلہ نہیں جیسا کہ بعض جہلا خیال کر لیتے ہیں بلکہ اس کی عطا اور اس کے لئے شرف کی نوازش ہے۔

ہوا میں اڑنے کے متعلق تقدیرات پر ایمان ہی نے انسان میں یہ صلاحیت پیدا کی ہے کہ آج وہ چاند پر پہنچنے کے بعد ستاروں پر اترنے کی تیاریاں کر رہا ہے۔ انسان جس بات اور تقدیر پر یقین و ایمان حاصل کرتا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پر اسی جانب کا راستہ کھول دیا جاتا ہے۔ اور اس میں انسان کی برتری اور شرف کا ایک عظیم راز ہے۔

ضروریات کی معمولی اشیاء سے حق کی طرف رہنمائی

ایک مومن انسان کو اللہ تعالیٰ کے حضور میں تسلیم حاصل کرنے کے لئے معمولی اشیاء اور اس کی ضروریات کی چیزوں کا حصول بھی رہنما بن جاتا ہے۔ جب وہ اس بات کو دیکھتا ہے کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے اس کی بنیادی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے پہاڑوں میں غار اور کھوہ بنا دیئے جن سے وہ گرمی سردی سے بچاؤ اور مکانات کا کام لے سکتا ہے۔ اور اس کے لباس اور خیموں کے لئے جانوروں کی کھالیں۔ بھیڑ، بکری اور اونٹ کے بال اون کو استعمال کے قابل بنا کر ان کی طرف رہنمائی فرما دی۔ جانوروں کی کھالیں سفر و حضر کے ہلکے اور آسان مکانات مہیا کرتی ہیں۔ اور ان کے سایہ میں انسان گرمی و سردی سے محفوظ رہ سکتا ہے

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ان کی اصل قدر و قیمت صحرائی و بدویانہ زندگی بسر کرنے والوں کو ہے، جو انہیں ایک جگہ سے اٹھا کر آسانی کے ساتھ دوسری جگہ لے جاتے ہیں۔ قرآنی آیات کے ابتدائی مخاطب بھی اکثر وہی لوگ تھے جو خانہ بدوش اور بدویانہ زندگی کے خوگر تھے۔ اہل ایمان کے لئے اس کی نعمت کو تسلیم کرنے میں کوئی مانع و اشکال نہیں ہیں۔ اور ہر مفید شے کو دیکھتے پر ان کا ذہن و تصور خدا کی شکر گزاری کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ لیکن جس کے اندر ایمان کا کوئی حصہ نہیں ہے۔ اس کا فکر نفس کی مشغولیت کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی طرف سے نعما کو دیکھنے پر متوجہ نہیں ہوتا۔ اور وہ اپنی بڑی اقدار میں محصور ہو کر خدا کی حقیقی رحمت سے محروم رہنے پر مجبور رہوتا ہے۔

حضور پاک کی ذمہ داری و تسلی

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے حضور پاکؐ کو فرمایا ہے کہ جو لوگ آپؐ کی بات کو دل کے کان سے نہیں سنتے اور آپ کی طرف سے پشت پھیر کر چلے جاتے ہیں۔ ان پر آپ رنج و غم اور حزن کو دل میں نہ آنے دیں۔ آپؐ کے ذمہ صرف بات کا پہنچا دینا اور حق تبلیغ کا ادا کرنا ہے۔ جن لوگوں کو ان کی باطنی رکاوٹ آیات پر غور و فکر کرنے اور عبرت و بصیرت حاصل کرنے کی طرف نہیں آنے دیتی۔ ان پر حسرت و افسوس کرنا آپ پر ضروری نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی تقدیرات نے اشیاء و امور کو جس طرح باندھ رکھا ہے۔ ان کا تبدیل کرنا صرف اسی کے ہاتھ میں ہے۔ ایک داعیٔ حق اور مبلغ کی ذمہ داری صرف اسی قدر ہے جس قدر ایک ڈاکٹر یا حکیم کی ایک مریض کے متعلق ہوتی ہے۔ وہ اپنی حکمت و دانائی کے ذرائع و وسائل کو حتی الامکان اس کی اصلاح و شفا پر لگاتا ہے۔ لیکن اگر مریض کی تقدیر اسے موت کی طرف کھینچ رہی ہو۔

تو اس باطنی کشش کو روک دینا اس کے اختیار میں نہیں ہوتا اور نہ موت کے واقع ہو جانے کے بعد اس پر رنج و افسوس کرنا کوئی فائدہ پہنچاتا ہے۔ روحانی معاملات پر کوئی مادی مثال پورے طور پر صادق اور منطبق اس لئے نہیں ہوتی کہ ان کے باطنی حالات میں فرق ہوتا ہے۔ کسی ڈاکٹر کے ہاتھ سے مریض کے نہ بچنے میں یہ بات تو شاذ و نادر ہی ہوتی ہے کہ مریض کو ڈاکٹر کی علمی قابلیت اس کے طریق علاج اور ادویات پر اعتماد نہ ہو اور اس وجہ سے وہ علاج کا فائدہ حاصل نہ کر سکتا ہو مگر انبیائے کرام کے ساتھ منکرین کا معاملہ اکثر اسی نوعیت کا ہوتا ہے کہ ان کے سابقہ اعمال کی بنا پر اللہ تعالیٰ کی حکمت سے ان کے دلوں کی حالت کچھ اس قسم کی ہو جاتی ہے کہ جب انہیں نصیحت کی جاتی ہے۔ تو اسے دھیان سے نہ سننے کی وجہ سے اپنے

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

دل میں کوئی جگہ نہیں دیتے اور ان کی سچائی پر ایمان نہیں لاتے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ (واذا قرات القرآن

.... الا بلثتم الا قلیلاہ ۴۵ تا ۵۲)

منکرین کی نفسی حالت

حضور پاک کے تلاوت فرمانے کے وقت منکرین کا قرآن حکیم سے محجوب ہو جانا اور اسے سن کر دل میں جگہ دینے سے محروم رہنا ان کی ایسی نفسی کیفیت کی وجہ سے ہے۔ جس میں وہ دل کے اندھے اور بہرے ہوتے ہیں۔ ان کے اور نبوت و رسالت کے امر حق کے درمیان اوٹ اور پردہ حائل ہو جاتا ہے۔ اور وہ اس کی نورانیت و سچائی کو دیکھنے پر قادر نہیں رہتے۔ جب حضور پاک اللہ تعالیٰ کی توحید ان کے سامنے بیان فرماتے ہیں۔ تو وہ اپنی پشت پھیر کر جذبہ نفرت کے ساتھ بھاگ جاتے ہیں۔

اگر وہ ظاہرہ طور پر حضور کی بات کو کچھ سنتے بھی ہیں۔ تو جس طرح اور جو کچھ وہ سنتے ہیں۔ اس کی حقیقت سے اللہ تعالیٰ بخوبی واقف ہیں اور حضور پاک کو بھی اس بات کا علم عطا فرماتے ہیں کہ یہ ظالم لوگ آپ کی حقانیت میں سے کسی بات کو اپنے دل میں نہیں اپناتے اور آپ کے متعلق اس طرح بُرے مشورے کرتے اور آپس میں یوں کہتے ہیں کہ مومن جس کی اتباع کرتے ہیں یا جو ہمیں اپنی اتباع کی طرف بلاتا ہے (نعوذ باللہ) وہ تو جادو کیا گیا اور مسحور آدمی ہے اس طرح وہ حضور پاک کی شان کو گھٹاتے اور آپ کے متعلق غلط نظریہ قائم کرتے ہیں۔ ان کی اس کج فہمی اور غلط نظریات کو حضور پاک پر واضح فرماتے اور آپ کی نظر مبارک کے سامنے لاتے ہوئے۔

اللہ تعالیٰ حضور اور آپ کے وسیلہ سے تمام عالم انسانیت کو فرماتا ہے کہ جو لوگ اللہ کے رسول کے متعلق غلط نظر رکھتے اور بری مثالیں قائم کرتے ہیں۔ وہ کس طرح ہدایت یاب ہو سکتے ہیں۔ وہ تو ضلالت کی طرف ہی قدم بڑھاتے اور راہ حق کے قبول کی استطاعت سے دور ہوتے چلے جاتے ہیں۔ یہ ان کی نفسی کیفیت کا تقاضا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے غلط اقدامات کی بنا پر اسی طرح ان کے لئے مقدر فرما دیا ہے۔

حضور پاک کی حرص ہدایت

حضور پاک تو اپنے امر نبوت پر ماموریت اور لوگوں کی اصلاح کی دُھن میں قرآن پاک کی آیات سناتے اور ادائے تبلیغ کا فریضہ ادا کرتے ہیں اور اپنے قلب اطہر میں اس بات کا خیال رکھتے ہیں کہ یہ سب لوگ ایمان لا کر اور امر حق

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کے سامنے تسلیم اختیار کر کے سعادت اور فوز و فلاح کو پہنچ جائیں مگر کفار کی بدکرداری پر اللہ تعالیٰ کی تقدیر نے ان کے ادراک و قبولِ حق کے درمیان جو دیوار کھڑی کر دی ہے وہ جب تک گر کر راستہ صاف نہ ہو جائے ان کا ایمان لانا کسی طرح ممکن نہیں ہو سکتا۔

منکرین کے قبولِ حق کی درمیانی دیوار

اس دیوار کا بنیادی پتھر حضور پاکؐ کے متعلق بُرے گمان اور زعمِ باطل کو دل میں بٹھانا ہے۔ اللہ کے رسولِ پاکؐ کی تحقیر کرنا ایک ایسی بُری خصلت ہے۔ جس کے ہوتے ہوئے انسان کسی طرح اللہ کی رحمت کے قریب نہیں جا سکتا۔

یہ ایک واضح مثال ہے کہ کسی بادشاہ یا صدرِ مملکت کی طرف سے مقرر کردہ معتمد امیر و وزیر جو رعایا کے اصلاحی معاملات پر مامور ہو اس سے کسی شخص کا نفاق یا مخالفت کرنا اس بادشاہ یا صدر کو کبھی گوارا نہیں ہوتا اور رعیت میں کوئی معمولی شخص جو اپنے کبر و غرور اور حماقت کی وجہ سے اس وزیر کی تحقیر کرتا ہے۔ کبھی شاہی انعامات حاصل نہیں سکتا بلکہ اس کا یہ فعل بادشاہ کی مخالفت اور بغاوت تصور ہوتا ہے۔ جس کی پاداش میں اس کا سزا دیا جانا ضروری سمجھا جاتا ہے۔ اللہ کے نبیؐ کو جھٹلانا امرِ آخرت کو جھٹلانا ہے۔ کیونکہ حقیقی معنی میں وہ آخرت کے مفاد کی طرف ہی بلانے والا ہوتا ہے۔ اور آخرت کے انوار ایک ایسی حقیقت ہیں۔ جو اللہ کے نبی کے باطن سے ہی نظر آ سکتے ہیں۔

جب تک انسان کے دل میں اللہ کے نبیؐ کے متعلق انقیاد و عزت پیدا نہ ہو وہ ان کے باطنی انوار کو دیکھ نہیں سکتا۔ اور جب تک کسی شخص کی نظر کے سامنے انوارِ نبوت و آخرت میں کچھ نہ کچھ ظاہر نہ ہو وہ حقیقی طور پر دین و ایمان کے قریب نہیں آ سکتا۔ اگر کوئی شخص بغیر انوارِ نبوت کو دیکھنے کے ظاہری اور رسمی طور پر اسلام کو قبول کرتا ہے۔ تو اس کا باطن نفاق سے جدا نہیں ہوتا اور حضور پاکؐ کی سچی توقیر کے بغیر رسمی ایمان خلوص کو پیدا نہیں کر سکتا۔

اشیاء و امور کی تقدیرات

اللہ تعالیٰ نے اشیاء و امور کے متعلق تقدیرات کو جس طرح مقرر فرمایا ہے اس میں تبدیلی پیدا کرنا کسی

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

شخص کے ذاتی امکان میں نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص یہ گمان کرے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے انبیاء و اولیاء کے متعلق تحقیر و نفرت کا جذبہ بھی دل میں رکھے اور دینِ حق کو بھی اپنائے تو یہ بات ناممکنات میں ہے اور ابتدائے عالم سے لے کر آج تک کوئی شخص اس کے متعلق ایک مثال بھی پیش نہیں کر سکتا۔

شدتِ محبت کی وجہ سے انبیاء و اولیاء کے عمومی حالات

اللہ تعالیٰ کے انبیاءؑ و اولیاء اس کی طرف کامل طور پر جذب ہونے کی وجہ سے عمومی طور پر دنیاوی جاہ و جلال اور شوکت و حشمت سے بیگانہ و بے نیاز ہوتے ہیں۔ اور شدید محبت کی وجہ سے بعض اوقات ان سے ایسی حرکات و سکنات اور حالات و واقعات ظاہر ہوتے ہیں جو ظاہر بین اور محبت سے بیگانہ لوگوں کے نزدیک مجنونانہ حرکات اور مسحورانہ کیفیات قرار پاتی ہیں اور وہ ان کے باطنی حسن اور انوار کو دیکھ نہ سکنے کی وجہ سے ان کے ساتھ تحقیر و نفرت کا اظہار کرتے ہیں اللہ کے ان مخلص و خاص بندوں کے ساتھ ایسا نظریہ و جذبہ رکھنا ہی اللہ تعالیٰ کی غیرت کا باعث ہوتا ہے۔

اس سزا کا ابتدائی اور سب سے بڑا حصہ یہی ہوتا ہے کہ وہ لوگ انبیاءؑ و اولیاء کے انوارِ باطن سے مستقل طور پر محجوب کر دیئے جاتے ہیں۔ اور ان کے متعلق ان کا انکار و نفرت کا جذبہ فروغ و پرورش پا کر انہیں کفر کی شدت تک پہنچا دیتا اور ان کے باطن پر اس کا دائرہ اس قدر محیط اور سخت ہوتا ہے کہ ان کا ایمان کی طرف آنا ممکن نہیں رہتا۔

انسانی نفسیات کا عمومی تقاضا

یہ انسانی نفسیات کا خاصہ ہے کہ جب اس کے دل میں جائز و ناجائز وجوہات کی بنا پر کسی شخص کے متعلق جذبہ حقارت و منافرت پیدا ہو جائے اور وہ احسن طریق پر فوراً مٹایا نہ جا سکے تو امتدادِ زمانہ کے ساتھ فروغ پا کر نہایت قوی ہو جاتا ہے۔ اور ناسور کی شکل اختیار کر لیتا ہے اور یہ شخص جب بھی اپنے مدِمقابل کو دیکھتا ہے۔ تو اس کی حقانیت اور سچائی کو خاطر میں لانے کی بجائے اپنے باطن کے اس زخم کو تازہ کرتا ہے۔ اور ظاہری و باطنی طور پر دوسرے شخص کی سچائی و معصومیت کو دیکھنے کے باوجود بھی اپنی مخالفت کے جذبہ کو روک نہیں سکتا۔ اہلِ حق کے خلاف کفار کی یہ باطنی صورتِ حال انتہائی شقاوت اور بدبختی کی دلیل بن جاتی

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ہے۔ اور وہ حق کو دیکھنے کے باوجود بھی ایمان سے دور رہنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ کفار و مشرکین کی اس حالت کے متعلق اللہ تعالیٰ اس آیتِ مبارکہ میں ارشاد فرماتے ہیں۔ یعرفون نعمت اللہ ثم ینکرونہا واکثرھم الکفرون

اہلِ حسد کی باطنی حالت

اللہ کی نعمت کو ایک شخص پر دیکھنے اور جاننے کے باوجود اس سے انکار اور کفر کا شیوہ اختیار کرنا اس کے خلاف عقدۂ حسد کو دل میں جا لینے کے سوا کچھ نہیں ہے۔ یہ ایک ایسا روحانی مرض اور باطنی کوڑھ کی بیماری ہے۔ جو انسان کے دل کو اس طرح تاریک و سیاہ کر دیتی ہے۔ جیسے دھواں کسی تنگ اور بغیر روشندان کے کمرہ کو حقیقت کے متعلق ان کے دل میں اعتراضات کے سوا اور کچھ پیدا نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ کے اسم مُضِلّ کی تاثیرات نے انہیں گھیر رکھا ہوتا ہے۔ اور انبیاء و اولیاء کا پاک باطن انہیں اپنی طرف کشش نہیں کرتا۔

قیامت و آخرت پر اعتراض کا جواب

جب انہیں حیاتِ آخرت اور قیامت میں دوبارہ زندہ ہونے کے متعلق بتایا جاتا ہے تو وہ کہنے لگتے ہیں کہ جب ہماری ہڈیاں چورہ ہو جائیں گی اور ہم خاکستر بن جائیں گے تو دوبارہ کس طرح زندہ ہو سکیں گے اور کون ہمیں یہ زندگی عطا کرے گا۔ تو ان کے جواب میں اللہ تعالیٰ حضور پاک کو یہ بات کہنے کا حکم فرماتے ہیں کہ اگر یہ لوگ پتھر اور لوہے کی شکل میں تبدیل ہو جائیں یا اس سے بھی بڑی کوئی ایسی چیز بن جائیں۔ جس کا انسانی شکل میں تبدیل ہونا زیادہ مشکل معلوم ہو تو بھی اللہ تعالیٰ اپنی قدرتِ کاملہ سے انہیں کھینچ کر دوبارہ انسانی شکل میں زندہ کر کے اپنے حضور میں حاضر کرے گا۔

جس قوت نے انہیں پہلی دفعہ زندہ کیا اور انسانی جامہ عطا فرمایا۔ اس کے لئے دوبارہ زندہ کرنا کس طرح مشکل ہو سکتا ہے۔ جب وہ اس بات میں لاجواب ہو جاتے ہیں تو پھر حضور پاکؐ کی طرف مخاطب ہو کر یوں کہنے لگتے ہیں کہ یہ قیامت کب واقع ہو گی۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ ہی جو ان کی حرکات کو دیکھ اور کلمات کو سن رہے ہیں۔ حضورؐ کو یہ بات کہنے کا حکم دیتے ہیں کہ شاید یہ امر بالکل قریب ہی ہو۔

قیامت کا وقتِ مقررہ نہ بتلانے میں حکمت

قیامت کی نزدیکی اور اس کے ایک نگاہ سے بھی قریب ہونے کے متعلق ہم پہلے کچھ بیان کر چکے ہیں۔ اور

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

اس کا پردہ غیب میں پنہاں رکھنا اپنے اندر جو مصلحت رکھتا ہے۔ اس کی کلیت سے اللہ تعالیٰ ہی واقف ہے۔ بندہ جو امر پر مامور اور حکم کی بجاآوری کے لئے مجبور ہے۔ غیب پر ایمان کے ذریعہ ہی اپنی فلاح وسعادت کو حاصل کر سکتا ہے۔ اور قیامت کے واقع ہونے کے آخری روز تک اللہ تعالیٰ اس عالم کی رونق اور دنیا کی ہماہمی کو جس طرح برپا رکھنا چاہتا ہے۔ اس کا یہی تقاضا ہے کہ قیامت کے یوم موعود اور وقت مقررہ کو مخلوق کی نظروں سے پنہاں رکھا جائے۔

اس کے حق میں اللہ تعالیٰ کی حکمت و مصلحت نے انسان کو اس کی موت کا وقت تو بتلایا نہیں۔ یہ قیامت کے وقت مقررہ کے انکشاف کی تمنا میں کس طرح حق بجانب ہو سکتا ہے۔

روزِ قیامت کا کچھ حال

البتہ جب قیامت وارد ہوگی اور انسان پر اُخروی حقائق منکشف ہونے کے ساتھ اس کی دنیاوی زندگی کے سارے حالات و واقعات اس کے اچھے اور بُرے اعمال اور ان کے اثرات کلی طور پر اس کے سامنے آجائیں گے۔ تو اسے ایسا محسوس ہوگا کہ وہ بہت تھوڑی دیر دنیا میں رہا ہے۔ حجابات کے مرتفع ہوجانے اور قویٰ و عناصر کی حقیقت سے واقف ہوجانے پر بندہ اللہ تعالیٰ کی خالص حمد پر مجبور ہوگا۔ اور اسے پکارتا ہوا۔ اسی کی طرف بھاگتا چلا جائے گا۔

اہلِ معرفت کا مقام

اللہ تعالیٰ نے اس عالم اور ہماری زندگی کو زماں و مکاں کے جن رشتوں سے باندھ رکھا ہے۔ ان کی حقیقت سے واقف ہونا اہلِ حق اور صاحبِ بصیرت لوگوں سے زیادہ بعید نہیں۔ موت کے بعد جس طرح ہر شخص خود بخود ان حقائق کو جان جائے گا۔ اہلِ نظر اپنی صفائی باطن اور دلائلِ حق کے ذریعہ اس جہاں میں بھی ان سے کچھ نہ کچھ واقف ہوجاتے ہیں۔ اور جو لوگ معرفت و معیت اور قربتِ حق کو اپنا لیتے ہیں۔ وہ زماں و مکاں پر محیط اور غالب آجاتے ہیں۔

زماں و مکاں پر تصرف کی دلیل

معراج شریف میں حضور پاک ﷺ کا سارے عوالم کی سیر فرمانا۔ زماں و مکاں اور وقت و فاصلہ کا سمٹ کر حضورؐ

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کے قبضہ اور قدموں میں آجانا اس کی واضح دلیل اور بین ثبوت ہے۔

اس طرح اکثر اعاظم اولیاء اللہ کی کرامات اس بارہ میں مشہور و معروف ہیں۔ جن کا جاننا اور تسلیم کرنا صوفیائے کرام سے تعلق رکھنے والے لوگوں کے لئے ناگزیر ہے۔ عقلی طور پر سوچنے سے بھی ہم اس قدر دیکھ اور محسوس کر سکتے ہیں کہ اگر ہماری زندگی کے تمام واقعات و حالات اور جو کچھ ہم پر گزرا ہے اور ہمارے حافظہ کے تہ خانہ میں محفوظ ہے ایک دم ہماری نظروں کے سامنے آجائے تو ہمیں ایسا ہی معلوم ہوگا جیسے ہماری عمر کی ساری مدت وزمانہ سمٹ کر اس ایک نگاہ میں آگیا ہے۔ اور زمانہ کا طول و تعین ہم سے مرتفع ہو گیا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت و رحمت اور ہمارے ضعف و محدودیت ہی کا باعث ہے کہ ایسا امر ہم پر واقع نہیں ہوتا۔ اگر ہمارے معمولی حالات میں یہ امر ہم پر وارد ہو جائے تو اول تو ہمارا ذہن اور قوت حافظہ اپنی سطح پر اس بوجھ کو اٹھا نہیں سکتا اور اگر کسی صورت میں یہ اٹھا بھی لے تو سابقہ زندگی کے حالات کا کلی طور پر ہر وقت ہمارے پیش نظر رہنا اور ان کے عجائبات سے فارغ نہ ہونا ہمارے لئے ایک الجھن اور حالی و وقتی حس و حرکت اور دوڑ دھوپ میں مانع آجائے گا۔ اور اس کے نتیجہ میں ہم ساکت و صامت ہو کر رہ جائیں گے۔

عالم دنیا و آخرت کی تقدیرات میں امتیاز

جن اولیاء اللہ کو زماں و مکاں پر محیط ہونے کی کرامت اور صورت حال حاصل ہوتی ہے۔ وہ درحقیقت اس عالم کے احکام و تقدیرات سے خارج اور عالم آخرت میں داخل ہوتے ہیں اور اس طرح یہ باتیں ان کے لئے ممکن ہو سکتی ہیں۔ جو بات ان کے مخصوص حالات کی وجہ سے ان کے لئے ممکن ہوتی ہے۔ وہ ہمارے لئے اس عالم کے احکامات میں محبوس و مقید ہونے کی وجہ سے ناممکن ہے۔ اور اگر ہمارے انہی حالات میں وہ بات ہم پر واضح کی جائے تو ہماری یہ زندگی اس کا تحمل نہ کر سکنے کی وجہ سے تباہ و برباد ہو جائے۔ یہی وجہ ہے اور قرآن پاک میں اس کا بار بار مذکور ہے کہ کفار اپنے موجودہ حالات میں فرشتوں کے وجود، کتاب کے نزول، احوال آخرت کے مشاہدہ اور اللہ تعالیٰ کی لقا کے متعلق سوال کرتے ہیں تو خدا کی طرف سے انہیں یہی جواب دیا جاتا ہے کہ اگر یہ امور تم پر ظاہر کر دیئے جائیں تو بات ہی ختم ہو جائے اور تمہاری یہ زندگی نیست و نابود ہو جائے۔ کیونکہ اس عالم کی تقدیرات ہی اس قسم کی ہیں کہ عالم آخرت کا تحمل نہیں کر سکتیں۔ بجز اس امر کے کہ ہم اس پر ایمان حاصل کر کے اس کے طلب و تمنا کو اپنے اندر اپنائیں اور آخرت کے احوال و مقتضیات کے مطابق اپنے آپ کو بنانے کی

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کوشش کریں۔ فرشتوں کے وجود، آخرت کے احوال، کتابوں کے نزول، انبیاء کی حقانیت اور اللہ تعالیٰ کی لقاء پر ایمان لانا تو سب پر فرض ہے مگر اس جہان میں ان امور کی کل معرفت حاصل کرنا نہ تو فرض و واجب ہے اور نہ سب کے لئے ممکن بلکہ ان کی طرف روح کی توجہ کا کرنا۔ ان کی محبت کو اپنانا اور موت کے بعد ان حقائق تک پہنچ جانے کے لئے اپنی ساری دنیاوی زندگی میں جدوجہد کرنا ہی فرض و واجب قرار دیا گیا ہے۔

ہمارے سارے احکام شریعت و طریقت اور ان پر عمل کے نتائج اگر اس قدر بھی تاثر پیدا کر سکیں کہ موت کے وقت ہمارے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کی طلب کے سوا کچھ موجود نہ ہو تو انسان کے لئے یہ بہت بڑی نعمت اور اعلیٰ مقصد حیات ہے۔

ولی را ولی میشناسد

جن لوگوں کو اس جہان میں اُخروی حقائق کی معرفت اور احوال و اذواق پیدا ہو جاتے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت اور فضل و احسان ہے۔ اور وہ لوگ حقیقتاً اس دنیاوی وجود سے مردہ اور روحانی و اخروی وجود سے زندہ ہوتے ہیں اور جب تک کوئی شخص خاص اقدار کو اپنا کر ان کے احوال میں داخل نہ ہو جائے ان کی حقیقت کی عینیت سے واقف نہیں ہو سکتا۔ اسی لئے فرمایا گیا ہے کہ ولی را ولی میشناسد، اس جہان کے احکامات میں رہتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی لقاء کا حاصل کرنا کسی شخص کے لئے ممکن نہیں ہے۔

حضور پاکؐ نے معراج شریف اور اس کے بعد کی عمومی زندگی میں اللہ تعالیٰ کی لقاء کو جس مرتبہ پر پایا ہے۔ وہ اس جہان کے احوال و احکامات سے خارج ہو کر اور آخرت و جنت کے احوال و احکام میں داخل ہو کر وصول فرمایا ہے۔ اور حضور پاکؐ کی اتباع میں جو لوگ اپنی استعداد کے مطابق ان احوال مبارکہ کو حاصل کرتے ہیں وہ اسی اصول و کلیہ کے مطابق ہی ان تک پہنچ سکتے ہیں۔ عوام کیلئے ان کے احوال کا اقرار ہی باعث برکت و سعادت ہے۔ ان کی صحبت و معیت اور قربت و محبت سے آخرت پر یقین اور اس کے انوار کی طلب کچھ نہ کچھ ان کے دل میں آجاتی ہے اور یہی ایک کامل ولی اللہ کی شناخت ہے کہ اس کی صحبت میں دل دنیا کی محبت سے سرد اور اللہ تعالیٰ کی طلب و آرزو میں گرم و بے قرار ہو جائے۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

جو لوگ ان کی صحبت سے گریزاں اور ان کے وجود سے متنفر ہیں ان کی باطنی حالت ان جہلا کی سی ہے جو حضور پاکؐ کے پاس بیٹھنے اور توحید کی گفتگو سننے کو گوارا نہیں کرتے تھے۔ اور جب بھی سامنے آتے تھے۔ قبول واطاعت کی بجائے کچھ نہ کچھ عذر و اعتراض اور بیہودہ کلام کرتے تھے۔ حسد و کینہ اور باطنی عداوت کے ساتھ حضور پاکؐ کی بشریت کا حجاب ان پر غالب آگیا تھا اور حضور پاکؐ کی جو بشریت مومنین کے لئے افادہ و فیضان کا باعث تھی وہی منکرین کے لئے حجاب و رکاوٹ بنی ہوتی تھی۔ یہ اللہ تعالیٰ کی عجیب حکمت ہے کہ ایک ہی چیز سے بعض لوگ فائدہ حاصل کرتے ہیں۔ اور بعض اسی سے نقصان اٹھاتے ہیں۔ روحانی امور میں اس کا یہ کارفرمائی عام ہے اور نفع و نقصان حاصل کرنے میں انسان کے ذاتی حسنِ ظن اور گمان باطل کا عمل دخل ہی بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔

قرآن پاک جو اللہ کی کلام اور ہدایت کا سب سے بڑا سرچشمہ ہے اس کے متعلق بھی یہی ارشاد ہے۔ یضل به کثیرا و یہدی به کثیرا ۔ اور اس ضلالت و ہدایت کو اخذ کرنے کا انسان کے نظریہ پر ہی انحصار ہے۔

حضور پاکؐ کی بشریت کا مفاد

حضور پاکؐ کے متعلق اللہ تعالیٰ مومنین پر احسان جتلاتے ہیں کہ ہم نے نبوت اور رسالت کے انوارِ مقدسہ کو تمہارے زمرہ اور بشری شکل و صورت میں ہی پیدا فرمایا تا کہ تم اپنی سفلی حالت میں بھی ان سے اُنس و محبت اور صحبت اختیار کر کے انوارِ آخرت حاصل کر سکو اور مومن اللہ کے اس احسان و طریق سے پورا فائدہ حاصل کرتے ہیں۔ لیکن کفار و منکرین اسی امر کو اپنے لئے اعتراض و محجوبیت کا باعث بنا لیتے ہیں جیسا کہ قرآنِ مجید میں آیا ہے

وما منع الناس ان یومنوا اذ جاءھم الھدی الا ان قالوا ابعث اللہ بشرا رسولا ۝ قل لو کان فی الارض ملئکۃ یمشون مطمئنین لنزلنا علیھم من السماء ملکا رسولا ۝ قل کفی باللہ شھیدا بینی و بینکم ط انہ کان بعبادہ خبیرا بصیرا ۝ (پ ۱۵ ع ۱۱ آیت ۹۴ تا ۹۶)

ایمان کا مانع

ہدایت کے نزول کے بعد لوگوں کو ایمان لانے میں مانع ہونا اور ان کے اس سے محروم رہنے کی سب سے بڑی وجہ یہی امر تھا کہ وہ اپنی جہالت اور غلط اندیشی سے دنیاوی و مادی اور روحانی و اُخروی عوالم کے احوال

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ومقتضیات اور احکامات کو جنہیں اللہ تعالیٰ نے متفرق اور ایک دوسرے سے مختلف و ممتاز بنایا ہے۔ آپس میں ملانے اور ایک ہی حالت میں دیکھنے کے متمنی تھے اور اس بات میں حیران ہوتے تھے کہ ہمیں اس موجودہ حالت میں فرشتے کیوں نظر نہیں آتے اور ہماری ہدایت کا سامان ہمارے ہی جیسے ایک انسان کے ذریعہ کیوں کیا گیا ہے۔

جوبات ان کے حق میں اللہ تعالیٰ کی حکمت و رحمت کا تقاضا تھا اسی کو قبول کرنے سے وہ گریز کرتے تھے اور اس بات کو محال قرار دیتے تھے کہ ایک بشر ہی اللہ کا رسول بن کر آئے۔

ہر دو عوالم کے احوال و اقدار میں فرق کا استحکام

اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ اس حقیقت کو واضح فرماتے ہیں۔ اور اس فکر و خیال کے سارے لوگوں کو جو سفلیت میں گھرے ہوکر اور مادیت میں گم رہتے ہوئے روحانیت کو دیکھنا چاہتے ہیں متنبہ فرماتے ہیں۔ کہ تمہارے خیال اور غلط خواہش پر اللہ تعالیٰ کی تقدیرات بدل نہیں سکتی ہیں۔ اس نے ہر دو عوالم میں جو فرق پیدا فرمایا ہے وہ کسی شخص کے زمانے پر مٹ نہیں سکتا۔ فرشتے جو عالم روحانیت سے ہیں اسی صورت میں نازل ہوکر نظر آسکتے ہیں۔ جبکہ زمین پر ان کی فطرت کے مطابق فرشتے ہی آباد ہوں اور وہ اطمینان کی حالت پر قرار پذیر ہوں تو اللہ تعالیٰ آسمان سے ان پر فرشتوں کی شکل میں ہی اپنا رسول نازل فرماتے۔

انسان میں ملکیت کا فروغ

انسان کی جامعیت میں ملکیت کا جو حصہ ہے۔ جب وہ روشن و فروغاں ہوکر بہیمیت، سبعیت اور شیطانیت پر غلبہ حاصل کر لیتا ہے اور اپنی اس حالت پر اسے اطمینان و استقامت حاصل ہو جاتی ہے تو وہ اسی دنیا میں فرشتوں کے وجود کو دیکھتا اور استفادہ حاصل کرتا ہے۔ کیونکہ وہ اپنی عملی حالت میں ان کی فطرت سے ہم آہنگ اور ان کے رنگ میں رنگا جاتا ہے۔ اسی اصول پر جب یہ انسان روحانی ترقی کرتا ہوا اپنی روح سے سارے مادی و نورانی حجابات اٹھا دیتا ہے۔ تو اپنی فطرت کے اعتبار سے اللہ کے رنگ میں رنگا جاتا ہے۔ اور عبودیت کی انتہا پر پہنچ کر اللہ کے انوار سے ہی اس کی معرفت کو حاصل کرتا ہے۔ اسی مقام پر پہنچ کر اولیاء اللہ نے فرمایا ہے۔ عَرَفْتُ رَبِّیْ بِرَبِّیْ ؂

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

حضور پاکؐ سے انکار کی وجہ

حضور پاکؐ جو جامعیت کے اعتبار سے ساری کائنات سے افضل، فرشتوں کے انوار پر محیط وحاوی اور اللہ تعالیٰ کی معرفت کے سب سے بلند ترین مقام پر فائض ہیں جب ان جہلا کے درمیان تشریف فرما ہوتے ہیں۔ اور اپنی رسالت کی بنا پر انہیں تبلیغ کرتے اور توحید واقرار رسالت پر بلاتے ہیں تو وہ ظالم آپ کی ظاہری بشریت کو تو دیکھتے ہیں۔ مگر باطنی انوار اور حقیقت رسالت کو نگاہ میں نہ لاسکنے کی وجہ سے کفر وانکار پر اتر آتے ہیں۔ اور اپنے باطنی فسق وفجور کے اثرات اور بغض وعناد وحسد وکینہ کی وجہ سے مختلف قسم کے اعتراضات کرنے پر قائم ہوجاتے ہیں۔ حضور پاکؐ کے انوار کا آپؐ کی بشریت میں پنہاں ومستور ہونا ان کے لئے مانع وحجاب ہوتا ہے۔ اور معجزات کے دیکھنے پر بھی ان کا ایمان نہ لانا ان کے دل کی انتہائی فساوت وشقاوت کی وجہ سے ہے۔ انہی لوگوں کے متعلق حضورؐ کو یہ بات کہنے کا فرمان ہوا ہے کہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ تعالیٰ کی شہادت ہی کافی ہے کیونکہ وہی بندوں کے نفسی حالات وکیفیات اور حق وباطل سے عالم وباخبر ہے۔

انسانیت کی حقیقی عظمت

اس عالم رنگ وبو میں اللہ تعالیٰ نے صرف انسان کے دل کو یہ صلاحیت عطا فرمائی ہے کہ وہ عالم آخرت کے انوار اور اللہ تعالیٰ کی معرفت کے اسرار کا تحمل کرسکتا ہے۔ جو لوگ اپنی بے بصیرتی کی وجہ سے اسکی قابلیت کے منکر ہیں وہ انسانیت کی حقیقی عظمت قدر وقیمت سے واقف نہیں۔ درحقیقت یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی قدرت اس کی حسن صنعت اور اپنے کمالات کو ظاہر کرنے کی قوت سے منکر ہیں۔ چونکہ یہ حضورؐ کی حقیقی شان کو دیکھ نہیں سکتے۔ اس لئے حضورؐ کی تسلی کے لئے آپ کی علوئے شان کے متعلق اللہ تعالیٰ نے اپنی ذاتی شہادت کو کافی فرمایا ہے۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی صفات کے مظہر اور اس کی ذات کا نشان ہیں۔ ان کا انکار کرنے والوں کے متعلق ہی اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔ وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ اِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ ؕ کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی قدر نہ کی جیسی کہ کرنی چاہیئے تھی۔ جب یہ بات کہی کہ اس نے اپنی طرف سے بشر پر کوئی شے نازل نہیں کی اور ان آیات مبارکہ میں وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِىْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِلنَّاسِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ...... وجعلنا لهلكهم موعدا ؕ جن حقائق کا بیان ہے

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ان میں انسان کی طبعی کمزوری اور نقص کی طرف اشارہ ہے کہ وہ ارفع واعلیٰ حقیقتوں اور انسانیت کے بلند روحانی درجات کو تسلیم کرنے اور ان پر ایمان لانے کی بجائے جدل و اعتراض کا رویہ اختیار کرتا ہے۔ یہ اس کی عادت قدیم اور آباؤ اجداد کی سنت ہے۔ حالانکہ ایسا عمل کرنے میں وہ کئی بار عذاب الٰہی سے دوچار ہوا ہے۔ انسان جب اعلیٰ شخصیتوں اور بلند حقائق کو اپنی موجود طبعی حالت سے باندھنے اور اپنی پست اقدار کے اوزان سے تراز و کرنے اور مطالعہ میں لانے کی کوشش کرتا ہے اور ان کی اصل حقیقت سے کچھ معرفت وصول نہیں کر سکتا تو ان کے سامنے سر تسلیم خم کرنے اور اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگنے کی بجائے الٹا اس کی آیات سے جو کتاب و اشخاص کی صورت میں نازل ہوتی ہیں۔ جھگڑا کرنے، جھٹلانے اور تحقیر و استہزاء کا انداز اختیار کرنے پر اُتر آتا ہے اور اس طرح وہ اپنے باطل سے حق کو مٹانے کی کوشش کرتا ہے۔ انبیائے کرام جو ہر دو عوالم کی اقدار سے واقف ہیں۔ اپنی مرضی سے کسی قسم کا تصرف نہیں فرماتے اور اللہ تعالیٰ کے حکم و اذن کے بغیر کوئی معجزہ ان سے صادر نہیں ہوتا۔ جس پر عالم مادی و سفلی میں رہنے والے بے بصیرت لوگوں پر عالم بالا و روحانی کا انکشاف ہو سکے۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق وہ تو صرف ایمان بالغیب کی طرف کھینچنے والے اور عالم آخرت میں موجود اجر و نعما کی خوشیوں کی بشارت دینے اور وہاں کے غموں اور عذاب سے ڈرانے والے ہوتے ہیں۔ البتہ جب کوئی شخص ان کی باتوں پر ایمان بالغیب حاصل کر کے ان کے اتباع - - - - اور ان کے ذریعہ آمدہ احکام الٰہی کی اطاعت اختیار کر لیتا ہے۔ تو ان کے فیض و برکت سے وہ آخرت کے احوال کو اپنی استعداد کے مطابق بطور مشاہدہ بھی دیکھنے لگ جاتا ہے۔ اور اس کا ثبوت احادیث میں موجود ہے کہ بعض صحابہ پر جب حضورؐ کی توجہ کا اثر ہوا۔ تو وہ آخرت کے احوال کو من و عن دیکھنے کے بعد بیان کرنے لگے۔ جس پر حضورؐ نے انہیں خاموش رہنے کا حکم فرمایا۔ اس مشاہدہ کی بنا پر ان کا ایمان اس قدر روشن اور بلند ہو گیا کہ احوال آخرت و قیامت ہر وقت اس طرح ان کے پیش نظر رہتے تھے۔ گویا وہ ان میں پھر رہے ہیں۔ اسی لئے حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا ہے کہ اگر قیامت واقع ہو جائے تو میرے ایمان میں ایک ذرہ بھر بھی اضافہ نہ ہو کیونکہ وہ پہلے ہی مشاہدہ کے طریق پر اپنے انتہائی کمال کو پہنچ چکا تھا۔

اکثر انسان عبرت و بصیرت حاصل کرنے کی بجائے عذر و اعتراض اور جدل و خصومت کی راہ ہی اختیار کرتے ہیں۔ جو حق کو جھٹلانے اور باطل کو اپنانے کی وجہ سے ظلم کی انتہا ہے۔ ان کی یہ صورتِ حال اس بات کی متقاضی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی غیرت فوراً انہیں اپنی گرفت میں لے لے مگر حضورؐ کی ذاتِ مبارک

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

جو اللہ تعالیٰ کے لیئے اس کی رحمت کا مظہر اور آئینہ ہے۔ ان لوگوں سے وقتی طور پہ عذاب کو روکے ہوئے ہے اور اللہ تعالیٰ کی صفتِ رحمت و مغفرت ایک وقت موعود تک اس کے قہر و جلال اور عذاب کی ڈھال بنی ہوئی ہے۔ اگر اس کی ذاتِ پاک ان لوگوں کی طرح عجلت پسند ہو تو یہ فوراً عذاب میں مبتلا ہو جائیں۔ اس کا وعدہ حق ہے اور جب قیامت کی صورت میں اس کا اظہار ہو گا اور اس کی صفت قہر و جلال سب پر غالب آکر اپنے عدل سے مکافاتِ عمل کا ظہور فرمائے گی۔ تو اپنے اعمال کے بُرے نتیجہ اور اس کے عذاب کو ٹال نہیں سکیں گے۔ اس کا وعدہ اس کے ذاتی علم ہی کا اظہار ہے اور حجابات اس کے علم میں آچکی ہے۔ اسے وقوع پذیر ہونے میں کوئی امر مانع نہیں آسکتا۔ کَانَ وَعْدُہٗ مَفْعُوْلًا ہ کے اعتبار سے اپنی حقانیت میں وہ بات گویا فعل میں آچکی ہے۔ اگر ہماری بصیرت سے حجابات اٹھا دیئے جائیں تو جس طرح ہم اس جہان کو دیکھ رہے ہیں۔ بالکل اسی طرح امرِ قیامت و آخرت کو دیکھ لیں۔

نظری استعداد کا عمومی تأثر

موت کے بعد حجابات اپنے اظہار میں یقینی و واقعی ہے آج ہمیں اس کا احساس کرنے کے لئے ایمان بالغیب کا راستہ ہی کھلا ہوا ہے۔ اس پر چلنے کے بعد ہی ہم ان حقائق کا قرب و ادراک حاصل کر سکتے ہیں۔ مگر انسان کے قدم کو پکڑنے اور اس راہ پر چلنے میں سب سے بڑا مانع انسان کی نظری استعداد کے ساتھ اس کی باطنی بغاوت و سرکشی ہے۔ جو ادب و نیاز اور تسلیم کی طرف نہیں آنے دیتی۔ سابقہ انبیائے کرام کے وقت میں بعض اُمتوں پر دنیا میں ہی عذاب اس لیئے نازل ہوتا رہا ہے کہ انسان کا ظلم و طغیان حد سے زیادہ بڑھ جاتا تھا۔ اور ان کی حرکتیں انبیائے کرام کے قلبِ اطہر پر گراں گزرنے لگتی تھیں۔ گو یہ امر اللہ تعالیٰ کی تقدیرات کے مطابق اجلِ موعود اور وقتِ مقررہ پر واقع ہوتے رہے ہیں۔ مگر ان کا وقتی اور فوری سبب یہی بات قرار پاتی رہی ہے کہ لوگوں کے ظلم و ستم نے اللہ کے پاک بندوں کے دلوں کو ہلا دیا اور ان کی دردمندی کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی غیرتِ جوش میں آگئی۔

رحمۃ للعلمین

جس طرح حضورِ پاک اللہ تعالیٰ کی رحمت کا آئینہ اور مظہرِ کمال ہیں یہ مرتبہ سابقہ انبیائے کرام میں

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

تام طور پر کسی کو نصیب نہیں ہوا اس لئے رحمتہ اللعالمین کا لقب صرف حضور پاکؐ کے ساتھ ہی وابستہ ہوا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کی نگاہ حضورؐ پاک کو دیکھتی ہے جو اس کی رحمت کا مظہر ہیں تو گویا تمام کائنات پر اس کی رحمت کی ردا سایہ فگن ہو جاتی ہے اور اسی لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمایا ہے کہ "جب تک تو ان کے درمیان ہے۔ ہم ان پر عذاب نازل نہیں کریں گے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے قرب و معیت اور حضورؐ کے باطن میں صفتِ رحمت کے اجراء ہی کا تقاضا تھا کہ حضور پاکؐ نہایت سختی اور کفار کی طرف سے تکلیف واذیت کے وقت میں بھی اَللّٰھُمَّ اِھدِ قَومِی اِنَّھُم لَا یَعلَمُونَ ہ کے سوا زبان مبارک پر کوئی الفاظ نہیں لاتے رہے۔ جس قدر وسعتِ قلب اور سکون واطمینان حضور پاکؐ کو عطا فرمایا گیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سوا اس کی مماثلت اور کہیں نظر نہیں آتی اور حقیقت یہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذاتِ اقدس کے سوا حضور پاکؐ کے روحانی ارتقاء وارتفاع اور کلیت سے کوئی انسان واقف نہیں ہے۔

انسان کی نظری استعداد اگر کبر وغرور اور سرکشی کے ساتھ شامل ہو جائے۔ تو اس کا ہدایت کی طرف راہ پانا ممکن نہیں ہے۔ لیکن اگر یہی استعداد باطن کی اچھی صفات دل کی نرمی وانابت اور حسنِ اخلاق کے ساتھ شامل ہو تو انسان ہدایت ومعرفت کی راہ کو اپنا کر اسے طے کرنے لگتا ہے اور دلی خلوص کے ساتھ ہر حقیقت کے مشاہدہ کی طلب اس کے اندر شدت اختیار کر لیتی ہے۔ نظری استعداد کا یہ خاصہ ہے کہ اس کا حامل کسی حقیقت کو دیکھے بغیر قرار حاصل نہیں کرتا اور اس کو تسلیم کرنے سے ماقبل اس کے مشاہدہ کا طالب ہوتا ہے۔ اس استعداد کی یہ خاصیت انسان کی ساری زندگی میں اپنا اثر قائم رکھتی ہے۔ اسی کے حامل مرید یہ بات کہنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ میں نہ مانوں گرو کا کہنا۔ جب نہ دیکھوں اپنی نیناں، یعنی جب تک وہ کسی حقیقت کو مشاہدۃً اپنی باطنی آنکھوں سے نہ دیکھ لے کسی استاد یا مرشد کے کہنے پر بھی اسے دل میں نہیں بٹھاتا اور ایقان حاصل نہیں کرتا۔ ایسا شخص تقلیدِ محض سے قطعاً عاری ہوتا ہے اور بعض موقعہ پر اس کے اختیار کرنے کی وجہ سے وہ کئی قسم کے نقصان بھی برداشت کرتا ہے۔ انسان کی انتہائی بلندیوں پر بھی یہ استعداد اس کے ساتھ قائم رہتی ہے اور اسے اپنے اثر کے احاطہ میں محصور رکھتی ہے۔

نظری و تقلیدی استعدادوں کے امتیازات

حضرت موسیٰ علیہ السلام جو اپنے خلوص کی خصوصیت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے مقرب وصاحب معجزات

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

صاحب کلام، وجیہہ و منظورِ نظر مستجاب الدعوات اور اولوالعزم رسول ہیں۔ اپنی نظری استعداد کی بنا پر اللہ تعالیٰ سے اکثر سوالات کرتے رہتے ہیں اور جب وہ ایک خصوصی علم کا افادہ حاصل کرنے کے لئے حضرت خضر علیہ السلام کے پاس جاتے ہیں۔ تو وہ انہیں اپنے پاس ٹھہرنے اور علم حاصل کرنے کے لئے شرط مقرر فرماتے ہیں کہ آپ کسی بات پر کیوں کا سوال نہ کریں۔ اور خاموشی اختیار رکھیں۔

آپ کی فطرت سے واقف ہوتے ہوئے حضرت خضر علیہ السلام پہلے ہی فرمادیتے ہیں کہ آپ اس بات پر صبر نہیں کر سکیں گے اور یہ ایک طرح سے تاکید تھی کہ آپ اس شرط کو قائم رکھنے کی ضرور کوشش فرمائیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جو صاحب شریعت، اخلاقی قدروں کے محافظ، امرِ حق کے قائم کرنے پر مامور، شرعی احکامات کے نفاذ اور ان کی پابندی کے اثر سے ایک بہت بڑی قوم کی تقدیر بدلنے والے تھے۔ بھلا ظاہری طور پر شریعت کے خلاف کسی امر میں کس طرح خاموش رہ سکتے تھے۔ اگر آپ تقلیدی استعداد کے حامل ہوتے تو شاید حضرت خضر علیہ السلام کی روحانی خصوصیات کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے خاموش رہ جاتے۔ مگر شرط کے باوجود آپ کا سوال کرنا اور خاموش نہ رہنا اس بات کو بالکل واضح و ثابت کرتا ہے کہ نظری استعداد کی خاصیت اور اپنی خصوصی نبوت و رسالت کے امر نے آپ کو مجبور کر دیا تھا کہ فقر کے اس سرِ عظیم کو پردہ کشائی کے بغیر تسلیم نہ کریں۔ یہ قصہ پوری تفصیل کے ساتھ قرآن میں موجود ہے۔ یہ واقعہ ہمیں اللہ تعالیٰ کی اس آیت کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ لَا یَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّکَ اِلَّا ھُوَ ۔ تحقیق تیرے رب کی افواج کو اس کی ذات پاک کے سوا کلیتاً کوئی نہیں جانتا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ذات اور آپ کے جملہ ظاہری و باطنی داعیات و خصوصیات اللہ تعالیٰ کی افواج سے ہیں۔ اور حضرت خضر علیہ السلام کے اسرار و مکنونات، باطنی رموز و کیفیات، حق تعالیٰ کے اشارات اور علم لدنی کے ملفوظات بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی الہام و واردات اور اس کی افواجِ بے نہایت کے مقامات ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی حق پر ہیں اور حضرت خضر علیہ السلام بھی حق کی طرف سے اقدامات کر رہے ہیں۔ جب عینِ حق میں اس قدر درجات و امتیازات اور فرقِ مراتب ہیں۔ جن میں ایک کے حال کو دوسرا نہیں سمجھ سکتا۔ تو حق و باطل کے اختلافات کو کون جمع کر سکتا ہے اور انسانیت کے نزدیک انہیں کس طرح برابر و مساوی قرار دیا جا سکتا ہے ان کے فرق دنیا و آخرت میں قائم ہیں اور اللہ تعالیٰ کی صنعت نے ان کی اقدار کو اس طرح استحکام و استقرار عطا فرمایا ہے کہ کوئی شخص ان کی دوئی کو یکجائی میں

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

تبدیل نہیں کر سکتا۔ صُنْعَ اللّٰہِ الَّذِیْ اَتْقَنَ کُلَّ شَیْءٍ کی آیت پاک اس پر دلیل محکم ہے۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کی ذاتِ واحد ہی ہے جو اپنی ذات کی جملہ صفات و شیونات پر محیط ہونے کی وجہ سے جمع ضدین کی حامل ہے۔ اس کی ساری صفات اس کی ذات سے وابستہ اور غیر منفک ہیں اور وہ جس طرح چاہتا ہے ان سے کام لیتا ہے۔ کسی شخص کو ان پر احاطہ نہیں ہے اور فوق کل ذی علم علیم کے باوجود ہر عالم اپنی ذاتی اقدار میں محصور اور اس کا علم ایک حدِ متعینہ تک محدود ہے۔ اللہ تعالیٰ کی افواج یا کلمات جو اس کی صفات کے ہی مترادف ہیں۔ اس قدر وسیع اور بے نہایت ہیں کہ ان پر کوئی شخص احاطہ نہیں کر سکتا۔ علمائے ربانی جب اس حقیقت سے واقف ہوتے ہیں تو اس کی عظمت کا احساس ان کے دل پر مستولی ہو جاتا ہے۔

جملہ انبیائے کرام کی تعلیمات، ان کے انکشافات اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے انعامات پر اگر کسی شخص کو احاطہ ہو سکتا ہے تو وہ حضور پاکؐ کی ذات ہے۔ جس کے رب کی جنود کو اس کی ذاتِ اقدس کے سوا کلی طور پر کوئی نہیں جانتا۔

علم و معرفت کی انتہا

انبیائے کرام کے بعد سب سے زیادہ عظیم الشان اور صاحبِ معرفت و مرتبت حضرت صدیقِ اکبرؓ خدا کی ذات و صفات کی معرفت میں اس بیان پر مجبور ہوئے ہیں کہ "اس کی معرفت کے ادراک سے عاجز ہونا ہی حقیقت میں اس کی معرفت کے ادراک کی انتہا ہے۔" اور ہر صاحبِ معرفت جب اپنی انتہا تک پہنچ جاتا ہے تو یہی کلمہ کہنے پر مجبور ہوتا ہے۔ سبحانک اللّٰھم وبحمدک جس کا مطلب یہ ہے تو ہماری حمد و ثنا اور تعریف سے وراء الوراء اور بلند و بالا ہے۔ اور اپنی ذات کی حمد پورے طور پر تو آپ ہی کر سکتا ہے۔ کسی انسان کو یہ قدرت نہیں کہ وہ تیری مکمل حمد جس کے قابل تو ہے۔ پورے طور پر بیان و ادا کر سکے۔

اُلٹا اثر

انسان کی ضلالت و گمراہی میں اللہ کا مکر بھی عجیب اور عظیم الشان ہے۔ جس کی کارفرمائی سے بچنا اس کی رحمت کے سوا ممکن نہیں ہے۔ جب وہ کسی شخص کی تقدیر میں گمراہی کو لکھ دیتا ہے تو وہی بات جو دوسروں کے لئے ہدایت اور معرفت میں آگے قدم بڑھانے کا ذریعہ ہوتی ہے۔ اس کیلئے

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

پستی و سفلیت اور نفسانی خواہشات کی طرف بھاگ جانے کا وسیلہ بنتی ہے ۔ اہلِ ہدایت تو اس کی حمد و توصیف کی عظمت اور بے انتہائی کو سن کر اپنے عمل اور جد و جہد میں فراخی ۔ اس کی طرف چلنے کے راستہ میں وسعت اور غیر محدودیت محسوس کرتے ہوئے اپنی حیات و اقدار کے انتہائی امکانات کو دیکھنے کی کوشش کرتے ہیں ۔ ان کے نزدیک زندگی "عیارِ ممکناتِ جسم و جاں" ہوتی ہے اور وہ اپنی ساری قوتوں کو اس کی حمد و معرفت کی امکانی انتہا تک پہنچنے میں لگا دیتے ہیں ۔ لیکن جن کے دلوں دنیا کی محبت کی وجہ سے ضلالت کا چشمہ پھوٹ آتا ہے ۔ وہ اس کی حمد کی بے انتہائی اور دنیا میں اس کی معرفت و لقا کے ناممکن ہونے کو اس کے ذکر و فکر میں رکاوٹ اور اس کی طرف چلنے کے راستہ میں مانع کے طور پر اختیار کر لیتے ہیں ۔ اور وہ اس بات کو اپنی ہوشیاری و چالاکی اور حسنِ تدبیر پر محمول کرنے لگتے ہیں ۔ ان کا نفسی شعلہ اور دنیا میں شدید انہماک و اشتغال انہیں حق کی معرفت اور محبت کی طلب سے بھی روک دیتا ہے اور وہ علانیہ یہ بات کہنے لگتے ہیں کہ جب اس کی لقا دنیا میں ممکن ہی نہیں ہے تو اس کی طلب کیوں کی جائے ۔ وہ عقل کے اندھے اس بات کو نہیں سمجھتے کہ دنیا میں اس کی طلب و محبت کو اپنانا ہی آخرت میں اس کی لقا کا باعث ہے اور جس کا دل دنیا میں اس کی معرفت و محبت سے اندھا و بے بہرہ ہے وہ آخرت میں اس کی لقاء سے اندھا و محجوب ہوگا ۔

یہ لوگ اپنی برائی و جہالت کو نیکی و خوبی سمجھنے میں سب سے بڑے ظالم ہیں اور اپنے اس ظلم پر نازاں ہونے کی وجہ سے ہی اللہ تعالیٰ کے ان مخلص بندوں کو جو اس کی معرفت و لقاء کے طلب گار ہیں ۔ حقیر و ذلیل سمجھتے اور اپنے طعن و استہزا کا نشانہ بناتے ہیں ۔ حالانکہ وہ خود سب سے زیادہ خاسر و نامراد ہیں اور انہی کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ۔ قل ھل ننبئکم بالاخسرین اعمالا ..... ۱۸/۱۰۳تا۱۰۹ ولـ
مثلہ مدداً (اے محبوب ان سے کہہ ۔ کیا ہم تمہیں بتا نہ دیں کہ اعمال میں سب سے زیادہ خسارہ اٹھانے والے کون ہیں ؟ یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنی تگ و دو اور کوشش کو حیاتِ دنیا میں ہی محصور کر کے ضائع کر دیا اور حصولِ آخرت کے لئے کوشش و خواہش نہ کی اور اس کے باوجود وہ گمان کرتے ہیں وہ کوئی اچھا کام کر رہے ہیں ۔ درحقیقت وہ لوگ اللہ کی آیات اور اس کی لقاء سے منکر ہیں اور ان یہ انکار ان کے عملی اقدامات سے ثابت ہوتا ہے ۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

دنیا پر راضی ہونے والوں کی خصوصیات

دنیا پر راضی و مطمئن اور اپنے قلب و روح کی ساری قوت سے اس میں شاغل صرف وہی لوگ ہوتے ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کی آیات سے غافل۔ اس کے انبیاء و اولیاء سے بیگانہ اور اس کی معرفت و لقا کی طلب و محبت سے عاری ہوتے ہیں۔ یہ لوگ بظاہر مخلوق کی بہتری اور اپنی سیاست میں برتری کے لئے محنت و کوشش کرتے ہیں مگر ان کے اعمال خالص اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی اور اس کی لقا کے حصول کی خاطر نہیں ہوتے اس لئے حبط ہو کر ضائع چلے جاتے ہیں۔ ان کی ظاہری نیکی و خوش اخلاقی اور خدمتِ خلق کے بلند بانگ دعوے قیامت کے روز کوئی وزن اور قدر و قیمت نہیں پائیں گے۔ کیونکہ ان کے باطن میں اللہ تعالیٰ سے خلوص، محبت کا لگاؤ اور آخرت کی طلب موجود نہیں تھی۔ اور ان کی ساری خواہشیں حیاتِ دنیا کے دائرہ میں ہی محصور ہو کر رہ جاتی تھیں اور وہ اپنی نفسی اُپج ہی کو پورا کرتے تھے۔ یہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کی آیات اور اس کے رُسل و انبیاء کو اپنے پست خیالات کے مطابق قرار دینے پر عملی طور پر حقیر و ذلیل کرتے اور ان کے حقیقی حسن و خوبی کو نہ دیکھتے ہوئے ٹھٹھا سمجھنے کا کردار ادا کرتے ہیں۔ آخرت میں جہنم کی سزا کے مستحق ہیں۔ نہ تو یہ آیات پر اللہ کی رضا کے مطابق غور و فکر کرتے ہیں اور نہ ہی اس کے انبیاء و اولیاء کے ساتھ دلی تعلق اور لگاؤ حاصل کرتے ہیں اور یہ دونوں اُمورِ کفر کی وادی میں ہی پیدا ہوتے ہیں۔ جس کی تقدیر میں بالآخر جہنم کی آگ کا لگایا جانا ہے۔

اسوہ حسنہ سے اعراض کرنے والوں کے باطنی داعیات

یہ لوگ حضور پاکؐ کے اسوہ حسنہ اور سیرت و سنت کی پیروی کرنے کی بجائے الٹا اس پر مسخر اڑاتے اور ہیچ سمجھتے ہیں اور ان اعمال و روایات کی حقیقی عظمت کو دیکھنے کی بجائے ان کے رسمی حاملین میں سے معمولی افراد کے ضعف و نقائص کو دیکھ کر اس سے تنفر و اعراض کا بہانہ بناتے ہیں۔ اور حقیقت میں اپنی غلامانہ ذہنیت پر نفس کی پیروی کو اپناتے اور باطل طریق کو رائج رکھنے کی راہ نکالتے ہیں۔ ماحول کے اثرات کے خلاف طریق سنت کو اپنانا درحقیقت اپنے اختیار و ارادہ کی نشو و نما اور خودی کی نمود ہے اور اس سے زندگی میں قوت حیات کی پرورش ہوتی ہے۔ ان لوگوں کا سنت کے خلاف یہ عملی اقدام آیات کے بطلان کے مترا

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ہونے کی وجہ سے انہیں کفر و انکار کی حدوں تک پہنچا دیتا ہے۔ حق کی پیروی سے بچتے ہیں یہ لوگ جو تاویلات کرتے ہیں اور ان پر اپنا گمان مستحکم کر لیتے ہیں وہی امران کے لئے ایک ایسا جال بن جاتا ہے۔ جس میں سے نکلنا ان کے لئے محال ہو جاتا ہے۔

ایمان کو اپنانے والوں کا باطنی حال

ایمان اور اس کے داعیات کا آسان ہونا انہی لوگوں کے نصیب ہوتا ہے۔ جو پہلی بار ہی اس کی تقیضات پر نیازمندی کا اظہار کرتے ہیں۔ اور مختلف قسم کے عذر و بہانے اور حیل و حجت کو اختیار کر کے تسلیم حق سے پہلو بچانے کی کوشش نہیں کرتے۔ ان لوگوں میں سے جو ایمان کی تکمیل تک پہنچ جاتے ہیں۔ وہ اس کے داعیات و مقتضیات کو اپناتے پر ہی اسے حاصل کرتے ہیں۔ اور وہ اعمال صالح ہی ہیں۔ جو ایمان کے تقاضوں کو پورا کرتے ہیں۔ ایمان ایک ایسا درخت ہے، جس کے ڈال و پات اور پھول و پھل نیک اعمال ہیں۔ ہر قسم کی عبادات، ذکر و فکر، احکام امر و نہی کی اطاعت مخلوق خدا کی خیر خواہی اور محاسن اخلاق سب نیک اعمال میں شامل ہیں۔ ایمان و اعمال صالحات لازم و ملزوم اور ایک دوسرے کے محرک ہیں۔ ایمان ایک نور ہے۔ جس کے فروغ و تابانی کے لئے نیک اعمال اس قسم کا کردار ادا کرتے ہیں۔ جو تیل اور بتی چراغ کو روشن کرنے میں۔ موت کے بعد فوراً ہی جنت میں داخل ہونے کے لئے وہی انسان موزوں و سزاوار ہے۔ جس کے دل کا ایمان اعمال صالحات کے ذریعہ تکمیل حاصل کر چکا ہو اور یہی لوگ ابدالآباد تک جنت الفردوس میں مقیم رہنے والے ہیں۔ جب دنیا کے حالات نے ان کے ایمان میں تغیر اور نقص واقع نہیں ہونے دیا اور موت کے دروازہ میں داخل ہونے تک وہ اس پر قائم و مستحکم رہے ہیں تو آخرت میں ان کو کسی قسم کے نقصان اور کمی کے خطرہ کے بغیر فروغ و پائندگی ہی مقدر ہے اور یہی بات جنت میں ان کی حیات جاودانی کا باعث ہے۔

رب کے جنود

یہ عالم دنیا، اس کے اشیاء و امور اور معاملات ہی اتنے وسیع ہیں کہ ایک انسان کا عقل و فکر ان پر کسی طرح احاطہ نہیں کر سکتا اور اس کے بعد عوالم برزخ و آخرت جو اس کے مقابلہ میں ہزاروں گنا زیادہ وسیع و عظیم ہیں کسی طرح انسان کے احاطہ خیال میں نہیں آ سکتے۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ان جملہ عوالم سے گزرنے کے بعد انسان کا آخری مقام جنت یا دوزخ ہے ۔ اور ان کی مدت کی وسعت و طوالت پر ہمیشگی اور ابدالآباد کے الفاظ ہی صادق آ سکتے ہیں ۔ ان کے اندر جزا و ثواب اور عذاب و عقاب کے جو حالات و مناظر نعماء و سزا کی صورت میں موجود ہیں ۔ ان کی کوئی حد و انتہا نہیں ہے ۔ انہیں شمار کرنا اور حساب میں لانا انسان کے لئے کسی طرح ممکن نہیں یہ سب اللہ تعالیٰ کی آیات اس کی صفات کے مظہرات و شیونات ، اس کے افعال کی تفصیلات اور اس کی طرف سے وارد ہونے والے کلمات ہیں ۔ جن کی کثرت و بے انتہائی کے اظہار کے لئے یہی مثال صادق آتی ہے جو اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی ہے کہ اگر سارے سمندر سیاہی کے طور پر استعمال کئے جائیں اور ان سے تیرے رب کی صفت و ثنا ، تحمید و تمجید اور افعال و کلمات کو تحریر کیا جائے تو وہ سارے سمندروں کی سیاہی ختم ہو جائے مگر تیرے رب کے کلمات ختم نہ ہوں ۔ اور اگر کوئی تحریر کے اس سامان کو دوبارہ حاصل کر کے لکھنے کی کوشش کرے تو بھی اس کے لئے یہ بات ممکن نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کے سارے کلمات پر احاطہ کر سکے ۔

اس آیت مبارکہ میں لفظ قل اور ربی کی تخصیص میں جو لطیف اشارات ہیں ۔ وہ حضور پاکؐ کے علم کی وسعت اور ہمارے اعتبار سے بے انتہائی کی دلیل ہیں ۔ وہ حضورؐ ہی کا رب ہے ۔ جو ان صفات کا حامل اور کلمات کا جامع ہے ۔ ایک ولی اللہ جب اپنے رب میں فنا ہو کر بقا حاصل کرتا ہے تو اس کے معلومات اور احوال و کیفیات پر کوئی شخص احاطہ نہیں کر سکتا اور حضور پاکؐ جو سب انبیاؑ و اولیاء کے سردار و سرور ہیں ۔ اور اپنے رب کی ذات مقدس میں کلی طور پر فنا حاصل کرنے کے بعد قیام و بقا کو اپنائے ہوئے ہیں ۔ اپنے معلومات اور احوال و کیفیات کے اعتبار سے کس قدر وسعت و بے انتہائی رکھتے ہیں ۔ جس پر احاطہ اور بحث و تبصرہ کرنا اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کسی شخص کے لئے ممکن نہیں ہے ۔

حضور پاکؐ کی اپنے رب میں کمل فنا وَمَا یَنطِقُ عَنِ الْهَوٰی کی آیت مبارکہ سے ثابت و ظاہر ہے اور اللہ تعالیٰ کی وحی کی جس پر حضورؐ کی ساری زندگی کا مدار ہے ۔ اس کی کیفیات سے بجز اللہ تعالیٰ اور حضور پاک کے کوئی شخص واقف نہیں ہے ۔ پھر حضور کی ذات کے علم کے متعلق بحث و تمحیص کا دروازہ کھولنا اور ہر جاہل و بے حیا کا اس میں بڑھ چڑھ کر باتیں بنانا حضور پاکؐ کی بے ادبی اور تنقیص کے سوا

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کچھ نہیں ہے۔ حضورؐ کے علم کو اپنی علمی حدود میں محصور کرنا انسانیت کے شرف وارتقا اور آئیڈیل کو مسخ کرنا ہے۔ یہ جاہل لوگ جو حضورؐ کی ذات و صفات کو اپنے پیمانہ سے ناپنے کی کوشش کرتے ہیں۔ درحقیقت اللہ کے کلمات وآیات کو محدود و محصور کرنے کی سعیٔ نامسعود کے مرتکب ہوتے ہیں۔

یہ لوگ انسان کے لئے علم کی وسعت اور روحانی ارتفاع وارتقا کا دروازہ بند کرنے کا جرم کرتے ہیں۔ اور انسانیت کی ساری ارفع واعلیٰ اقدار کو اپنی پستی وسفلیت کے تاریک گڑھے میں قید کرنے کا ظلم کر رہے ہیں۔ ان کے اس ظلم کی اصل وجہ اور اسباب ومحرکات کو تفصیل کے ساتھ ہم انشاء اللہ علیحدہ کتاب میں تحریر کریں گے۔

دین کے میدان میں عملی اقدامات کیلئے وسعت

اللہ تعالیٰ کی آیات کو دیکھنے والوں کے لئے یہ ثابت ہے کہ ان کی کوئی حد وانتہا اور حصر واحاطہ نہیں ہے۔ ایک مومن کے لئے کائنات کے ذرہ ذرہ میں اس کے نشانات ہیں۔ جنہیں دیکھ کر وہ اس کی طرف دلیل و راہ حاصل کر سکتا ہے۔ اور اس کے کلمات وآیات کا ذخیرہ اس قدر وسیع و وافر ہے کہ انسان ساری زندگی میں اس سے فارغ نہیں ہو سکتا۔ جو لوگ اس کے دین میں ایک دو قدم چلنے کے بعد اپنے آپ کو فارغ اور اس کے رستہ کو ختم سمجھ لیتے ہیں۔ انہیں اپنی کوتاہ بینی وتنگ دامانی اور پست قدمی پر اپنی عقل وفکر کا ماتم کرنا چاہیئے۔

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے بار بار اپنی آیات کے اشارات فرما کر انسان کو اسی بات پر متنبہ فرمایا ہے کہ وہ اس کی عظمت وحکمت کو اپنے پست خیال پر محدود و محصور نہ کرے۔ اور اس کے متعلق اپنے دل میں کوئی ایسا اعتقاد ویقین نہ جمالے جس میں اس کی قدرت مطلقہ کی تنقیص اور اس کی فعلیت کی بے انتہائی کا پہلو ظاہر نہ ہوتا ہو۔

اگر انسان صدق دل سے ایک آیت پر بھی فکر کرے تو اس کی قدرت کی بے انتہائی کا منظر صاف طور پر دکھائی دینے لگتا ہے اور انسان اس پر تقیید لگانے اور محدود کرنے سے باز رہ سکتا ہے۔ تحدید وتقیید اور تعین واحصا تو اس کی مخلوق کے لئے ہے۔ جس کی ہیئت ترکیبی کو قائم کرنے اور تقدیرات کو استحکام دینے کے لئے اس طرح واقع ہونا ضروری ولازمی ہے اور تخلیق عالم میں اللہ تعالیٰ نے اپنے افعال کے ظہور میں ان امور کو بطور سنت جاریہ کے اپنی رضا ومشیت سے مقرر فرما لیا ہے۔ ورنہ

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

اس کی ذات وصفات کی قدرت اس طریقہ میں محصور اور ختم نہیں ہو گئی ہے۔

فَعَّالٌ لِمَا یُرِیْد

فَعَّالٌ لِمَا یُرِیْد کی رُو سے وہ جو چاہے کر سکتا ہے اور اسی بات میں اس کی حقیقی عظمت کا راز ہے۔ جس پر یقین وایمان سے اہل حال وعلم کے دل ہر وقت لرزاں وخوف زدہ رہتے ہیں۔ حقیقی عالم و عارف کے لئے اللہ تعالیٰ کے وعدہ کے مطابق یہ خوف جنت میں داخل ہو جانے کے بعد ہی ختم ہو سکتا ہے۔ دنیا میں اگر یہ لوگ وقتی طور پر اُنس ومحبت کے جذبات اور توحید کی نسبت سے معمور ہونے پر مسرور ہو جاتے ہیں تو یہ اللہ تعالیٰ کا ایک انعام ہے جو انہیں اپنی طرف چلنے کے راستہ میں پیش آمدہ مصائب ومشکلات کو آسان اور تکلیف کے احساس کو زائل کرنے کا سامان بنتا ہے۔ اس کے ساتھ نیک گمان اور رجاء ہی سے اہل اللہ اپنے دل میں وہ قوت پاتے ہیں۔ جو انہیں ہر قسم کی تکلیفات پر غالب اور صبر ورضا پر مستحکم کرتی ہے۔ ورنہ اس کی عظمت وبے نیازی کا خوف ہر وقت ان کے قلب کی گہرائیوں میں موجود رہتا ہے۔

قدرتِ مطلقہ کا اظہار

تقدیراتِ عالم اور سنتِ جاریہ سے ماورائی اس کی قدرت مطلقہ کے اظہار کے متعلق قرآن مجید میں بہت سی آیات موجود ہیں۔ منجملہ ان کے مندرجہ ذیل آیات میں اسی حقیقت کا اظہار پایا جاتا ہے۔ قال رب انی یکون لی غلام وما امراتی عاقرٌ وقد بلغتُ مِن الکبر عتیا ۝ قال کذالک ج قال ربک علیٰ ھینٌ وقد خلقتک من قبل وَلم تکُ شَیاً $\frac{19}{9,8}$ جب حضرت زکریا علیہ السلام نے جو حضرت مریم کے متکفل تھے۔ گوشہ مسجد میں اعتکاف کی صورت میں ان کے پاس آسمانی رزق اور بے موسم کے میوے دیکھے اور اس بارہ میں اللہ تعالیٰ کی قدرتِ مطلقہ کا اظہار پایا تو ان کے دل میں اولاد کی جو خواہش موجود تھی۔ اس کے پورا ہو جانے کی توقع نظر آئی اور اس مقام پر جہاں سنتِ جاریہ کے خلاف قدرتِ مطلقہ کا اظہار ہو رہا تھا۔ نیز اللہ کی ولیہ کی برکت موجود تھی۔ آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنی شروع کی کہ وہ انہیں نیک اولاد اور وارث وقائمقام عطا فرمائے۔ اسی وقت دعا کی اجابت پر اللہ تعالیٰ نے نیک وصالح فرزند حضرت یحیٰی علیہ السلام کی بشارت دی اور ان کی مفصل تعریف

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

فرما کر اپنا احسان جتایا۔

اپنی بیوی کے عاقر اور اپنے انتہائی ضعیف و معمر ہونے کی وجہ سے اولاد کے پیدا ہونے کی بشارت پر حیرت و استعجاب کا پیدا ہونا فطری امر تھا۔ جس کے اظہار پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ بات ہماری قدرت کے نزدیک کوئی مشکل نہیں ہے۔ جب ہم نے تمہیں ابتداً میں پیدا کر لیا۔ جس وقت تمہارا کوئی نام و نشان موجود نہیں تھا تو اس کے مقابلہ میں بانجھ عورت اور بوڑھے مرد سے اولاد پیدا کر لینا آسان کام ہے۔ یہ ایک ایسی ظاہر و بین دلیل ہے۔ جس سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا۔

جس جگہ بھی اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ مطلقہ کا اظہار فرمایا ہے اس کے ثبوت و تصدیق کے طور پر اکثر اسی دلیل کو بیان فرمایا ہے کیونکہ یہ انسان کے لئے سب سے قریبی اور قابلِ فہم ہے۔ چنانچہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کے بغیر باپ کے پیدائش پر بھی اپنی قدرتِ مطلقہ کا اظہار فرما کر ہر تقدیر پر غلبہ اور اپنے لئے ہر کام آسان ہونے کا بیان فرمایا ہے۔ اور جب کوئی انسان یہ سوال کرتا ہے کہ کیا میں مرنے کے بعد پھر زندہ ہو کر وجودِ خارجی حاصل کر کے ظاہر ہو جاؤں گا تو اس کا یہی جواب دیا جاتا ہے کہ اَوَلَا یَذْکُرُ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰہُ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ یَکُ شَیْئًا ہ اور اس سے بہتر واضح اور کوئی جواب ہو بھی نہیں سکتا۔ یہ ایک ایسا حقیقی ثبوت ہے جسے سننے اور سمجھنے کے بعد کوئی سلیم الفطرت انسان کفر و انکار کا رویہ اختیار نہیں کر سکتا۔

اگر انسان اپنی عدمیت کو نگاہ میں لا کر اللہ تعالیٰ کی قدرتِ مطلقہ کے اس ثبوت کو پورے طور پر دل میں بٹھا لے تو باقی اشیا کی تخلیق اور عدمیت کے متعلق ایمان لے آنا اس پر آسان ہو جاتا ہے۔ یہ انسان کے نفس اور خودی کا اشتعال ہی ہے۔ جو اس کی نظر کو اپنی اور دیگر اشیاء کی عدمیت تک جانے نہیں دیتا۔

فانی و عارضی خودی کے مقابلہ میں حقیقی خودی کا مقام

یہ فانی و عارضی خودی جو کبر و غرور اور غفلت کا ایک حصہ ہے کوئی قابلِ تعریف چیز نہیں ہے حقیقی خودی جو تعریف کے قابل ہے۔ اس وقت بیدار ہوتی ہے۔ جب انسان رذائل، اخلاق اور

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

اور سفلیت و مادیت سے خارج ہو کر ۔ اللہ تعالیٰ کے اخلاق سے متخلق اور ان کے انوار کے رنگ میں رنگا جا کر مقرب بارگاہ ہو جاتا ہے اور انفسی و آفاقی ہر قسم کے معبودان باطل سے نجات پا کر اللہ تعالیٰ کے لئے خالص عبودیت کے مقام پر فائز ہوتا ہے۔ اس وقت اسے اپنے رب کے سوا کسی شئے کی پرواہ نہیں ہوتی۔ ساری دنیا کے مال و دولت اور حکومت کو وہ اپنے پاؤں کی ٹھوکر کے سامنے رکھتا ہے۔ بڑے بڑے مغرور و جابر بادشاہ اس کے سر کو اپنے سامنے نہیں جھکا سکتے۔ اپنے فقر کی شان اسے شاہی سے بلند نظر آتی ہے ۔ اور اسی مقام پر وہ الفقر فخری کا نعرہ لگاتا ہے اور یہ حقیقی خودی صرف اسی وقت ہی پیدا ہو سکتی ہے۔ جب انسان فانی و عارضی خودی اور شعلہ نفسی کو اللہ تعالیٰ کے حضور میں پامال کر دیتا ہے۔ اپنی عدمیت کو دیکھنے سے انسان اپنی حقیقی بے بسی اور عجز سے واقف ہو جاتا ہے ۔ اپنے وجود و قیام کو صرف اسی کی ذات سے قائم دیکھ کر اپنے خوف و امید کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ باندھ لیتا ہے ۔ جملہ اشیائے کائنات کو اسی کی طرف سے دیکھ کر اس کا توحیدی شعور کامل ہو جاتا ہے ۔ تو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور شئے کی عبادت کرنا اس کے لئے ممکن نہیں رہتا۔

اگر کوئی شخص ہر شئے میں توحید کو جاری و ساری دیکھنے کے بعد اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق اشیاء سے فائدہ حاصل کرتا اور اس کے نزدیک مکرم و معظم اشخاص کی تکریم و تعظیم کرتا ہے تو وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ ہی کی عزت اور اس کی محبت کے تقاضا کو پورا کرتا ہے۔ کیونکہ اس کے پاک بندوں کی خدمت و اطاعت کرنا اسی کے حکم کی فرمانبرداری اور اس کی خوشنودی کا باعث ہے۔

نسبتِ توحید کا اثر

جب انسان توحید کو پورے طور پر اپنا لیتا ہے تو اس کا وجود مجسم محبت بن جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو مخلوق کے ساتھ جو محبت ہے۔ اور اس کی رحمت کی جس لطافت سے مخلوق کا ظہور ہو رہا ہے۔ اس کے دل پر پرتو انداز ہوتی ہے۔ تو وہ ہر شئے کے ساتھ پیار کرنے پر مجبور ہوتا ہے ۔ توحید کا شعور اس کے دل و دماغ پر مستولی ہونے کی وجہ سے اشیاء سے محبت اس کے باطن میں ایک جذبہ کی صورت میں نمودار ہوتی ہے۔ ایسی صورت میں اگر اس کے لئے شریعت کی رہنمائی اور اس پر عملدرآمد نہ ہو تو وہ مضر اشیاء و امور کے نقصانات سے بچ نہیں سکتا اور شریعت کے بغیر ہر شخص کی حفاظت و کفالت کرنا اللہ تعالیٰ کی

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

سنتِ جاریہ میں سے نہیں ہے۔

توحید کی حالت میں بُرے امور و اشیاء سے نفرت کرنا اور شریعت کا ادب ملحوظ رکھ کر بُرے اشخاص سے کنارہ کش ہونا آدمی کی خاص قوتِ ارادی اور عزیمت کا کام ہے۔ اس حالت میں اگر اسے رخصت و آزادی دی جائے تو کسی شخص یا شئے کے متعلق برائی کا تصور اس کے ذہن میں نہیں آسکتا چہ جائیکہ انسان اللہ تعالیٰ کے اولیاء اور خاص الخاص مقرب بندوں سے نفرت و گریز کرے۔

توحیدی نظر و نسبت میں انسان جس قدر اولیاء اللہ کا مقر و معتقد ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ظاہری و باطنی ہر دو صورتوں میں انہیں اللہ تعالیٰ سے متعلق قائم و موجود پاتا ہے۔ دوسری مخلوق تو حقیقت میں خدا سے متعلق اور اپنے حال میں اس سے غافل ہونے کی وجہ سے غیر متعلق ہوتی ہے۔ مگر انبیاء و اولیائے کرام اور خاص مومنین حال و حقیقت کی نظر اور ہر دو لحاظ سے اللہ تعالیٰ میں فانی اور اس کی ذات سے باقی ہوتے ہیں۔ اس لئے اس کی ذات کے ساتھ محبت رکھنے والوں کے نزدیک یہ بھی محبوب و معظم اور قابلِ عزت و تکریم ہوتے ہیں اور ان کی خدمت و اطاعت اور فرمانبرداری عین اللہ کی اطاعت ہوتی ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے یہ فرما کر و من یطع الرّسول فقد اطاع اللہ ۰ مکمل طور پر تصدیق کر دی ہے۔

حیرت و تعجب کی اصل چیز

جو لوگ اللہ تعالیٰ کی خالقیت اور اشیاء کی مخلوقیت کو غور و فکر کے بعد عینی مشاہدہ کے طور پر دیکھتے ہیں۔ ان کے نزدیک اللہ تعالیٰ سے انسان کی غفلت و لاپرواہی سب سے زیادہ حیرت و تعجب کی چیز ہے۔ جس طرح دوسرے لوگ دنیا کے معمولی واقعات کو اہمیت دے کر حیران و متعجب ہوتے ہیں۔ اہل اللہ کے لئے اللہ کا یہ تکر سب سے زیادہ عجیب و حیرت زا ہے۔ جس کے ذریعہ انسان تخلیق و پیدائش اور موت کے سے نہایت اہم واقعہ کو بھول گیا ہے اور غفلت نے اس پر ایسا گہرا پردہ ڈالا ہے کہ وہ ان کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا۔ حالانکہ ان سے زیادہ اہم اور کوئی واقعہ اس کائنات میں نہیں تک

غفلت کا گہرا پردہ

بے شک اللہ تعالیٰ کا مکر اپنی جگہ حق ہے۔ اگر وہ ہر انسان کے سامنے اس کی موت اور قیامت کو کھڑا کر دے اور اس کے دل کی آنکھوں سے غفلت کے پردے دور کر کے اس پر حقیقت کا انکشاف کر دے تو دنیا کے لئے انسان کی دوڑ دھوپ اور کد و کاوش ختم ہو جائے اور زندگی کا یہ رنگ و روپ ماند

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

پڑجائے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام کے لئے عام انسانوں کو اس کی طرف کھینچنے میں تبلیغ سے آگے قدم بڑھانے کی اجازت نہیں فرمائی ہے اور اگر کوئی شخص اس امر میں زیادہ غلو بھی کرے تو انسان پر غفلت کا اس اگر ا پردہ تنا ہوا ہے۔ جو اس کی نظر کو ماحول کے دائرہ سے آگے جانے نہیں دیتا۔ اور جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے توفیق و اذن حاصل نہ ہو کوئی انسان حقائق عالیہ کی طرف آنکھ نہیں اٹھا سکتا۔ اور اسے اس امر کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنے کے سوا چارہ نہیں ہے۔ کیونکہ انسان کا ذاتی فائدہ صرف اسی بات میں ہے کہ وہ مبداء معاد کے حقائق کو اپنی نگاہ کے سامنے رکھے اور کم ازکم اس بات کو تو یاد رکھے کہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کی مخلوق و مملوک ہے۔ اور اس کے حضور میں جانا امر حق ہے جس سے کسی طرح گریز پائی نہیں ہو سکتی۔ اس بارہ میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں سینکڑوں دفعہ یاد دہانی دلائی ہے۔ چنانچہ ان آیات میں بھی اسی حقیقت کا مذکور ہے۔ ان کل من فی السموات والارض الا اٰتی الرحمٰن عبدا ..... اور تسبیح لھم رکنہ ۱۹ / ۹۳ تا ۹۸

قدرت وحکمت کا کمال

تحقیق جو کچھ زمین و آسمان میں موجود ہے۔ اپنی حقیقت و عینیت کے اعتبار سے رحمان کا عبد اور مملوک ہے۔ اس کی ذات پاک نے ہر شئے کا احاطہ کیا ہوا ہے۔ اور ہر چیز کی تعداد اور گنتی اس کے ہاں محسوب ہے۔ ہر چیز اس کے علم کے مطابق وقوع پذیر ہو رہی ہے اور کسی تقدیر میں کمی بیشی کا امکان نہیں ہے۔ اشیاء و امور میں جو رد و بدل ہوتا ہے وہ سب اس کے علم و ارادہ اور تقدیر کے مطابق ہے۔ ہر شئے کو اس نے ایک انفرادی یونٹ کی شکل دی ہے اور دنیا و آخرت میں ہر چیز کی انفرادیت اپنی جگہ بحال ہے۔ قیامت کے روز ہر شخص اپنی انفرادی ہستی کے طور پر زندہ و موجود ہو گا اور اشخاص کی اقدار باہم ایک دوسرے سے خلط ملط نہیں ہوں گی۔ یہ اس کے محیط علم اور غالب قدرت ہی کا ثبوت ہو گا کہ ہر شخص کی نیکی و بدی کے اثرات اس کی ذات ہی سے وابستہ ہوں گے۔

اس کی ذات واحد کا اشیاء کی ذوات و صفات میں اس قدر اختلاف و تباین پیدا فرمانا اس کی قدرت و حکمت کا کمال ہے اور وہ جس طرح چاہتا ہے۔ اشیاء کی تقدیرات کا تعین فرماتا ہے۔ ان میں باہم خلط اور بے تمیزی پیدا ہونے نہیں دیتا۔ ہر شئے کی شکل و شباہت، رنگ و روپ، قد و قامت اور اقدار و اطوار میں بیّن فرق اور انفرادیت موجود ہے۔ حتیٰ کہ نوع انسانی میں ایک کی آواز بھی دوسرے سے

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

نہیں ملتی جو عبرت و بصیرت حاصل کرنے والوں کے لئے اس کی رحمت و ربوبیت اور کمالِ صنعت و قدرت کا واضح نشان ہے۔

ایمان و کفر کے اثرات کو اس نے ایک دوسرے سے بیّن طور پر ممیز فرمایا ہے اور قرآن پاک میں جگہ جگہ مختلف اسلوب میں ان کا بیان ہے۔ ایماندار اور نیک اشخاص کے ساتھ لوگوں کے دلوں میں محبت پیدا ہونا اور کفار و بدکردار اشخاص سے دلوں میں نفرت کا پیدا ہونا بھی طبعی اور فطری امر ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے انسانی قلوب کو عمومیت میں اسی تقدیر پر پیدا فرمایا ہے۔ اگر کوئی شخص واقعہ میں ایسا نہیں ہوتا تو اس کا دل فطرت سے پھرا ہوا اور اللہ کی ہدایت سے محجوب ہوتا ہے۔

اہلِ حق کے دل میں محبت کا ارتقا

جو لوگ ایمان و اعمال صالح سے آراستہ و پیراستہ اور حق تعالیٰ کی محبت و لقا کے راستہ پر گامزن ہوتے ہیں اور جن کی قسمت میں معرفت و قرب کے مقاماتِ عالیہ تک پہنچنا نصیب ہوتا ہے۔ ان کیلئے اللہ تعالیٰ محبت کا دروازہ کھول دیتا ہے۔ محبت انہیں ہر طرف سے گھیر لیتی ہے اور ان کے چاروں طرف محبت کا ظہور ہوتا ہے۔ ان کے دل میں اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات سے شدید محبت ہوتی ہے۔ اور اسی کی وجہ سے وہ اس کے افعال اور مخلوقات سے محبت کرتے ہیں۔ اس صورتِ حال پر اللہ تعالیٰ کی ذات کو بھی ان سے محبت ہو جاتی ہے۔ جس کے نتیجہ میں وہ انہیں قرب و معرفت اور اپنی رحمت و معیت کے بلند درجات پر کھینچ کر اپنی حفاظت و کفالت میں لے لیتا ہے۔

اہلِ حق کے لئے لوگوں کے دلوں میں محبت کا القاء

جب کسی بندے کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو ذاتی محبت ہوتی ہے اور اس کے نتیجہ میں بندے کے دل میں اس سے پیدا شدہ محبت کا وہ امتحان بھی لے لیتا ہے۔ اور اپنی رحمت سے اسے اس محبت میں استحکام و استقامت بھی عطا فرما دیتا ہے تو اس وقت زمین و آسمان اور فرشتوں میں اعلان فرماتا ہے کہ فلاں بندے کے ساتھ مجھے محبت ہے اور وہ میری محبت میں مستقیم ہے تو تمام فرشتوں اور سعید انسانوں کے دل میں اس بندے کی محبت بھر جاتی ہے۔ دنیا میں اس کی نیکی و بزرگی شہرہ عام ہو جاتا ہے اور تمام نیک دل انسان اس کے ساتھ محبت کرنے کی طرف مائل ہو جاتے

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ہیں۔ یہ بات اس انسان کے حق میں سَیَجْعَلُ لَھُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا کی تفسیر بن جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی محبت اس کے حق میں ہر طرف محبت کا گلزار کھلا دیتی ہے۔ اور اس پاکیزہ جذبہ کی نورانیت سے اس کے ظاہر و باطن کا نور ہر صاحب بصیرت کو نظر آنے لگتا ہے۔

حضور پاک کی بشیری و نذیری

قرآن پاک کی روح و معنویت کو اللہ تعالیٰ نے حضور پاکؐ کی زبان مبارک پر لا کر عام انسانوں کیلئے آسان اور قابل فہم بنا دیا اور قرآن حکیم کی زبان سے حضورؐ کے ذریعہ اہل اتقاء کو خوشخبری اور اہل باطل جھگڑالو لوگوں کو ڈرانے اور خوف دلانے کا سامان مہیا فرما دیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت عملی جو اس نے اپنے خاص رسول کے ذریعہ اپنے نیک اور متقی بندوں کو اپنی رحمت کی خوشخبری و بشارت دلائی اور ان کے دلوں کو تقویت و استقامت عطا فرما کر اپنے قرب کی راہ پر زیادہ ذوق و شوق اور تیزی سے چلنے کا موقعہ فراہم فرمایا اور بے بصیرت و بدکردار، بدظن اور جھگڑالو، حق کے ہر معاملہ میں اعتراض اور کٹ حُجتی کرنے والے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی غیرت اور مکافات عمل کے نتیجہ میں عذاب سے ڈرانے کی حجت کو پورا فرما دیا۔

عبرت کا مرقعہ

یہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کی آیات پر غور و فکر کر کے ہدایت و عبرت حاصل نہیں کرتے اور اپنی پیدائش و موت کے واقعہ کو بھی بھولے ہوئے ہیں۔ اگر اس بات پر ہی غور کریں کہ کس طرح انسانوں کے گروہ کے گروہ اور بڑی بڑی قومیں و اُمتیں اس صفحۂ ہستی پر ظاہر و نمودار ہوئیں اور پھر اپنے مقررہ وقت و مدت کے بعد نابود ہو گئیں۔ ان کا اس طرح مٹ کر محض تاریخی یادگار اور واقعہ رہ جانا ان کی کس قدر بے بسی اور عجز کا ثبوت ہے۔ جس میں بڑے بڑے جابر و قاہر بادشاہ، قوی ہیکل پہلوان و سپہ سالار اور بلند پایہ عالم و حکیم سب ایک سطح پر نظر آتے ہیں۔ ان کے نیک و بد اعمال کے اثرات کے سوا ان کے اعضا و قویٰ اور وجود کی ہر چیز فانی و نابود ہو کر نسیاً منسیا ہو گئی۔ ان کی شان و شوکت اور قوت و استبداد جو اپنے وقت میں ایک حقیقت تھی اب صرف ایک کہانی بن کر رہ گئی ہے۔ زمین میں جس قدر استعداد انہیں عطا کیا گیا تھا۔ اس کے متعلق ان کا یہی گمان تھا کہ یہ اختیار و قوت کبھی ہم سے علیحدہ نہیں ہو گی اور ہم دنیا پر ہمیشہ کیلئے حاکم و فرمانروا رہیں گے۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کیا آج ان کے وجود و روح کے قدموں کی کوئی آہٹ محسوس ہوتی ہے؟ اور ان کی ہستی کا شور و غوغا جس قدر بلند آہنگ تھا اس کی ایک معمولی سی جھنک بھی سنائی دیتی ہے؟

فطرت کی آواز

یہ ایک ایسا سوال ہے۔ جو ہر حسنِ سماعت اور فکرِ لطیف و عمیق رکھنے والے کی روح کو کھینچ کر عدمیت کی گہرائیوں میں لے جاتا ہے۔ وہ اپنے دل کے کان لگا کر اپنے پیشرو لوگوں کی آواز کو سننے کی کوشش کرتا تو اس بات کے سوا اسے کچھ سنائی نہیں دیتا کہ اللہ تعالیٰ کا امر ہر چیز پر غالب ہے وہی مخلوق کا حقیقی حاکم و مالک ہے اور اسی کی طرف ہر شے کو لوٹ کر جانا ہے۔ اس کا جبر و قہر سب کے لئے مسلّم ہے۔ کبر و علو کا صرف وہی مستحق ہے اور مخلوق کو اس کے حضور میں عجز و انکسار ہی زیب دیتا ہے۔ جن نفوس نے اس کے حضور میں اپنی خودی کی فنا کے بغیر اس کی بلند صفات کو اپنے لئے جائز قرار دیا ان کے سب دعوے خاک میں مل گئے اور ان کے وجود کے ساتھ ان کی باطل تمنائیں بھی نیست و نابود ہوگئیں۔

غرور و تکبر کے طبعی خصوصیات

بڑے بڑے فرعون جو اپنے آپ کو خدا کہلاتے تھے اور حق کے متعلق انبیائے کرام کے بیان کردہ دلائل و نصائح پر کان نہیں دھرتے تھے۔ آج اپنی بے بسی و کسمپرسی کی حالت میں زبانِ حال سے اس غلطی کا اقرار کر رہے ہیں۔ اپنے وقت میں ان کے ظلم اور کبر و رعونت کا یہ عالم تھا کہ معمولی خفگی پر چشم و ابرو کے اشارہ سے انسانوں کے گروہ کے گروہ قتل کر دینا معمولی بات سمجھتے تھے۔ اور اسی اختیار و استعمار نے انہیں اس قدر مغرور و خود سر بنا دیا تھا کہ جب خداوند تعالیٰ کی ذات پاک کے متعلق ان کے سوال انبیائے کرام جواب با صواب اور دلیل برحق بیان فرماتے تھے تو نہایت لاپرواہی و بے اعتنائی سے اعراض کرتے اور کٹ حجتی کے طور پر مباحث کو طول دینے کی کوشش کرتے تھے وہ دلائل و براہین اور آیاتِ بینات دیکھنے کے باوجود انکار و اباء اور تکذیب و استہزاء کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ اور فرعونِ مصر کے مابین جو واقعات ظہور میں آئے ہیں ان کا تذکرہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قال فمن ربکما یا موسیٰ .... فکذب وابیٰ ○ طٰہٰ ۴۹ تا ۵۶

خلق و ہدایت

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو اپنے رب کی طرف رجوع و انابت کی دعوت دی اور

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

لگا اے موسیٰ علیہ السلام تمہارا رب کون ہے؟ جس کے جواب میں آپ نے فرمایا ہمارا رب وہ ہے۔ جس نے ہر شے کی تخلیق فرما کر اسے جامۂ وجود عطا فرمایا اور پھر اپنی ربوبیت کی تکمیل فرماتے ہوئے ہر چیز کو زندگی گزارنے اور اپنے طبعی تقاضوں کو سمجھنے کی ہدایت مرحمت فرمائی اس چھوٹے سے جملہ میں اتنی بڑی حقیقت کا بیان ہے کہ اگر انسان اس پر دل کے کان لگائے اور چشم بصیرت کو وا کر کے دیکھے تو ساری کائنات کی تخلیق اور اس کی ربوبیت کا راز اس کے سامنے واشگاف ہو جائے۔ حیات کائنات میں جس طرح اس کے پیدا فرمانے کو اہمیت حاصل ہے۔ بالکل اسی طرح اس کی ہدایت فرمائی بھی اشیاء کے قیام و بقا میں نہایت اہم کردار ادا کر رہی ہے۔ اگر وہ چیزوں کو پیدا فرمانے کے بعد ان کی ربوبیت کے تقاضا کے طور پر ان کی ہدایت کا انتظام نہ فرماتا تو کوئی شے اپنی زندگی کی تکمیل تک نہ پہنچ سکتی۔

بچہ پیدا ہونے کے بعد اگر اس کی طرف سے ماں کے پستان سے دودھ چوسنے کی ہدایت نہ پائے تو چند دنوں میں ہی اس کی زندگی کا خاتمہ ہو جائے۔ چھوٹے چھوٹے پرندوں میں آپ دیکھتے ہیں کہ کس طرح ان کے ماں باپ دانہ دنکا ان کے منہ میں ڈالتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ہدایت و الہام پر وہ اسے قبول کرنے کے لئے اپنی آمادگی ظاہر کرتے ہیں۔

ہر قسم کے جاندار اور چوپایوں میں تھوڑے سے غور و فکر کے ساتھ دیکھنے پر بھی یہ بات نمایاں طور پر نظر آ جاتی ہے کہ اپنی زندگی گزارنے اور طبعی تقاضوں کو پورا کرنے میں وہ کس طرح اللہ تعالیٰ کی ہدایت و الہام پر کاربند ہیں اور ہر جاندار کو اس کی ضرورت کے اعضاء و قویٰ عطا فرما کر اللہ تعالیٰ نے ان سے فائدہ حاصل کرنے کا طریقہ الہام فرمایا ہے۔ اگر چھوٹے سے چھوٹے جاندار مثلاً مچھر اور شہد کی مکھی پر خدا کی طرف سے جو ہدایت و الہام نازل ہوتا ہے۔ تفصیل کے ساتھ ملاحظہ کیا جائے تو انسانی عبرت و بصیرت کو روشن کرنے کے لئے کافی ہے۔

جاندار اشیاء کو چھوڑ کر آپ نباتات ہی کو لیجئے انہیں جس طرف سے ہوا اور روشنی اور حرارت زیادہ مقدار میں میسر آ سکتی ہے۔ ان کی ٹہنیاں اسی طرف کو جھک جاتی ہیں۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ درخت اس طرف اپنا ہاتھ لمبا کر کے اپنی زندگی کی ضرورت کی اشیاء کو حاصل کر رہا ہے۔ اور اسی طرح اس کی جڑیں خوراک اور پانی کے ہر ذخیرے کی طرف اپنے قدم بڑھا لیتی ہیں۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

انسان کا ظلم و جہل

یہ سب امور اللہ تعالیٰ کی ہدایت اور الہام ہی کے ذریعہ وقوع پذیر ہو رہے ہیں۔ اور کوئی شے اس کی ہدایت کو قبول کرکے اس پر کاربند ہونے سے انکار نہیں کرتی۔ مگر انسان جو اشرف المخلوقات اور جامع جمیع صفات ہے اپنی فطری ہدایت سے محجوب ہو جاتے اور اس پر عمل درآمد کرنے سے رک جاتے ہیں سب سے زیادہ ظالم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی ہدایت کا دوہرا انتظام فرمایا ہے۔ مگر اس پر بھی وہ شیطان کا آلہ کار بن کر اپنی فطرت اور آیات دونوں سے دور بھاگ جاتا ہے۔

جب اسے اللہ تعالیٰ کی تخلیق و ہدایت پر نظر ڈالنے کے لئے کہا جاتا ہے تو وہ اس بات کو ٹال کر اور حق سے پہلو تہی کرکے قصہ کہانیوں میں اپنے دل کو لگا لیتا ہے۔ جس طرح آج ہمارے فارغ البال اشخاص ناول و افسانہ کے دلدادہ بن کر حقائق علیہ سے منہ موڑ لیتے ہیں اور اپنی قوتوں کو حقائق اشیاء کے جاننے اور نیک عمل میں خرچ کرنے کی بجائے دماغی عیاشی میں تلف و ضائع کرتے ہیں۔

اسی طرح فرعون نے بھی گزری ہوئی باتوں کا سوال پیدا کر دیا اور اس طرح امرِ حق سے منہ موڑنے کا بہانہ تراشنے لگا۔

اللہ تعالیٰ کی ہدایت پر نبوت کی بارگاہ سے فما بال القرون الاولیٰ کے سوال کا اس سے بہتر و اصلح اور کوئی جواب نہیں ہو سکتا تھا کہ ان کا علم تو اللہ تعالیٰ کے پاس ہی ہے اور اس کی تفصیل و تحقیق میں اپنے حال کی بہتری اور نیک عمل کو چھوڑ دینا اہلِ حق اور صاحبِ بصیرت کے نزدیک سراسر نقصان و خسران ہے۔

لوحِ محفوظ اور اللہ تعالیٰ کا علمِ محیط

سابقہ امتوں کے متعلق اللہ تعالیٰ کا علم کلی و محیط ہے اور اس کی کتاب لوح محفوظ کے عین مطابق ہے جس میں اس نے ہر چیز کی تقدیرات اور جملہ احوال و واقعات کو مندرج فرما دیا ہے۔ اسی لوح محفوظ کے مطابق سب واقعات دنیا میں رونما ہو رہے ہیں اور اس کا ثبوت اس بات سے ملتا ہے کہ بعض اولیاء اللہ پر مستقبل کے متعلق اکثر واقعات من و عن منکشف ہو جاتے ہیں اور یہ صورت حال ان کے قلب و روح کی صفائی کی وجہ سے ان پر لوح محفوظ کا عکس پڑنے سے ہی واقع ہوتی ہے۔ اگر مستقبل کے متعلق یہ علم پہلے کہیں مندرج نہ ہوتا تو اس کا انکشاف کسی طرح نہیں ہو سکتا تھا۔ اللہ تعالیٰ کا اس علم کو بھول جانا کسی مومن کے تصور میں نہیں آسکتا۔ اس کا علم و حکمت اور قدرت تو اس قدر وسیع اور محیط ہے کہ سارے جہان کو پیدا کرکے اس کی ربوبیت کا انتظام کرنا اس کے لئے نہایت آسان ہے۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

اس کی قدرت کا ادنیٰ کرشمہ ہے۔

نظامِ ربوبیت کا قیام

مخلوقات کے لئے زمین کو بچھونا بنانا اور اس میں چلنے پھرنے کے وسائل و راستے پیدا کرنا اس کی قدرت کا ایک نشان ہے اور پھر اپنی ربوبیت کے نظام کو قائم کرنے کیلئے اس نے آسمان سے بارش کے ذریعہ پانی نازل کرکے ہر قسم کے نباتات کو اگایا۔ جس میں انسان و حیوانات کے لئے خوراک اور زندگی کا سامان ہے۔ یہ اس کی قدرت کا عجیب کرشمہ ہے کہ زمین میں سے ہی ہر چیز کو پیدا کرتا۔ موت کے بعد اسے مٹی بنا کر پھر زمین میں ہی ملا دیتا ہے اور پھر جب چاہے گا۔ دوبارہ زندہ کرکے اسی میں سے نکال کھڑا کرے گا۔

یہ سب عجائبات اسی کی قدرت و حکمت کے آثار و نشانات ہیں۔ جنہیں دیکھ کر سعید روحیں ایمان و ایقان حاصل کرتی ہیں اور اس کی معرفت کو محسوس کرکے اس کے ساتھ خوف و محبت کا رشتہ مضبوطی سے باندھ لیتی ہیں۔ مگر جو شقی و بدبخت اور مغرور و متکبر فرعون مزاج لوگ ہوتے ہیں۔ ان کے سامنے اگر ساری آیات مفصل طور پر بھی بیان کر دی جائیں تو بھی انہیں غور و فکر کرکے عبرت و نصیحت حاصل کرنے کی توفیق نصیب و رفیق نہیں ہوتی۔ حق کی ہر بات سے اباء و انکار ان کی طینت و طبیعت کا حصہ ہوتا ہے اور وہ فرعون کی طرح اسی کا اظہار کرنے پر مجبور رہتے ہیں۔

باطنی تشدد کی غلامی

جس طرح وہ اپنے نفس کی بُری صفات کے سامنے ہتھیار ڈالے ہوئے اور اپنے باطنی تشدد کے غلام ہوتے ہیں۔ اسی طرح وہ حق کو تسلیم کرنے کے لئے بھی کسی بیرونی تشدد ہی کے منتظر رہتے ہیں اور جب تک اس کی گرفت میں آکر چکنا چور نہیں ہو جاتے حق کو ماننے پر آمادہ نہیں ہوتے۔ یہی معاملہ فرعون کے ساتھ پیش آیا اور اس کی طینت سے مناسبت رکھنے والے لوگ ہر دور میں اسی صورتِ حال سے دوچار ہوتے رہے ہیں۔ جب تک اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا ہے ان کے ساتھ وعظ و نصیحت اور عدم تشدد کا طریقہ روا رکھا جاتا ہے۔ لیکن جب وہ انکار و تکذیب پر جم جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی غیرت جوش میں آکر داعیانِ حق کی نصرت فرماتی اور کفار و مشرکین کو تباہ و برباد کر دیتی ہے۔ انفرادی طور پر ظالموں میں سے اگر کچھ اشخاص پر دنیاوی عذاب نازل نہیں ہوتا اور وہ ساری عمر فانی لذتوں میں گرفتار رہ کر دادِ عیش دیتے رہتے ہیں او

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

بغیر توبہ وانابت اختیار کئے مرجاتے ہیں تو اپنے اعمال کے اثرات اور نتیجہ میں آخرت کے عذاب سے کسی طرح بچ نہیں سکتے۔

اس دن کی ہیبت ان کے دل کو کھا جائے گی اور ان کی آنکھیں چکا چوند ہو کر پتھرا جائیں گی۔ اس وقت ایسا عظیم انقلاب برپا ہوگا۔ جس میں اللہ تعالیٰ کا قہر و جلال اس طرح نمایاں ہوگا کہ آج بھی اہلِ ایمان کی روح اس کے تصور سے لرز جاتی ہے۔ پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر ہوا میں اڑ جائیں گے اور زمین ہموار میدان بن جائے گی۔ جس میں کوئی نشیب و فراز اور رکاوٹ و پیچیدگی نہیں ہوگی۔ مندرجہ ذیل آیات میں اللہ تعالیٰ انہی حقائق کا بیان فرماتا ہے۔ ویسئلونک عن الجبال . . . . وقل رب زدنی علما ہ ۱۰۵ تا ۱۱۴

آج کے مغرور و متکبر اس روز داعیٔ حق کو ماننے اور اس کی اتباع کرنے پر مجبور ہوں گے۔ جب انہیں یہ بات روشن و واضح ہو جائے گی کہ ان کی تبلیغ میں کسی قسم کی کجی اور خلافِ حق بات نہیں ہے۔ اس روز ہر باطل پرست کی آواز کمزور اور پست ہو جائے گی اور وہ آپس میں کانا پھوسی کے سوا کوئی آواز بلند نہیں کر سکیں گے۔ حق کی ہیبت ان پر غالب ہوگی دنیا میں وہ جن اشخاص و عناصر اور قویٰ سے مدد حاصل کرتے تھے اور ان پر مغرور ہوتے تھے ان کے کسی کام نہیں آ سکیں گے۔ کوئی شخص ان کی مدد و شفاعت کا اہل نہیں ہوگا۔ اہلِ ایمان کے لئے بھی اسی کی شفاعت قبول ہوگی جسے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہوگی اور اسے شفاعت کرنے کا اذن دیا جائے گا۔ اس روز اس حقیقی زندہ وجود اور اشیاء کے قائم کرنے والے کے حضور میں سب لوگ اپنے چہرے و پیشانیاں رگڑ رہے ہوں گے اور اس کی عظمت کے احساس پر سب کے رخسار خاک آلود ہوں گے۔

آج بھی جن لوگوں کے دلوں پر اس کی عظمت کا اظہار بطورِ وارده نازل ہوتا ہے۔ وہ اس بات کو بخوبی جانتے ہیں کہ اس وقت دل کس طرح ٹکڑے ٹکڑے ہوتا ہے۔ اس کے خوف سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ کلیجہ منہ کو آتا ہے اور آدمی رقت سے بہہ جاتا ہے۔ انسان کا تضرع و نیازمندی اس کے قلب و روح پر محیط ہو جاتی ہے اور وہ اپنے رب کے ساتھ خالص ہو کر ہر طرف کی مدد و نصرت سے ہاتھ اٹھا لیتا ہے۔

قیامت میں یہ صورتِ حال اپنی انتہائی شکل میں وارد ہوگی اور ہر ظالم و جاہل جو دنیا میں اس سے غافل رہا ہے۔ اس بے تعلقی کے نقصان و خسران کو دیکھ لے گا۔ البتہ جس نے دنیا میں نیک اعمال کئے اور وہ ایمان کو اپنائے ہوئے تھا۔ نہ کسی ظلم اور گھاٹے کا خوف نہیں ہوگا۔ اس کے نیک اعمال و

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

اخلاق کا اجر و نتیجہ مزید اور روشن وافزوں تر ہوگا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے امور و حقائق آخرت کو واضح فرمادیا ہے۔

آیات کے نزول سے یہی مقصود ہے کہ انسان اس کی یادداشت اور ذکر و فکر حاصل کرے اور دنیا کی مشغولیت نے اس پر جو غفلت طاری کردی ہے۔ اس کے پردہ کو دور کرسکے۔ تحقیق اللہ تعالیٰ ہی سب سے عالی مرتبہ اور ہر شے کا مالک حقیقی ہے۔ وہ اپنے امر پر غالب اور حاکم مطلق ہے۔ اپنی مشیت کی کارفرمائی کو جہاں تک تکمیل فرمانا چاہتا ہے۔ اس میں کوئی امر مانع و رکاوٹ نہیں ہوسکتا۔ اسی نے حضور پاکؐ کو قرآن مجید کے اخذ کرنے میں تعجیل پسندی سے روکا گیا ہے اور آیات کے بھول جانے یا تلف ہوجانے کے خوف سے حضورؐ کو محفوظ فرمایا گیا ہے۔ اسی ضمن میں آیات کے انتظار میں اکتا جانے سے بچے رہنا بھی آجاتا ہے۔

حضورؐ کی طلبِ علم

اللہ تعالیٰ کے علم سے سیر ہوجانا اور اس کی انتہا تک پہنچ جانے کا گمان کرنا بھی حضور پاکؐ سے دور کیا گیا ہے اور اس دعا کی تلقین پر کہ "اے میرے رب میرے علم کو بڑھا" یہ بات ثابت فرمائی گئی ہے کہ کسی انسان کے لئے اس کی ذات وصفات اور شیونات کے علم کی کوئی انتہا نہیں ہے اور کسی مقام تک پہنچ کر یہ سمجھ لینا کہ وہ علم کی انتہا تک پہنچ گیا ہے۔ انسان کا زعم باطل اور اس کی غلط فہمی ہے۔

حقائق اشیاء اور ذات وصفات کے بارہ میں انسانی علم و حکمت کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ اور اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فوق کل ذی علم علیم کا ارشاد فرمایا ہے۔

گفت حکمت را خدا خیرِ کثیر ہر کجا ایں خیر را بینی بگیر
سیدِ کل صاحب اُم الکتاب پردگی ہا بر ضمیرش بے حجاب
گرچہ عینِ ذات را بے پردہ دید !!! ربِ زدنی از زبان او چکید

(اقبالؒ)

چونکہ ذات کی عینیت اور کلیت کو دیکھنا کسی انسان کے لئے ممکن نہیں اس لئے اپنی انتہا تک پہنچنے کے بعد بھی انسان کا علم تشنۂ تکمیل ہوتا ہے۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم جو سب انبیاء و اولیاء اور عرفاء کے سرور و سردار ہیں اللہ تعالیٰ ذات کے علم کے متعلق اس بات کے کہنے پر مجبور ہیں کہ میں نے اللہ کی معرفت کو اس حد تک نہیں اپنا ۔ ں کا اس کی ذات کو حق ہے اور اس کی حمد و ثنا پورے طور پر اس کی اپنی ذات ہی کر سکتی ہے کیونکہ کسی مخلوق کے لئے اپنے خالق کی ذات پر احاطہ کرنا امکان سے خارج اور امر محال ہے ۔

اللہ تعالیٰ نے حضور پاک کی تعلیم و تربیت کسی اور وسیلہ کے بغیر براہ راست قرآن حکیم کے ذر ہی فرمائی ہے اور نزول وحی سے لے کر آخیر عمر تک انفرادی و اجتماعی زندگی کی تکمیل کے ہر گوشہ آیات پاک کے ذریعہ ہی رہنمائی کی گئی ہے ۔ قرآن مجید کے ایک دم نازل نہ ہونے اور جزء جزء کر کے تیئس سال میں مکمل فرمانے میں حضور پاک کی عملی زندگی کا جو عظیم راز مضمر ہے ۔ حضور کے قلب اطہر کو ثابت و مستحکم استقامت پر رکھنا اس کا ایک حصہ ہے اور اس وحی کا ترتیل کے ساتھ تلاوت کرنا ۔ اس کے مفہوم و معانی کو اپنانا اور زندگی کے عملی مظاہر میں اس کا جاری و ساری کرنا بھی اس امر کا متقاضی ہے کہ نزول قرآن میں تعجیل واقعہ نہ ہو اور ہر ضرورت و رہنمائی کے موقعہ پر آیات کا نزول ہوتا ہے ۔ انسانی بناوٹ و ہیئت ، اس کی وجودی و ذہنی قوتیں اور بشری تقاضے مکمل قرآن پاک کو ایک دم اٹھا لینے کا کسی طرح تحمل و برداشت نہیں رکھتے ۔

نزولِ آیات کی عظمت و اہمیت

حضور پاک کی اتباع کے صدقہ و برکت سے جن لوگوں کے دل پر تلاوت کے وقت آیات کے مفہوم و معانی میں سے کسی قدر حقیقت کا نزول ہوتا ہے وہ اس بات کا احساس رکھتے ہیں کہ یہ امر کتنا عظیم ہے اور حضور پاک کے بشری وجود کے متعلق ان کی حیرت بجا ہے کہ انسانی جامہ کے اندر کس طرح حضور براہ راست ...ی کے بوجھ کو اٹھا لیتے تھے ۔ آیات کے معانی کے معمولی وارده کے وقت انسان کا وزن اپنے معمول سے کئی گنا زیادہ ہو جاتا ہے تو نزول وحی کے وقت بوجھ سے دب کر حضور پاک کی سواری کے جانور کا بیٹھ جانا ایک یقینی حقیقت ہے اور صحابہ کرام ان واقعات کو اپنی آنکھوں سے ہر وقت دیکھتے رہتے تھے ۔

انسانیت کا کمال

نزول وحی کے وقت حضور کے چہرۂ اقدس کے رنگ کا متغیر ہونا ۔ وجود مبارک کا پسینہ سے شرابور

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ہو جانا حضورؐ کی بشریت کا تقاضا تھا اور اس بوجھ کا اٹھا لینا اور اس حالت کا جذب کر جانا انسانیت کا کمال ہے۔

چند آیات کے نزول کے وقت جب یہ صورتِ حال واقعہ ہو جاتی ہے۔ تو سارے قرآن مجید کا اپنے پورے مفہوم و مطالب اور حقائق کے ساتھ ایک دم نازل ہونا قوتِ بشری کے تحمل کے لئے کسی طرح ممکن نہیں ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ حضور پاکؐ کو تعجیل سے باز رکھتے اور تکمیل کی طلب کے لئے آمادہ فرماتے ہیں اور یہی معنے ہیں۔ وقل رب زدنی علما کے،

پہاڑوں کی شکست وریخت

احوالِ آخرت کے تذکرہ میں پہاڑوں کی ہیئت کے متعلق اللہ تعالیٰ نے جو ارشاد فرمایا ہے کہ " یہ ریزہ ریزہ ہو کر اڑ جائیں گے " اس پر تھوڑے سے ایمان کے ساتھ اگر ہم غور کریں تو ان کی شکست و ریخت کا امکان صاف طور پر نظر آجاتا ہے۔ پہاڑی علاقوں میں جو ریتلے میدان ہیں۔ ان کی ریت کے اجزا و رنگت کو دیکھنے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ ان پہاڑوں کے ریزہ ریزہ ہونے سے ہی پیدا و نمودار ہوئی ہے۔ گرمی و سردی کے اثرات اور جن طبعی اعمال کے ذریعہ یہ صورت ایک مدتِ مدید میں ظہور پذیر ہوئی ہے اگر قدرت ان میں شدت اور افراط پیدا کر دے تو یہ صورتِ حال تھوڑی مدت میں بھی واقع ہو سکتی ہے۔ اور پہاڑوں کا ریت بن کر ہوا میں اڑ جانا ایک عینی حقیقت کے طور پر ظاہر ہو سکتا ہے۔ قدرتی طور پر پہاڑوں میں یہ عمل آج بھی جاری ہے۔ اگر آپ لورالائی سے چل کر فورٹ منرو کی طرف سڑک کے راستہ سے آئیں تو آپ کو اس قسم کے بعض ٹیلے نظر آجائیں گے۔ جن کا کچھ حصہ چورہ چورہ ہو کر ریت کی شکل میں تبدیل ہو چکا ہے۔ اور کچھ سخت پتھر کی صورت میں موجود ہے۔ ان کے دیکھنے پر ان آیات کی حقانیت اور پہاڑوں کے نابود ہو جانے کا امکان واضح طور پر محسوس ہونے لگتا ہے۔ بعض پہاڑ ریت کی بجائے مٹی بن جاتے ہیں اور پھر بارش سے ان کے تودے گر کر ان کی ہیئت میں تبدیلی واقع ہو جاتی ہے۔ اور ان سے بیلہ اور کراچی کے راستہ میں اس کی مثالیں اکثر نظر آتی ہیں۔ عام سیر و سیاحت کرنے والوں کو اور بھی کئی جگہ اس قسم کے نظائر دیکھنے میں آسکتے ہیں۔

ایمان بالغیب کی ضرورت واہمیت

یہ ایک اشارہ ہے۔ جس کے ذریعہ ہم پر آخرت اور قیامت کے متعلق ایمان بالغیب آسان ہو

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

سکتا ہے۔ حقائق الہیہ کے متعلق اصل چیز ایمان بالغیب ہی ہے۔ جو ہمارے لئے فضائے روحانی میں پرواز کے لئے بال و پر پیدا کرتا ہے۔ اور ہم کسی حالت میں بھی اس سے مستغنی نہیں ہو سکتے کیونکہ حقائق کی انتہا نہیں ہے اور ہر بلند سے بلند تر حقیقت کو دیکھنے اور اپنانے کے لئے اس پر ایمان بالغیب کی اولین ضرورت ہے۔ گویا ایمان ہی وہ دروازہ ہے۔ جس میں داخل ہو کر ہم اس میدان میں پہنچ سکتے ہیں۔

جو لوگ حقائق عالیہ کے متعلق اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں کے بیان پر ایمان لے آتے ہیں۔ وہ تو ان کی طرف قدم بڑھانے کی توفیق پا لیتے ہیں اور باطنی انوار کے حصول پر ان کا ایمان بتدریج مشاہدہ کی صورت اختیار کرنے لگتا ہے۔ اس سلسلہ میں وہ بلند سے بلند تر درجات و مراتب تک ترقی کرتے چلے جاتے ہیں اور ان کا دل دنیا سے فارغ ہو کر آرام و آسائش کو اپنا لیتا ہے۔ لیکن جن لوگوں کو ابتداء سے ہی ایمان بالغیب حاصل نہیں ہوتا اور وہ اس سے نفور و گریزاں رہتے ہیں۔ وہ حقائق آخرت سے اندھے ہو کر دنیا کی لذت کے حصول پر گر پڑتے ہیں۔ دنیا ہی ان کا ملجاو ماوا ہوتی ہے اور اسی کے مال و متاع میں وہ دل کا آرام و اطمینان تلاش کرتے ہیں۔ اللہ کے ذکر اور اس کی آیات میں فکر سے انہیں کوئی واسطہ نہیں ہوتا اور ذکر سے یہ بیگانگی ہی ان کے دل کی راحت و اطمینان کو کھو دیتی ہے۔ مومن دنیا کی جس نعمت پر قانع اور آسائش حاصل کرنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ آخرت سے جاہل و منکر اس پر کبھی راضی و خوش نہیں ہوتا اور معیشت کی فراخی کے باوجود بھی اس کے دل کی تنگی بڑھتی چلی جاتی ہے۔ اسی حقیقت اور صورتِ حال کو اللہ تعالیٰ نے اِن آیات میں واضح فرمایا ہے۔

(طٰہٰ) ومن اعرض عن ذکری فان لہ معیشۃ ضنکا ونحشرہ یوم القیمۃ اعمی .... ان فی ذالک لایت لاولی النہی ۱۲۴ تا ۱۲۸ ۳۰

معیشت کی تنگی

جس شخص نے ہمارے ذکر اور یاد سے اعراض کیا۔ اس کی معیشت تنگ ہو گئی۔ اور یہ تنگی کوئی مال و دولت اور متاع و نعمائے دنیا کی کمی کی وجہ سے نہیں ہوتی۔ بلکہ دل کی تنگی اور عدم اطمینان کی ایک کیفیت ہوتی ہے۔ جو ہر وقت انسان پر احاطہ کئے رہتی ہے۔ ہر چیز کے موجود ہونے کے باوجود اس کو وسعت و فراخی اور فراغت نصیب نہیں ہوتی۔ یہ صورتِ حال صرف کفار ہی سے متعلق نہیں ہے۔ بلکہ ایمان کا دعویٰ کرنے والے خدا سے غافل لوگ بھی اسی مرض میں مبتلا ہیں۔ لاکھوں روپیہ

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

پاس ہونے کے باوجود ان کا دل سیر نہیں ہوتا۔ دنیا کے متعلق ان کے دل کی فراغت اور سیر چشمی کا فقدان ہی ان کی بے بصیرتی کا باعث بن جاتا ہے۔ قیامت کے روز ان کا اندھا اٹھایا جانا ان کی بے بصیرتی اور دل کی بے نوری کی صورت میں ہوگا جبکہ اہل اللہ تو انوارِ آخرت اور لقاءِ رب العالمین سے روشن بصر ہو کر شاداں و فرحاں ہوں گے۔ اور یہ غافل و منکر لوگ ان انوار سے محجوب ہونے کی وجہ سے عملی طور پر اپنے آپ کو اندھے اور نابینا محسوس کریں گے۔

آخرت میں حق کی لقاء کا حجاب

دنیا میں ان کا حق تعالیٰ سے اعراض و غفلت ہی آخرت میں اس کی لقاء کا حجاب بن جائے گا اور جب وہ خدا سے سوال کریں گے کہ دنیا میں تو ہم اچھے بھلے بینا اور اشیاء کو دیکھنے والے تھے۔ آج تو نے ہمیں اندھا کیوں بنا دیا ہے۔ اور آخرت کی اشیاء و نعما ہمیں نظر کیوں نہیں آتیں تو اس وقت اللہ تعالیٰ یہی جواب دیں گے کہ یہ بات اسی طرح ہے۔ کوئی معاملہ اپنی تقدیرات سے باہر نہیں جا سکتا۔ جو آنکھیں انوارِ آخرت کو دیکھ سکتی ہیں۔ انہیں تم نے دنیا میں روشن و وا ہی نہیں کیا اور دل کی آنکھوں کی یہ روشنی اللہ کا ذکر ہی تھا جس سے تم تمام عمر غافل و جاہل رہے۔ آج تمہاری اسی غفلت کے نتیجہ میں خدا نے بھی تمہیں اپنی رحمت کی یاد سے دور کر کے اپنی لقاء سے محجوب اور انوارِ آخرہ سے اندھا کر دیا ہے۔ تمہاری جو آنکھیں دنیا کی ظاہری اشیاء کو دیکھتی تھیں۔ وہ حقائقِ آخرت کو دیکھنے کے قابل نہیں ہیں اور یہ بات تقدیراتِ الٰہی میں اسی طرح مندرج ہے۔

جو نور روحانی امور اور حق تعالیٰ کو دیکھ سکتا ہے وہ صرف دل کی آنکھوں میں ہی پیدا ہوتا ہے۔ اور اس کو روشن و تابندہ کرنے کے لئے دنیا کا مقام ہی مقرر فرمایا گیا ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جو دنیا میں دل کا اندھا ہے وہ آخرت اور یوم قیامت میں بھی اندھا ہے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کا ظلم نہیں بلکہ انسان کے اپنے ہاتھوں سے پیدا کی ہوئی صورتِ حال ہے۔

آخرت کی بے بصیرتی

اللہ تعالیٰ نے اس کی ہدایت اور تذکر کے لئے اپنی آیات نازل فرمائیں۔ جس میں تقدیرات امور و اشیا۔ قانون عدل و مکافات، رسل و انبیاء اور آسمانی کتب و صحیفے سب شامل ہیں۔ جو انسان ان میں سے کسی کے ساتھ تمسک حاصل نہیں کرتا وہ اللہ تعالیٰ سے غافل و جاہل رہتا ہے اور

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

اس کی یاد سے بے بہرہ ہو کر اسے بھول جانا ہی اس کی بدبختی و شقاوت اور آخرت کی بے بصیرتی و محجوبیت کا باعث بن جاتا ہے۔

جو دنیا کی زندگی میں مسرف و کذاب اور اپنے نفس کے استیلا میں حد سے بڑھنے والا ہے۔ اس کی یہی جزا ہے۔ جو آخرت کی سزا کی صورت میں اس کے لئے مقدر ہو جاتی ہے۔ اللہ کی آیات پر ایمان نہ لانے اور اس کی یاد سے غافل ہونے کی دنیاوی سزا جو معیشت کی تنگی کی صورت میں دی گئی ہے۔ آخرت کی سزا کے مقابلہ میں بالکل خفیف اور معمولی درجہ کی ہے۔ آخرت کا عذاب بہت شدید اور ہمیشہ باقی رہنے والا ہے اور یہی بات اہلِ عقل و علماء کے دل کو دنیا سے متنفر اور آخرت کا طالب و شیدا بناتی ہے۔

اہلِ دانش کے نزدیک بڑی نشانی

اہلِ دانش و بینش اور صاحبِ عقل و صفا آیات سے ہدایت و عبرت حاصل کرتے ہیں اور ان کی نگاہ میں یہ بات اللہ کی قدرت کی بہت بڑی آیت و نشانی ہے کہ انسانوں کے گروہ کے گروہ اور قومیں پیدا ہو کر صفحۂ ہستی پر اپنی ریل پیل، کد و کاوش، دوڑ دھوپ اور اپنے اعمال کا مظاہرہ کرنے کے بعد کس طرح کتمِ عدم میں مستور و نابود ہو جاتی ہیں۔ جب ان کی نگاہ اس صورتِ حال کو اپنی گرفت میں لیتی اور اس بات پر جم جاتی ہے۔ تو ان کی حیرت و استعجاب فزوں تر ہوتے ہیں اور اللہ کی قدرت و حکمت اور عظمت کا احساس ان کے دل میں روشن و فروزاں ہو جاتا ہے۔

یہ کوئی معمولی بات نہیں جسے نظر انداز کیا جائے۔ کیسی کیسی شکلیں اور صورتیں تھیں۔ جو کل اپنے مساکن و آبادیوں میں زندہ و فعال چلتی پھرتی نظر آ رہی تھیں۔ آج ان کا نام و نشان بھی صفحۂ ہستی سے نابود ہو گیا ہے۔

صورت کا بے صورتی سے ظاہر ہونا اور پھر کس کی طرف لوٹ جانا کسی کی قدرت و حکمت کا مظاہرہ ہے؟ اور کون اس تماشا کو دیکھ اور دکھلا رہا ہے؟ اگر یہ صورتیں خود اپنی مرضی و ارادہ سے ظاہر ہوتیں تو اتنی جلدی نابود ہونے اور مٹ جانے پر کیوں تیار و آمادہ ہو جاتیں۔ یہ اسی قاہر و جبار کا دستِ قدرت ہے۔ جو ہر شے کو چوٹی سے پکڑ کر عدم سے وجود میں لا رہا ہے۔ اور پھر انہیں مقررہ تقدیرات سے گزار کر موت کے دروازے پر لا کھڑا کرتا ہے۔ ہر شے کا موت سے ہراساں و گریزاں

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ہونے کے باوجود اس کے کوئیں میں چھلانگ لگا دینا کس کے جبر و استبداد کا اظہار کر رہا ہے؟ قرونِ اولیٰ کی بے انتہا مخلوق کا عدم و ہدم کیا اس کے قہر و غلبہ کا ثبوت نہیں ہے؟ اور ایسی ذاتِ عظیم کے لئے ساری مخلوقات کو معدوم کر کے قیامت کا برپا کرنا آسان و معمولی کام نہیں ہے؟ زلزلہ کے چند شدید جھٹکے ہی دنیا کو تباہ و برباد اور تہ و بالا کرنے کے لئے کافی ہیں۔ اور قیامت کا زلزلہ تو ایک ایسی چیز ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ نے انسان کے لئے شیٔ عظیم قرار دیا ہے۔ کیا ایسی رفیع الشان ذات سے ڈرتے رہنا اور خوف کھانا انسان پر فرض و واجب نہیں ہے؟

قیامت کی ہولناکی

مندرجہ ذیل آیات میں اللہ تعالیٰ نے اسی بات کی ہدایت کی اور ان حقائق کا بیان و اظہار فرمایا ہے۔ یایھا الناس اتقوا ربکم ...... ان اللہ یبعث من فی القبور (پ ۱۷ ع ۸)

قیامت کا روز اتنا ہولناک ہوگا کہ ہر دودھ پلانے والی اپنے دودھ پینے والے کو بھول جائے گی اور ماں کا بچے کو بھول جانا انتہائی کرب و اذیت کی صورت میں ہی واقع ہوتا ہے۔ زلزلہ کی شدت اور اس دن کی ہیبتناکی کی وجہ سے ہر حاملہ عورت اور جاندار مادہ اپنے حمل کو ضائع کر دے گی۔ اس وقت انسان پر جو بے ہوشی و بے شعوری طاری ہوگی وہ عذاب کی شدت اور تکلیف کے باعث ہوگی۔ جن مقامات پر شدید زلزلہ یا آتش فشاں پہاڑوں کے پھٹنے کا واقعہ رونما ہوتا ہے۔ وہاں جزوی طور پر یہ صورتِ حال پیدا ہو جاتی ہے۔ اور یہ بات عام انسانوں کے تجربہ و مشاہدہ میں آتی رہتی ہے۔ اس لئے قیامت کے روز ان حالات کے عالمگیر اور انتہائی صورت میں واقع ہو جانے کے متعلق کسی صاحبِ عقل کو مجال انکار نہیں ہو سکتی۔ جاپان میں معمولی قوت کے ایٹم بم پھٹنے پر جو حالات پیدا ہو گئے تھے۔ وہ تمام دنیا کے سامنے ہیں۔ جس سے عذابِ الٰہی کی شدت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ جب چاہے نفسا نفسی اور ابتلاء و مصیبت کا یہ دن پیدا کر سکتا ہے۔ اور اس کے تسلیم کرنے میں عقل کو کوئی اشکال واقع نہیں ہوتا۔ اصل بات تو اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کا ایمان و معرفت حاصل کرنا ہے۔ جس کے بارے میں انسان مختلف نظریات کا قائل اور اپنے مزعومات کا شکار ہو رہا ہے۔ اگر ہر جاہل و بدخود غلط اس کے بارہ میں بحث و مباحثہ اور جھگڑا شروع کر دے تو سوائے فتنہ و فساد اور غلط اعتقادات کے

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

جو شیطان کی تحریکات ہوں گی اور کوئی نتیجہ پیدا نہیں ہو سکتا۔

اس کی ذات و صفات کے متعلق صرف اس کی طرف سے وحی والہامات ہی رہنمائی کر سکتے ہیں اور ان کے بغیر جو لوگ محض عقل معاش اور ظن و تخمین سے باتیں بناتے ہیں اور انہیں وحی کی تصدیق حاصل نہیں ہوتی وہ سب شیطان کی طرف سے وساوس و خطرات ہیں۔ جو ہرگز قابل قبول اور لائق اتباع نہیں ہیں۔ کیونکہ یہ بات شیطان کی فطرت میں داخل ہے کہ جو شخص اس کا تابع ہوتا اور اس سے رفاقت اختیار کرتا ہے۔ وہ اسے ضلالت کی طرف ہی کھینچ کر لے جاتا ہے۔ جس کے نتیجہ میں تقدیرات معینہ پر دوزخ کے عذاب سے دوچار ہونا اس کے لئے ناگزیر ہو جاتا ہے۔

اکثر فلاسفہ و اہل عقل جو وحی کی اتباع سے بے نیازی کا ادعا کرتے ہیں۔ اپنی روشن دماغی اور باطنی کبر و غرور کی وجہ سے اس مغالطہ میں گرفتار ہوتے ہیں۔ اپنے خیالات کی تیزروی پر اعتماد کے ذریعہ شیطان نے انہیں اپنا شکار بنایا ہے۔ اور اس طرح ان میں سے بعض لوگ باطل اعتقادات پر جم گئے ہیں۔ ان کے لئے تو دماغی قوت میں فراوانی کی بنا پر اپنے نظریات سے وابستہ ہونے کی ایک وجہ موجود ہے۔ مگر بعض جاہل مطلق لوگ جنہیں دماغ کی کوئی روشنی بھی میسر نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کے بارہ میں داعیان حق کے ساتھ جھگڑا باندھتے اور فضول مباحث پیدا کرتے ہیں اور شیطان کے تابع ہو کر ضلالت و گمراہی کی طرف دوڑ لگاتے ہیں۔ ان کے باطن میں سوائے ہٹ دھرمی اور اشتعال کے اور کوئی بات نہیں ہوتی اور حسد و کینہ کے اخلاق ذمیمہ نے ان کے دل پر قبضہ کر رکھا ہوتا ہے۔ جاہلانہ تعصب اور آبائی تقلید کے محرکات انہیں غلط اعتقادات پر جمے رہنے کی تاکید کرتے ہیں۔ اور اس طرح اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ اور صفات عالیہ سے انکار کر کے وہ دوزخ کو اپنا مسکن و ٹھکانہ بنا لیتے ہیں۔

بعث اجساد

بعث اجساد سے انکار کرنے والے لوگ اگر اللہ تعالیٰ کی اس قدرت پر غور کریں۔ جس کے ذریعہ اس نے پہلے ان کے جد امجد کو مٹی سے بنایا۔ پھر مٹی کے اجزاء و عناصر سے اس کی خوراک مہیا فرما کر اس کے اندر نطفہ کو پیدا فرمایا اور اسی نطفہ کو اس کی افزائش نسل کا باعث بنایا۔ اللہ تعالیٰ کی صنعت و حکمت

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کے خاص نظام سے نطفہ کی یہ بوندماں کے رحم میں قرار پاکر ایک مضغہ کی شکل اختیار کرتی ہے۔ پھر اس سے گوشت کا ایک لوتھڑا بنتا ہے۔ جو پہلے اعضا کے نقش و نگار سے خالی اور پھر ان کی ہیئت و ترکیب سے مزین ہو کر انسانی وجود کی شکل میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور تقدیر معینہ اسے ایک مدت مقررہ تک ماں کے رحم میں استقرار عطا کرتی ہے۔ پھر اسے طفل کی صورت میں پیٹ سے خارج فرما کر نشوونما اور پرورش کے سامان مہیا کرتی ہے۔ حتیٰ کہ وہ بلوغ اور جوانی کی حد کو پہنچ جاتا ہے۔ پھر جسے چاہتا ہے۔ جلدی اس جہان سے اٹھا لیتا اور موت کے سپرد کر دیتا ہے۔ اور جسے چاہتا ہے۔ اس کے لئے ایسے اسباب فراہم کرتا ہے کہ وہ طبعی موت سے پہلے کسی حادثہ یا مہلک بیماری کا شکار نہیں ہوتا۔ اور طبعی موت تک پہنچنے کی صورت میں وہ انسان بالکل بچے کی مانند عقل و شعور سے عاری اور علم و قدرت سے بے بہرہ ہو جاتا ہے۔

اس ساری صورت حال اور انقلابات میں انسان کے ذاتی اختیار و ارادہ کو کس حد تک دخل حاصل ہے؟ یہ سارا نظم اللہ تعالیٰ کی قدرت و مشیت سے وابستہ ہے اور وہ ذات پاک اسے مارنے کے بعد دوبارہ زندہ کرنے پر قادر ہے۔ کوئی عقل مند اس کی ذات و صفات اور قدرت مطلقہ کے اثبات کے سوا سر نہیں ہلا سکتا۔ اگر کوئی جاہل انکار کے سوا کچھ جانتا ہی نہیں اور مرنے کے بعد جب تک دوبارہ زندہ نہ ہو جاتے اس حقیقت کو تسلیم نہیں کرنا چاہتا تو اس پر بھی حجت قائم کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے مثال ظاہر فرما دی ہے کہ کس طرح وہ مردہ زمین کو دوبارہ زندہ کرتا اور اس میں سے گل و گلزار پیدا فرماتا ہے۔ دبی ہوئی مردہ زمین کا بارش کے پانی سے مرطوب ہو کر ابھر آنا اور روئیدگی و سبزہ کو نمود دے کر تازہ و ہرا بھرا ہو جانا کس کی قدرت و حکمت کا مرہون منت ہے؟ اس میں ہزارہا انواع و اقسام کے نباتات پیدا کرنا اور ان کے لئے مقررہ خواص و اقدار کا معین فرمانا کس کی تدبیر اور حسن صنعت کا ثبوت ہے؟ جو ذات پاک ایک بار اشیاء کو پیدا فرمانے پر قادر ہے۔ اس کے لئے انہیں دوبارہ پیدا کرنا کوئی مشکل نہیں ہے۔ اس کے علم و ارادہ میں آنے اور وعدہ فرمانے کے بعد قیامت کے قائم ہونے میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں اور اللہ تعالیٰ کا اہل قبور کو دوبارہ زندہ کرنا امر حق ہے۔ الم تران اللہ یسبح لہ من فی السموات والارض ......

.... ان اللہ علی کل شیئ قدیرہ ـــــ ۱۸ تا ۴۵ ـــــ اس کی قدرت کے نظارہ میں جو شخص جہاں جا کر تھک گیا وہ اس کے فکر و خیال اور معرفت کی اپنی حد ہے۔ اس کی قدرت کی حد نہیں اور اس پر حصر وا حاطہ کرنا

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

انسان کے امکان میں نہیں ہے۔

ہر شئے کی تسبیح

اڑتے ہوئے جانوروں اور ہر شئے کا اس کی تسبیح بیان کرنا زبان حال سے ہے اور جو لوگ اس کی قدرت کا حقیقی نظارہ کرتے ہیں انہیں یہ تسبیح و تحمید گوش دل سے سنائی دیتی ہے۔ ہر شئے اس کی طرف سے موجود ہونے پر اپنے حال میں اس کی بندگی اور یاد کر رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کو ہر شئے کی حس و حرکت اور فعل و عمل کا علم ہے۔ کیونکہ وہ خود ہر شئے کا خالق و مالک ہے۔ اور زمین و آسمان کی ہر شئے اسی کی طرف رجوع کرنے والی ہے۔

قدرت کا نظارہ

یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا ایک نظارہ ہے۔ جسے دیکھنے کی وہ دعوت دیتا ہے کہ کس طرح اس نے بادلوں کو پیدا فرمایا۔ پھر انہیں ایک جگہ سے چلا کر دوسری جگہ لاتا اور اکٹھا کر دیتا ہے اور انہیں تہ بہ تہ جمع فرما کر ان میں سے بارش برساتا اور پانی کا اخراج فرماتا ہے۔ پہاڑوں پر برف پڑتا اور جگہ بہ جگہ اولے گرنا بھی اس کی قدرت ہی کا ایک نشان ہے۔ وہ جس جگہ چاہتا ہے۔ انہیں نازل کرتا اور جس جگہ کو چاہتا ہے۔ بچا لیتا ہے۔ اس امر میں کسی شخص کے اختیار و ارادہ کو کوئی دخل نہیں ہے۔ اسی طرح بجلی کا چمکنا اور گرنا بھی اسی کے اختیار ہی سے واقع ہوتا ہے۔ انسان کی سائنسی قوت خدا کی اس قدرت پر احاطہ و کنٹرول حاصل نہیں کر سکی ہے۔ اور یہ آیات بدستور انسان کو اپنا عجز تسلیم کرنے پر مجبور کر رہی ہیں۔ اگر انسان اپنے سائنسی علم کے ذریعہ ان باتوں کی توجیہ اور ان کے اسباب کی تشریح پر احاطہ بھی کر لے تو بھی ۔ ۔ ۔ ۔ ان پر کنٹرول حاصل کرنا اور انہیں اس حالت میں سے لے آنا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت مطلقہ کا نشان ثابت نہ ہوں کسی طرح انسان کے امکان میں نہیں ہے۔ غور و فکر کرنے والوں کے لئے یہ آیات اس کی قدرت کے نشانات کے طور پر قیامت تک اس کی عظمت کی تسلیم کا سامان مہیا کرتی رہیں گی۔

دن رات کا تغیر تو ایک ایسی بات ہے۔ جو ہر وقت انسان کے سامنے موجود اور اس کی عبرت و بصیرت کو اجاگر کرنے کا واضح نشان ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی ایک ایسی صنعت و تقدیر ہے۔ جس میں کسی قسم کی تبدیلی کا واقع نہ ہونا اور ایک مسلسل و مستحکم نظام میں قائم ہونا اس کی عظیم قدرت کا اظہار ہے

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ہر شے کا استحکام و اتقان اس کی حسن صفت اور قدرتِ کاملہ کی دلیل ہے اور اس کا ہر شے کو پانی سے پیدا کرنا اور ان میں اختلافات کا رونما فرمانا اس کی حکمت و قدرت مطلقہ کا نشان ہے۔

ہر تقدیر پر غلبہ

پانی اور مٹی کے عناصر سے ہی وہ کسی شے کو پیٹ کے بل رینگنے والا بناتا ہے۔ کسی کو دو پاؤں پر اور کسی کو چار پاؤں پر چلنے والا بنا دیتا ہے۔ ان تقدیرات کے پیدا کرنے میں اس کی قدرت پر کسی شخص کو احاطہ نہیں ہے وہ جس طرح چاہتا ہے۔ اپنی مخلوقات کو پیدا فرماتا ہے۔ اور یہی بات اس کے ہر تقدیر پر غالب و قادر ہونے کی دلیل میں کافی ہے۔

اللہ کے نشان

اصل بات تو آیات کا دیکھنا اور ان پر دل کی توجہ کو لگانا ہے۔ اور اگر یہ چیز کسی انسان کو نصیب ہو جائے تو وہی بات جو پہلے وہ ہزار بار سرسری طور پر تلاوت کر چکا ہوتا اور اس پر سے گزر جاتا رہا ہے۔ اس کے دل کی آنکھوں اور بصیرت کے قدموں کو پکڑ لیتی ہے۔ اور اسے اللہ کے نشان کو پھلانگ کر آگے جانے نہیں دیتی۔ اس کی نگاہ اس بات پہ جم جاتی ہے اور جب تک وہ اس میں اللہ کی قدرت و فعلیت اور صفات حسنہ کو دیکھ کر اس کے حضور میں سرِ تسلیم خم نہیں کر لیتا اس کے دل کو قرار نہیں آتا۔

اللہ تعالیٰ کی مشیت و قدرت کا یہی انتظام ہے کہ وہ اپنے ایک بندے کو اپنی کتاب کا حامل اور آیات کا عارف بنا کر اس کے ذریعہ سارے عالم کو اپنی ذات سے ڈرانے اور اپنے سامنے جھکانے کا کام لے۔

بلند استعداد کے حامل لوگ تو مجرد آیات کے سننے سے ہی ان کی طرف جھک جاتے ہیں۔ اور ان کے مفہوم و معانی کو اپنا کر انہیں اپنے دل میں جگہ دیتے ہیں۔ مگر اکثر لوگوں کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے رسول پاکؐ کی توجہ سے فائدہ اٹھا کر ان آیات کے مفہوم و مطالب کو اخذ کریں۔ حضور پاکؐ کے بعد یہ منصب علمائے ربانی اور اولیائے حقانی کو تفویض ہوا ہے کہ وہ آیات کے مفہومات کو اپنے پاس بیٹھنے والوں کے دل میں القا کریں اور اس صورتِ حال کو ان کے دل سے دور کریں کہ وہ آیات پر سے بغیر عبرت و بصیرت حاصل کئے گزر جائیں۔ ان کی توجہ انسان

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کی نگاہ کو اس بات کا پابند بنا دیتی ہے کہ وہ ہر آیت کی تلاوت کے وقت اس کے معانی کو دل میں جگہ دے اور اس طرح حق تعالیٰ کی عظمت کو محسوس کر کے اس کا خوف اور نیازمندی حاصل کرے۔

ہر امر کے لئے ایک اثر ہے

جس طرح اللہ تعالیٰ نے ہر شے کو ایک خاص تقدیر پر بنایا ہے۔ اس طرح امور کے لئے تقدیرات مقرر ہیں اور کوئی امر اپنی تقدیر خاص سے باہر نہیں جا سکتا۔ ہر امر کے لئے ایک اثر ہے اور انسان کسی خاص اثر کو حاصل کرنے کے لئے اس بات پر مجبور ہے کہ وہ اس کے متعلقہ امر کو حاصل کرے۔ نیکی و بدی کے امور اپنے خاص اثرات رکھتے ہیں اور جب ہم کسی نیک اثر کو اپنانا چاہتے ہیں تو اس کے امورِ متعلقات کو اختیار کرنا ہمارے لئے ضروری ہو جاتا ہے۔ آیات کے مفہومات و معانی کو سمجھنا اور ان پر دل کو جمانا ایک اثر اور حالت و کیفیت ہے اور اسے حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ہمارا دل و دماغ فارغ و مطمئن اور سکون کی حالت میں ہو۔ یہ حالت اگر فطری طور پر ہمیں مہیا نہ ہو اور اس کے حاصل کرنے میں ہمارے ذاتی اعمال و کردار نے کامیابی حاصل نہ کی ہو تو ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم اس عارف و ولی اللہ کے دامن میں پناہ لیں جو صاحبِ تصرف اور دلوں کی حالت میں انقلاب برپا کرنے پر قادر ہو وہ اپنی نگاہ کی توجہ اور ارادت سے ہمارے دل کو ایسا سکون و اطمینان عطا فرما دے گا اور معانی کو اس طرح ہمارے دل میں القا کرے گا کہ آیات سے عبرت حاصل کئے بغیر ہم آگے نہ گزر سکیں۔ وھو الذی جعل لکم الیل لباساً والنوم سباتاً وجعل النہار نشورا ..... (سورہ الفرقان) وکان ربک قدیرا ہ $\frac{45}{47 \text{ تا } 54}$ ان آیات میں اللہ تعالیٰ کی قدرت و حکمت کے ایسے نشانات ہیں کہ اگر انسان ان پر غور کرے تو اس پر عبرت و بصیرت اور تسلیم و رضا کا دروازہ کشادہ ہو جائے۔

رات اور دن کا بنانا اور ان کی حالتوں میں ایسا اختلاف پیدا کرنا جس میں سے ہر چیز ہماری زندگی کے قیام کے لئے اتنی ضروری ہے کہ اس کے معدوم ہو جانے پر ہم کس طرح آرام و آسائش کے ساتھ وقت نہیں گزار سکتے۔ اگر ہم دن یا رات میں سے کسی ایک کی عدمیت کو تصور کر کے دیکھیں تو ہمیں فوراً محسوس ہو جائے کہ کچھ عرصہ کے بعد کس طرح ہماری زندگی موت کے گھاٹ اتر جائے۔ نیند جو ... ہمارا ... اور تر و تازگی کا ذریعہ ہے۔ اگر ہم سے مفقود کر دی جائے تو ہمیں معلوم ہو جا...

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کہ کس طرح ہمارے اعضاء چلنے لگتے ہیں۔ یہ اس کی حسنِ صنعت اور کمالِ حکمت و قدرت ہے۔ کہ نیند کو موت کی طرح ہم پر مسلط وطاری کرکے پھر ہمیں دوبارہ نئی زندگی عطا فرماتا ہے۔ اور ہماری تھکاوٹ و کوفت کو دور رکھ کے دوبارہ دوڑ دھوپ اور کام کاج کے قابل بناتا ہے۔

ہم اپنی زندگی میں ہر روز اس نظارہ کو دیکھتے ہیں۔ مگر اس کی عمومیت اور کثرت کی وجہ سے اس پر حیرت و استعجاب اور عبرت و بصیرت حاصل نہیں کرتے۔ یہ اس کی ربوبیت و رحمت ہی کا نظام ہے کہ ہماری ناشکری کے باوجود بھی ہمارے آرام کی کسی چیز میں کمی اور عدمیت نہیں فرماتا اور انہیں ایک ایسے وسیع اور عالمگیر نظام کے طور پر پیدا فرمایا ہے کہ ان کے حصول میں انسان کسی دوسرے آدمی کا محتاج نہیں ہے۔

اگر دوسرے معمولی حوائج و ضروریات کی طرح نیند اور دن رات کا تغیر بھی کسی انسان کے قبضہ میں ہوتا تو ہمارے لئے کتنی مشکل اور پریشانی کا سامنا ہوتا۔ اور ہماری زندگی کا قیام یکسر دوسرے کے ہاتھ میں چلا جاتا۔ اسی طرح ہوا جس پر ہماری زندگی کا مدار ہے اس نے ہمارے لئے بالکل عام اور بغیر طلب کے مہیا فرمادی ہے۔ اور اسی کے ذریعہ آسمان سے پانی برسانے کا انتظام فرمایا ہے۔ جس سے ہر انسان و حیوان اپنی پیاس بجھاتا اور اس کے ذریعہ سبزہ و روئیدگی کو حاصل کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا ایسا مستحکم انتظام فرمایا اور اسے اپنے قبضۂ قدرت میں رکھا ہے کہ کوئی انسان اس میں تصرف بے جا اور دوسروں کو نقصان پہنچانے کے لئے اپنی مرضی و ارادہ کی کارفرمائی نہیں کرسکتا۔ اگر صرف یہی بات کسی انسان یا حکومت کے قبضہ میں ہوتی تو دوسرے انسانوں کے لئے زندگی گزارنا محال ہوجاتا۔

پھر اگر پانی کی تقسیم اور اسے ہر جگہ پہنچانے کے قدرتی انتظام پر غور کرو تو اس میں اللہ تعالیٰ کی قدرت و حکمت کے عجیب نشانات ہیں۔

اگر ہموار یا نشیب زمین پر اتنی بارش ہو۔ جس قدر پہاڑوں پر ہوتی ہے۔ اور اسی کے ذریعہ دور دراز کے علاقوں کو سیراب کرنا پڑے تو انسانی مشکلات میں جس قدر اضافہ ہوجائے اس کے تصور سے آپ کی روح لرز جائے گی۔ یہ اس کی کمالِ حکمت ہی کا نشان ہے کہ بلند پہاڑوں کو بارش کی کثرت کا مرکز و مقام بنایا اور وہاں کی ضروریات کو پورا کرنے کے بعد زائد پانی کو نشیب کی طرف چلا کر میدانی علاقوں کو سیراب کرنے کا انتظام فرمایا۔ انسانوں کو اس بات کی حکمت و ہدایت کی تعلیم فرمائی کہ وہ پہاڑی ندی نالوں پر بند باندھ کر پانی کی تقسیم کرتے اور اسے کنارہ سے دور کے کھیتوں تک پہنچاتے

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ہیں اور پھر یہ فاضل پانی نشیب میں آگے چل کر اسی ندی میں شامل ہو جاتا ہے۔

قدرت کا یہ ایسا وسیع اور عظیم انتظام ہے کہ اگر کوئی شخص اس پہاڑی پانی کو نشیب کی طرف جانے سے روکنا چاہے تو نہیں روک سکتا اور دوسروں کو نقصان پہنچانے کی نیت میں خود اس کا اپنا نقصان ہو جاتا ہے۔ اگر آپ پہاڑوں کے اس وسیع و عریض اور بلند سلسلہ کو ناپید تصور کر کے دیکھیں تو اوّل تو بارش کا وجود ہی نہ ہو اور اگر کسی ذریعہ سے اس کا امکان ہو جائے تو اس کے پانی کا کسی جگہ پہنچنا اس وقت تک ممکن نہ ہو جب تک بارش کے علاقہ کی مقامی مخلوق اس میں غرق ہو کر نیست و نابود نہ ہو جائے اس کائنات کی ترکیب و ہیئت اور قدرتی وسائل میں اگر کسی قسم کا تغیر رونما ہو جائے تو فائدہ کی نسبت نقصان کا امکان زیادہ ہے اور وہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جو اس کی کلی حکمتوں اور بنیادی مصلحتوں سے دانا و بینا ہے۔ اس کے انتظام ربوبیت نے جو کچھ بنا دیا ہے۔ اسی میں مخلوق کی بہتری کا راز ہے۔ اور ہر عقلمند انسان کو اس میں غور و فکر کرنے سے تذکر و تشکر کے سوا چارہ نہیں ہے۔

اگر ہر قصبہ و قریہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت کے لئے نبی و رسول کا تقرر ہوتا تو ان سے اباؤ انکار اور سرکشی کرنے والے انسانوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی غیرت و عذاب سے بچ نکلنے کی کوئی گنجائش نہ ہوتی۔ یہ اس کی رحمتِ عامہ ہی کا اظہار ہے کہ اس نے کافۃ الناس کے لئے رحمۃ اللعلمین کا نزول فرمایا ہے اور ہر شخص کو اس کی رحمت سے حسبِ حال و استعداد حصّہ پہنچ رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضورِ پاکؐ کو حیاتِ ظاہری میں مخالفین کے شر سے بچا کر اپنے فرض کی ادائیگی تبلیغ کی تکمیل کے کام میں لگائے رکھا ہے اور حضورؐ پر مسلسل آیات کا نزول فرما کر آپؐ کے قلب اطہر کی ہدایت و تقویت اور مومن کے لئے عبرت و بصیرت کا سامان مہیا فرمایا ہے۔

مختلف رو

مومنین کو کفار کے شر سے بچانے اور انہیں آپس میں خلط ملط ہونے سے حفاظت کی تمثیل پر اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کا اظہار فرمایا ہے کہ وہ وہی ذات ہے جو میٹھے پانی کی رَو کو کھارے پانی کی رَو سے جدا رکھنے پر قادر اور ان کے خواص و اقدار کو ایک دوسرے میں شامل ہونے سے روکنے والا ہے۔ ہر دو قسم کے پانیوں میں ظاہری طور پر کوئی رکاوٹ اور حجاب نہیں ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ کی قدرت ایک رَو کو دوسرے پانی سے ملنے نہیں دیتی اور ان کا وجودی امتیاز برقرار رہتا ہے

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

میں مخلوقات دوڑوں کے چلنے کا ایسا عظیم الشان انتظام ہے کہ کوئی انسانی تصرف اس میں حائل و خارج نہیں ہو سکتا۔ اور ان کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کو عالم میں جو فائدہ پہنچانا مقصود ہے کوئی قوت اس میں رکاوٹ پیدا نہیں کر سکتی۔ یہ نظام اتفاقی طور پر پیدا نہیں ہو گیا ہے اور کوئی انسان اپنی ذاتی قوت سے اس قسم کی رو پیدا نہیں کر سکتا۔ یہ اسی کی ذاتِ پاک ہے جو پانی کی ایک بوند سے انسان جیسی مخلوق کو پیدا فرماتا اور پھر اس کی افزائشِ نسل اور سلسلۂ نسب و قرابت اور کنبہ و قبیلہ کا اظہار فرماتا ہے۔

اس کی قدرتِ مطلقہ نے ہر شے پر احاطہ کر رکھا ہے اور جب وہ اس کا بیان و اظہار فرماتا ہے تو حضور پاک اور مومنین صحابہؓ کو اپنے رب سے تعلق و معیت اور قربت کی وجہ سے خوشخبری و بشارت کا جو پیغام پہنچتا ہے۔ اسے آج بھی اہلِ ذوق اور رب سے محبت رکھنے والے پورے طور پر محسوس کرتے ہیں۔

قدرت مطلقہ کے اظہار میں حضور پاک اور مومنین کیلئے بشارت کا افشا و پیغام

تکلیفات و شدائد کے ایام میں اللہ تعالیٰ کا حضور پاک اور مومنین پر اپنی قدرتِ مطلقہ کا اظہار فرمانا اور اسے امثال و دلائل سے واضح کرنا ان کے دلوں کو ڈھارس بندھانے اور تقویت دینے کا سامان مہیا کرنا ہے بے شک یہ خوشخبری صرف اسی کے لئے ہے۔ جو اپنے رب پر کامل ایمان و ایقان اور اس کی ذات و صفات کی معرفت کو دل و جان میں سما چکا ہو۔

اگر کسی شخص کا کسی دنیا کے بادشاہ سے گہرا دلی تعلق ہو اور وہ اسے کسی مشکل کام اور آزمائش میں ڈالنے کے بعد اس بات کا پیغام بھیجے کہ میں تمہیں اس کام سے صحیح و سالم اور کامیاب و کامران نکالنے پر قادر ہوں تو اس شخص کے بادشاہ پر حسنِ ظن اور ایمان کا تقاضا ہے کہ وہ اپنے دل میں خوشی محسوس کرے اور ہر قسم کے رنج و غم سے آزاد ہو کر اپنے فرض کی ادائیگی اور تکمیل کار میں کوشاں ہو۔

اللہ تعالیٰ کی آیات کے رموز و اشارات کو سمجھنے کا مفاد ہی تھا۔ جس کے ذریعہ حضور پاک اور صحابہ کرامؓ اس قسم کی تکلیفات اور شدائد و مشکلات میں ثابت قدم اور جادۂ حق پر مستقیم ہونے میں کامیاب ہوئے ہیں۔ وہ ہر آیت میں اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کی جلوہ نمائیوں کو محسوس کرتے تھے۔ اور اس میں ان کے دل کی ہدایت و تقویت کا سامان ہوتا تھا۔

آج بھی جو شخص اللہ تعالیٰ پر ایمان و ایقان رکھتے ہوئے اس کی آیات پر غور و فکر کرتا اور

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

اس کی معرفت کو اپناتا ہے۔ اس کا دل توحید و توکل کے احوال و جذبات سے تقویت پا کر حق پر ستقامت نیک عمل سے معمور و سرشار ہو جاتا ہے۔ حضور پاک کے قلب اطہر کو تقویت دینے اور حضور کے ساتھ اپنے گہرے و شدید رابطہ و تعلق کو اظہار فرمانے کے طور پر ہی اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کا ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں کہ "تیرا رب ہر بات پر قادر ہے" اور اس سلسلہ کو طول دیتے ہوئے مختلف آیات میں حضور اور مومنین پر اپنی رحمت کے انشا کے طور پر اس مبارک فقرہ کو دہراتے ہیں کہ تیرا رب وہ ہے جو رحمت کرنے پر غالب ہے۔ اور حضور پاک کو کفار کے طرز عمل کے بارہ میں تنگ دل ہونے سے بچایا گیا ہے۔ مندرجہ ذیل آیات انہی حقائق پر دلالت فرما رہی ہیں (الشعرا) تلك آيات الكتب المبين ..... وان ربك لهو العزيز الرحيم ٥ (۱ تا ۹) "یہ آیات کتاب مبین کی ہیں جس کی عظمت و وسعت کائنات پر محیط ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا علم اور لوح محفوظ کے مندرجات ہیں جن میں کسی قسم کی تبدیلی اور تغیر ممکن نہیں ہے۔ یہ آیات جن حقائق کو بیان کرتی ہیں انہیں ظہور میں آنے سے روکنا کسی انسان کے بس کی بات نہیں کتاب مبین کے اظہار میں ہی حضور پاک اور مومنین کے لئے حق پر قائم ہونے کے متعلق بشارت و خوشخبری کی دلیل ہے۔ اور کفار کے اپنا انکار پر قائم رہنے کی صورت میں حضور کے لئے تسلی و اطمینان کا نزول فرمایا گیا ہے کہ یہ ہماری حکمت ہی کا تقاضا ہے کہ یہ لوگ ایمان کی طرف لپک کر نہیں آتے اور مومنین کے مقابلہ میں کفار کا برقرار رکھنا خاص مصلحت کا حامل ہے آپ ان کے ایمان نہ لانے پر اپنی جان کو تنگی میں نہ ڈالیں اور اس بات پر اپنے قلب اطہر میں رنج و غم کو راہ نہ دیں۔ آپ کا رب آپ پر رحمت کرنے اور آپ کو کامیاب و کامران بنانے میں پورے طور پر غالب ہے۔

ہر بات پر قدرت

دیکھنے والوں کے لئے یہ اس کی قدرت و غلبہ ہی کا نشان ہے۔ جو اس نے زمین میں ہر قسم کی مخلوقات کو پیدا فرمادیا ہے۔ اگر زمین پر ایک ہی قسم کی مخلوق ہوتی تو شاید یہ بات اس کی قدرت میں کمی کی دلیل بن سکتی۔ مگر اب تو انواع و اقسام اور تنوع در تنوع کی مخلوقات اس بات کو واضح طور پر ثابت کر رہی ہے کہ ان کا خالق ہر بات پر قادر و غالب ہے وہ جو چاہے کر سکتا ہے۔ اور مخلوقات میں ہر قسم کے تغیر پر قدرت رکھتا ہے۔ اگر وہ چاہے تو کفار کو مغلوب و عاجز کرنے کے

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

آسمان سے ایسی نشانی نازل فرما سکتا ہے اور حضورؐ کو اس قسم کا معجزہ عطا فرما سکتا ہے کہ ان لوگوں کی گردنیں فوراً جھک جاویں اور وہ حضورؐ کے سامنے تسلیم و انقیاد حاصل کرنے پر مجبور ہو جاویں۔ مگر بات اسی طرح ہوتی ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کو منظور ہے۔ جس طرح پروردگار اپنے حق کو ظاہر و غالب کرنا اور حضور پاکؐ کی عظمت و حقانیت کو جس قدر وقت اور عمل کے بعد ظاہر فرمانا چاہتا ہے یہ اسی کا تقاضا ہے کہ کچھ لوگ اپنے کفر و انکار پر جمے رہیں۔ اسی لئے جب بھی رحمٰن کی طرف سے ان پر کوئی نئی آیت اور نصیحت نازل ہوتی ہے تو وہ اس سے اعراض و کنارہ کشی اختیار کرتے اور انکار پر تل جاتے ہیں۔ اب عنقریب انہیں حضورؐ اور مومنین کو تمسخر و استہزا کا نشانہ بنانے کا انجام معلوم ہو جائے گا۔ ان کے دن قریب آچکے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی قدرت ان پر اپنے نشانات کو ظاہر کر دے گی۔

ان آیات میں حضور پاکؐ اور مومنین کے لئے رحمت کی نوید اور کفار و مشرکین کے لئے ادبار و نکبت کی تہدید ہے۔ یہ آیات حضور پاکؐ کی مکی زندگی کی ہیں۔ اور ان میں صحابۂ کرامؓ کے لئے نجات و کامیابی کی پیشین گوئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کفار کو ذلیل و نامراد کرے گی اور مومنین کو اپنی مدد پہنچا کر غلبہ و کامرانی عطا فرمائے گی۔ جس طرح اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے معاملہ میں کارروائی فرمائی اور انبیائے کرام کو غلبہ و نصرت عطا فرما کر ان کے مخالفین کو خاسر و نامراد اور تباہ و برباد کر دیا۔

اس مذکور میں حضرت ابراہیمؑ، حضرت نوحؑ، حضرت ہودؑ، حضرت صالحؑ، حضرت لوطؑ اور حضرت شعیب علیہم السلام کا بیان بھی فرمایا گیا ہے۔ ان کی امتوں کا اپنے انبیائے کرام کے ساتھ مقابلہ کرنا اور بالآخر مغلوب و مقہور ہو جانا ظاہر کیا گیا ہے۔ اور ہر بیان کے آخر پر حضور پاکؐ کے رب کے رحم کرنے پر غالب ہونے کا تذکرہ فرما دیا گیا ہے۔ اس بیان میں اہل بصیرت کے لئے حضورؐ کی علوئے شان کا جو رمز و اشارہ موجود ہے اور ربکؐ کی تخصیص اپنے اندر جو حقیقت رکھتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ حضورؐ کے باطنی ربط و تعلق کو جاننے والے لوگ ہی سمجھ سکتے ہیں۔

اکثر لوگوں کا ایمان نہ لانا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی آیات اور انبیائے کرام کے بیانات میں نعوذ باللہ کسی قسم کا کذب و افترا ہے اور وہ امر حق پر قائم نہیں ہیں۔ بلکہ یہ معاملہ اللہ تعالیٰ کی خاص حکمت اور مشیت پر موقوف و منحصر ہے۔ ابتدا ہی سے اس کا دستور اور طریق کار اسی طرح ہے کہ حق و باطل کی جنگ اور کشمکش کو برپا فرما کر ایک مدت تک ان کی قوتوں کی آزمائش و ورزش فرماتا

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ہے اور جب ہر دو فریق کی اقدار و استعداد اپنے اپنے عروج وارتقاء کو پہنچ جاتی ہیں تو اہل حق اور اپنے مخلص بندوں کی مدد فرما کر ان کے مخالفین کو مغلوب اور تباہ و برباد فرما دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے وعدہ کی حقانیت

ان آیات کے نزول کے وقت سابقہ انبیائے کرام کے واقعات تو تاریخی حیثیت رکھتے تھے مگر صحابۂ کرامؓ کے لئے اپنے مستقبل کے معاملات اللہ تعالیٰ اور حضور پاکؐ کے وعدہ پر ایمان بالغیب سے زیادہ درجہ نہیں رکھتے تھے۔ آج ہم واضح طور پر دیکھ رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح حضور پاکؐ اور صحابۂ کرامؓ کے ساتھ اپنے وعدہ کو پورا فرمایا اور ان کے مخالفین و مشرکین کو بیخ و بُن سے اکھاڑ کر رکھ دیا۔ اس وقت کا وعدہ آج ایک تاریخی شہادت اور حضور کی حقانیت کا بین ثبوت ہے۔

اسی طرح قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے حضور پاکؐ اور صحابۂ کرامؓ کو بار بار اور جگہ بجگہ تسلی تشفی فرمائی ہے۔ ان کے غلبہ اور فوز و فلاح کے متعلق وعدہ فرما کر اس امر پر اپنے قادر مطلق ہو کے ثبوت اور دلیل کے طور پر سابقہ اُمتوں کے واقعات اور انبیائے کرام کی نصرت کا بیان فرمایا تاریخی واقعات کے بیان تو سب کے لئے واضح و آسان ہیں مگر صاحب بصیرت اور اہل ایمان لوگ تخلیقِ کائنات کے متعلق اللہ تعالیٰ کی آیات سے بھی اس کی قدرت و حکمت اور غلبہ کا نشان پاکر اس کی رحمت سے اپنی امید کے رشتہ کو مضبوط کرتے ہوئے اپنے مستقبل کے حق میں بہتری کی توقع اور بشارت و رجا کو محسوس کرتے ہیں اور احوالِ توحید و توکل کو اپنا کر اپنے عمل خیر میں اور زیادہ استحکام و استقامت اختیار کرتے ہیں۔

بعض لوگ اس بیان پر حیران ہونگے کہ توحید و توکل کے احوال و نظریات تو اکثر طور پر عمل جمود اور فرسودگی پیدا کرنے میں مشہور رہیں اور تم اس کے برعکس اس میں حرکت و کشادگی کا اظہار کر ہو۔ ہم ان سے گزارش کرتے ہیں کہ توحید جب تک خام اور محض علمی نظریہ کی حیثیت میں ہوتی ہے عمل کے لئے رکاوٹ بنتی ہے۔ مگر جب تام ہو کر باطن کا حال بن جاتی ہے تو ہر عمل و فعل کے خدا کی طرف منسوب ہو جانے پر اس کے حامل کے عمل کی اہمیت کئی گنا زیادہ ہو جاتی ہے۔ اور ہر جگہ کے افعال کی دید اسے اعمال میں رکاوٹ بننے سے باز رکھتی ہے۔ ایسے شخص کے لئے توحید و توکل کے احوال اعمالِ خیر کے محرک اور ہمت و استقامت کے داعی ہوتے ہیں۔ اہلِ حق نے ہمیشہ ان

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

یہی مفاد حاصل کیا ہے۔ جو لوگ ان نظریات سے اس کے برخلاف نتیجہ اخذ کرتے رہے۔ انہوں نے ان مبارک احوال کو پورے طور پر اپنے باطن میں محسوس نہیں کیا اور رسمی طور پر الفاظ کے معانی کو اپنی کور باطنی سے ملاکر غلط نتیجہ نکالتے رہے ہیں۔

جن اہلِ حق نے توحید و توکل کا مفاد حاصل کر کے دنیا سے نفرت اور اللہ کی طرف کا میلان حاصل کیا ہے اور اس کی قربت و معیت کی منزل میں ڈیرے ڈالے ہیں وہ ہرگز عمل سے کوتاہ اور حرکت سے تہی دامن نہیں ہوئے ہیں بلکہ ان کی عملی قوت نے ظاہری حس و حرکت سے رخ موڑ کر باطنی جدوجہد اور احساس و نمو کا لبادہ اوڑھ لیا ہے۔ ان کے عمل کو ظاہر پرست لوگ محسوس و معلوم نہیں کر سکتے۔ وہ تو ہر وقت اپنے باطنی عمل و حرکت میں تیز گام اور اپنی تگ و دو میں رواں دواں رہتے ہیں۔ ان کا ظاہر خاموش مگر باطن پر جوش ہوتا ہے۔ احوال کی نگہداشت کا جو کام ان کے سپرد ہے وہ اس سے کبھی غافل و جاہل نہیں ہوتے اور اللہ تعالیٰ کے ذکر و فکر کا وظیفہ ہر وقت ان پر غالب و محیط رہتا ہے۔ اعمال کی حقیقی غرض و غایت اور ان کا اصلی مقصود ہر وقت ان کے پیشِ نظر رہتا ہے جہلا کا انہیں بے عمل سمجھنا اپنی غلط فہمی اور بے بصیرتی کی وجہ سے ہے۔

حقیقی عامل و بے عمل کی پہچان

حقیقی عامل و بے عمل کی پہچان اور علامت یہ ہے کہ عامل تو اپنے ظاہری یا باطنی عمل میں مشغول اور اس میں سرمست و سرشار ہوتا ہے اور اس حالت و کیفیت کی وجہ سے وہ فضول اور بیہودہ مباحث اور اپنی ذات سے غیر متعلق معاملات کے بارہ میں بالکل ساکن و خاموش رہتا ہے۔ اسے اپنے عمل کی سرگرمی اتنی فرصت ہی نہیں دیتی کہ وہ جدل و اعتراض اور بحث و مناظرہ کی دماغی عیاشی کے غیر مفید کاموں میں مشغول ہو۔ یہ بے عمل آدمی ہی کا کردار ہے کہ وہ حقیقی مشغولیت سے بے بہرہ ہونے کی بنا پر ہر بات میں اعتراضات کو جیتا اور اس کے منفی پہلو کو اختیار کرتا ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے جدل و اعتراضات کو اکثر طور پر کفار و منکرین سے ہی منسوب کیا ہے اور یہ انہی لوگوں کی خصوصیت قرار پائی ہے۔ جنہیں زندگی میں حقیقی عمل اور امور کا مثبت پہلو نصیب نہیں ہے۔ انہی اقدار پر اعمال کے عامل اور ان سے عاری اشخاص کی پرکھ و پہچان ہو سکتی ہے۔ اور

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ہم اس بات کا مشاہدہ و تجربہ کر سکتے ہیں کہ صرف بے عمل انسان کے دل و دماغ میں ہی شیطان کے مستقل قیام کا امکان ہوتا ہے۔ اور اس جگہ اعمال سے مراد امورِ خیر کا سرانجام دینا ہی قرار دیا جا سکتا ہے۔

مومن کا فطری میلان

مومن میں تسلیم و رضا اور اطاعت و اتباع کا مادہ فطری طور پر زیادہ ہوتا ہے۔ اور یہی بات اس کے عامل ہونے کی دلیل اور لغویات سے اعراض و کنارہ کشی کا باعث ہوتی ہے۔ اپنے بندوں کی تعریف میں رحمان یہی بات بیان فرماتا ہے کہ وہ زمین میں فروتنی کو اختیار کرتے۔ اس میں سکون و اطمینان اور وقار کی چال چلتے، تحمل و بردباری کو اپنا شعار بناتے اور تیزی و عجلت کو چھوڑ کر آہستگی و میانہ روی کو اختیار کرتے ہیں۔ جب جہلاء ان سے مخاطب ہوتے اور فضول سوالات پوچھتے ہیں تو وہ اپنے عمل کو چھوڑ کر ان کے مباحث میں وقف نہیں ہو جاتے بلکہ نہایت آرام اور سلامتی کے ساتھ ان سے کنارہ کش ہو جاتے اور اپنے وقت کو بچا لیتے ہیں۔

یہ وقت ہی ان کا سب سے زیادہ قیمتی سرمایہ ہوتا ہے۔ جس کی حفاظت وہ اپنی ذات پر فرض عین سمجھتے ہیں۔ جس طرح جاہل و غافل لوگوں کو اس کے ضائع کر دینے میں کوئی کوفت و پریشانی نہیں ہوتی۔ ان کے برخلاف انہیں ایک لحظہ بھر بے عمل رہنا بھی گوارا نہیں ہوتا۔ وہ اپنے نفس پر ہر وقت محاسبہ رکھتے ہیں۔ اور جس وقت بھی اسے غافل و بے عمل پاتے ہیں تو پورے طور پر سرزنش کرتے ہیں۔ ان کی اسی حالت کے متعلق اقبال نے کہا ہے۔

"مردِ مومن زندہ و با خود بجنگ"

انہیں اپنی زندگی کی حقیقی قدر و قیمت معلوم ہوتی ہے اور یہ بات اپنے رب کی آیات پر غور و فکر اور ایمان کے بعد اس کی تنبیہات کو قبول کرنے سے ہی حاصل ہو سکتی ہے۔ اس کے حضور میں جوابدہی کا احساس اور اس کی بنا پر سوال و حساب کا تصور ہی انسان کو اعمال خیر کے لئے مستعد کرتا ہے اور جب وہ ان کے اثرات و فوائد اور ذکر و فکر کے انوار کو محسوس و معلوم کرتا ہے۔ تو نیکی و خیرات کا ہر کام اس پر آسان ہو جاتا ہے۔ اس کی آیات پر غور و فکر سے ہی اس کی توحید کا تصور دیقین مستحکم ہوتا ہے اور انسان اپنے نفس کے داعیات میں گم ہونے کی بجائے اللہ تعالیٰ کی ہدایت و احکامات کو ہر وقت نگاہ کے سامنے رکھتا ہے۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

شرک کی اصلیت

اللہ تعالیٰ کے امر و نہی کے خلاف اپنے نفس کی خواہشات کو پورا کرنا ہی دراصل شرک کی اصل بنیاد ہے۔ اور اسی چیز کی خاطر انسان دوسرے قوی و عناصر اور بتوں تک کو پوجنے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ انسان سے اسی چیز کو دور کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں دلائل و براہین کو بطور سوالات ارشاد فرمایا ہے اور انسان کو امر حق پر قائم ہونے اور توحید کو اپنانے کی تلقین فرمائی ہے۔ اور جن بندوں کو اس نے اپنے لئے خالص کر لیا ہے۔ ان کی تعریف کا اظہار فرمایا ہے۔

قل الحمد للہ وسلٰم علیٰ عبادہ الذین اصطفٰی ..... قل ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین ۵ ‏(۲۷ — ۵۹ تا ۶۴)

حضورؐ کو ارشاد ہے کہ آپ فرما دیجئے کہ حمد و تعریف تو خالص اللہ تعالیٰ کے لئے ہے اور سلامتی و فوز و فلاح اللہ کے ان بندوں کے لئے ہے جنہیں اس نے اپنی مخلوق میں سے چھانٹ اور چن کر اپنی ذات کے لئے خالص کر لیا ہے۔ اور ان میں سے بعض کو انسانوں کی ہدایت و اصلاح کے کام پر مامور فرما دیا ہے یہ جملہ رسل و انبیاءؑ اور بعض اولیاءؒ اللہ کا گروہ ہے۔ جو اس کی توحید کا عالم و عارف ہونے کی بنا پر مخلوقات کے سامنے اس کی وحدانیت کی شہادت دیتا اور انسان کو اس کی طرف بلاتا ہے۔ وہ انفسی و آفاقی ہر قسم کے شرک سے مبرا اور خالص توحید پر قائم ہوتا ہے۔ ان کی نگاہ ہر شے کو حق تعالیٰ کی ذات و قدرت سے زندہ و قائم اور اسی کی طرف رجوع کرتی ہوئی دیکھتی ہے۔ اور وہ حق تعالیٰ کے متعلق اپنے مشاہدہ کی بنا پر پورے وثوق و اعتماد سے یقین رکھتے ہیں کہ وہ حیّ و قیوم اور ثابت و حق ہے اور ساری کائنات میں صرف اسی کو معبود ہونے کا استحقاق حاصل ہے۔

اس وقت فطری طور پر حق کے متعلق یہ دلیل ان کی نظروں کے سامنے ہوتی ہے کہ اس کے سوا اور کون ہے۔ جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا اور آسمان سے پانی نازل کر کے اس کے ذریعہ ہر قسم کے پر رونق باغات پیدا فرما دیئے اور جب وہ اس بات کو نظر تحقیق سے دیکھتے ہیں کہ کائنات کی تخلیق اور ان اشیاءؑ و امور کے پیدا کرنے میں اس کی ذات کے ساتھ کوئی شے شریک نہیں ہے تو اس معبود برحق کے سوا دوسرے عناصر و قوی اور بتوں کی عبادت کرنے والے لوگ انہیں صریح ظالم جاہل اور حق سے پھرے ہوئے نظر آتے ہیں۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

آیات سے ارتفاع حجابات

حق تعالیٰ کی آیات مومنین کی نگاہ کے حجابات کو دور کر دیتی ہیں اور وہ اس بات کو واضح طور پر دیکھتے ہیں کہ اسی نے زمین کو مخلوق کی قرارگاہ اور اس کے نشیب اور کھڈوں کو دریا اور نہریں بنا دیا اور اس پر پہاڑوں کے بوجھ قائم کر کے اس کی ہیئت کو خاص طور پر بنایا۔ سمندروں کو ایک دوسرے سے جدا کر دیا۔ جس میں مخلوقات کے لئے ہزار ہا قسم کے منافع ہیں۔ یہ باتیں اس پر دلالت کرتی ہیں۔ کہ وہی واحد القہار حقیقی الہٰہ و معبود ہے۔ اور اس حق میں کوئی اس کے ساتھ شریک نہیں ہے۔ جو لوگ کسی قوت کو اس کے ساتھ شریک گردانتے ہیں وہ حقیقی علم سے بے بہرہ ہیں اور اپنی جہالت کی وجہ سے ہی مشرکانہ اعمال کا ارتکاب کرتے ہیں۔ وہ اس بات کو نہیں سمجھتے کہ اضطرار کے وقت میں ان کی دعا کو قبول کرنے اور مصیبت کو ان سے ٹالنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے اور وہی ہر قسم کے اسباب کو مہیا کرتا ہے۔ ظاہری طور پر امداد کرنے والے اشخاص و اشیاء اسی کی مشیت و ارادہ اور حکم و اذن سے ایسا کردار ادا کرتے ہیں۔ یہ انسان کی کمزوری اور عدم جامعیت کا تقاضا ہے کہ وہ اشیاءٔ و عناصر اور بزرگ اشخاص کے تصرف و قدرت کو اللہ تعالیٰ کی عطا سمجھ کر اس کے ساتھ جمع نہیں کر سکتا۔ اور اگر ان اشخاص و عناصر کی قدرت و ہیبت کو نگاہ میں لاتا ہے۔ تو انہی کے سامنے گھٹنے ٹیک دیتا ہے اور اپنی نظر کو خدا کی طرف بلند نہیں کرتا۔ حالانکہ خدا کی ذات کے ساتھ اس کی صفات اور افعال و شیونات کا پیش نظر رکھنا اصل دین ہے اور کائنات کے جملہ قوی و عناصر اور بزرگ اشخاص اس کے افعال ہی کا ظہور ہیں۔

مضطر کی دعا

اضطرار کے وقت دعا کا قبول ہونا امر یقینی ہے۔ جن لوگوں کی دعا قبول نہیں ہوتی۔ انہیں یا تو حقیقی اضطرار حاصل نہیں ہوتا یا ان کی دعا میں اللہ تعالیٰ کے لئے خلوص اور پورا عجز و نیازمندی شامل نہیں ہوتی اور اگر ان باتوں کے باوجود بھی اس کی مصیبت دور نہیں ہوتی تو اللہ تعالیٰ کے علم و حکمت میں اس شخص کا ایک خاص وقت تک اس میں مبتلا رہنا اس کے حق میں بہتر اور مصلحت آمیز ہوتا ہے۔ جن لوگوں کو اپنی دعا کی قبولیت کا شرف اور اس کا عملی تجربہ حاصل ہوتا ہے۔ وہ خدا کی قدرت مطلقہ کا کبھی انکار نہیں کر سکتے۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

جو لوگ قبولِ دعا کے متعلق عجز و نیاز کے مذکورہ جذبات کو پورے طور پر اپنانے کے بغیر اولیاء اللہ کے ذریعہ دعا کراتے اور اس کی قبولیت سے فائدہ حاصل کرتے ہیں اگر وہ اللہ تعالیٰ کے خلوص کو چھوڑ کر اس سے غافل ہو جائیں تو یہ ان کی نہایت کم ظرفی اور جہالت و بے بصیرتی ہے۔

جو لوگ اس کی ذات و صفات کی معرفت رکھتے ہیں وہ نفس و شیطان کے دھوکہ میں نہیں آتے اور ہر امر کو اسی کی طرف سے معلوم و محسوس کرتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان کا خلوص کسی حالت میں بھی کم نہیں ہوتا۔ جن لوگوں کو اس نے زمین میں عملی طور پر اپنا خلیفہ بنایا ہے۔ ان کے متعلق ان کا یہی ایمان ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کی مخلوق ہیں اور ان کی ساری اقدار و صفات اللہ تعالیٰ کی عطا و بخشش سے ہی قائم و موجود ہیں۔ ان سے مرعوب و متاثر ہو کر انہیں اللہ کا شریک اور الوہیت کا حقدار سمجھنا صرف اہلِ جہالت اور بے بصیرت لوگوں ہی کا کام ہے۔ مخلوق بھلا اپنے خالق کے ساتھ الوہیت میں کس طرح شریک ہو سکتی ہے؟

اہلِ فکر لوگ جب اس بات کو دیکھتے ہیں کہ بحر و بر کی ظلمات میں ہدایت دینے والا اور ہواؤں کے ذریعہ اپنی رحمت و بارش کی خوشخبری پہنچانے والا اس کے سوا کوئی اور نہیں ہے تو وہ اسی کی توحید کے گن گاتے اور ہر قسم کے مشرکانہ تصورات سے اسے اعلیٰ و ارفع پہچانتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا سوال

اللہ تعالیٰ کے اس سوال کے جواب میں کہ "وہ کون ہے جو خلقت کو نئے سرے سے پیدا کرتا اور پھر اسے دہرانے اور دوبارہ پیدا کرنے کی قدرت رکھتا ہے اور ساری مخلوقات کی ربوبیت فرما کر ان کے رزق و روزی کا سامان زمین و آسمان کے وسائل و ذرائع سے مہیا فرماتا ہے؟ جب صدقِ دل سے غور و فکر کرتے ہیں تو یہ بات کہنے کے سوا کوئی چارہ نہیں پاتے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ذاتِ واحد ہی ہے۔ جو ان سارے امور کو سرانجام دیتی ہے۔ اور کوئی چیز اس کے ساتھ شریک و سہیم نہیں ہے اور الوہیت کا مرتبہ خالص اسی کے لئے ہے۔ جو لوگ اپنی جہالت و بے سمجھی سے بعض اشخاص و عناصر کو اس کی الوہیت میں شریک بتاتے ہیں۔ ان کے متعلق اللہ تعالیٰ حضور پاک کو فرماتے ہیں کہ آپ ان سے کہہ دیجئے کہ اس بارہ میں اگر تم سچے ہو تو کوئی معقول دلیل اور برہان قاطع پیش کر دو اور یہ ایک ایسا سوال ہے۔ جس کے جواب میں آج تک ایک شخص بھی کوئی صحیح دلیل پیش نہیں کر سکا۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

حق کے اثبات اور اس کی توحید کے متعلق تو ہزاروں دلائل و براہین موجود ہیں۔ جن پر ہر سلیم الحق انسان کا فکر و خیال اور دلی جذبہ و وجدان اقرار و اطمینان حاصل کر لیتا ہے مگر اس کی ذات اور توحید کے خلاف کوئی ایسی دلیل قائم نہیں ہو سکتی۔ جسے ظن و گمان سے بڑھ کر برہان کا مرتبہ دیا جا سکے۔
جو لوگ اس بارہ میں اپنے خیالات کے انکل پچو چلاتے ہیں۔ ان کا اپنا دل خود ان کے استدلالات پر مطمئن نہیں ہوتا اور انہیں ہرگز کوئی شخص برہان قاطع اور دلیل روشن کا درجہ نہیں دے سکتا۔

ذات و توحید کی حقانیت کا انسانی فطرت سے ثبوت

اس کی ذات اور توحید کی حقانیت کے ثبوت میں آیات کی صورت میں قرآن مجید میں جو دلائل موجود ہیں۔ کوئی صاحب بصیرت انسان ان سے کسی ایک بات کا بھی انکار نہیں کر سکتا اور ان کے حق ہونے کی سب سے زیادہ واضح و عقلی دلیل یہ ہے کہ جب ایک انسان ان حقائق کو مکمل ایمان و ایقان کے ساتھ تسلیم کر لیتا ہے تو کائنات اور زندگی کے متعلق سارے مسائل نہایت عمدہ طریق پر حل ہو جاتے ہیں اور اس انسان کے لئے کسی قسم کا اشکال باقی نہیں رہتا۔ اس کا باطن ہر مسئلہ کے حل پر مطمئن ہو جاتا ہے۔ فکر و خیال اور عمل کے سارے راستے کھل جاتے ہیں۔ اور ان پر انسان کا دل سکون و اطمینان کو اپنا لیتا ہے۔ لیکن اگر انسان اس کی ذات و صفات کے متعلق محض انکار کو اپنے دل میں جما لے تو اس کی حیثیت حیوان ناطق اور انسان لا یعقل کے سوا کچھ نہیں رہتی۔ اس کے لئے کائنات کا عقدہ لاینحل اور زندگی کا ہر مسئلہ مشکل ہوتا ہے۔ روحانی ارتفاع وارتقاء تو در کنار ان کے لئے دل کا اطمینان بھی مفقود ہوتا ہے۔ دل کے قرار کو اللہ تعالیٰ کے اقرار کے ساتھ جو فطری و باطنی ربط و علاقہ ہے وہ کسی حساس شخص کو اپنی عدمیت کی صورت میں چین و آرام سے بیٹھنے نہیں دیتا۔
اگر کوئی شخص حقائق عالیہ اور مسائل حیات سے اعراض و غفلت اختیار کر کے انہیں پس پشت ڈال دے اور محض اپنے مادی و سفلی جذبات و احساسات میں کھو جائے تو یہ ایک علیحدہ بات ہے اور ہم ایسے انسانیت سے خارج قرار دیتے ہیں وہ لوگ حیوان مطلق ہیں اور ان پر بہیمی احکامات ہی کا انطباق ہو سکتا ہے۔ کیونکہ وہ لوگ لطیف احساسات سے عاری اور حقیقت کی طلب سے بے بہرہ ہیں اس لئے ان کا حقائق عالیہ سے انکار اور باطل پر استقرار کوئی قابل قدر حیثیت اور وقعت نہیں رکھتا۔ اللہ تعالیٰ کی

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

آیات ہر طرف اس بات پر شہادت دے رہی ہیں کہ اس کی ذات و صفات کے سوا کسی شے کا وجود حقیقی نہیں ہے۔ ہر شے کا اسی سے ظہور اور اسی کے ساتھ قیام ہے۔ اس کی توحید ہی ہر چیز میں اپنی جلوہ نمائی سے کثرت کا اظہار فرما رہی ہے۔ اور ہر شے کا وجود حقیقتاً اس کی ذات پر ہی شہادت ہے جو لوگ اشیاء کو حق تعالیٰ سے جدا بھی سمجھتے ہیں۔ اور پھر ان کی محبت میں گرفتار بھی ہوتے ہیں وہی در حقیقت اپنی جان پر ظلم کرنے والے اور اپنے آپ کو تارِ عنکبوت سے باندھنے والے ہیں۔ جب وہ ہر شے کو حق سے علیحدہ سمجھتے ہیں تو ان پر واجب ہے کہ ان سے گریز و نفور حاصل کریں اور اپنے آپ کو حق کے لیئے خالص کر لیں۔

اشیائ سے محبت کا جواز

اشیاء سے محبت کرنا تو انہی لوگوں کے لئے جائز ہے جو اشیاء کے ذریعہ حق تعالیٰ کی ذات و صفات کی معرفت حاصل کرتے ہیں۔ اور ہر شے میں اسی کے ظہورات کو دیکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا مختلف آیات کے ذریعہ اپنے نشانات کو بیان کرنے سے یہی مقصود ہے کہ انسان پر اس کی توحید اور اشیاء کا اسی کی ذات سے قیام و قرار ثابت واضح ہو جائے اور اس کے لئے حق تعالیٰ کی خاطر اشیائ سے محبت کرنا آسان ہو جائے۔ نظر کا یہ ایک ایسا طریق کار ہے جس میں ہماری دین و دنیا کی صلاح و فلاح کا راز مضمر ہے اور اشیاء کے ذریعہ حق تعالیٰ سے محبت کرنے میں ہم دنیا کو چھوڑنے اور رہبانیت کو اختیار کرنے کے بغیر بھی اللہ تعالیٰ کی محبت و معرفت کو اپنا سکتے ہیں۔ اس ساری کتاب کا بنیادی مقصد یہی امر ہے اور اسی مقصود شریف تک پہنچانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں ہماری رہنمائی فرمائی ہے۔

اولم یتفکروا فی انفسہم ..... ان فی ذلک لآیت ($\frac{30}{8 \text{ تا } 37}$)

جب کوئی شخص توحید کی اس نظر و نسبت کو اپنا لیتا ہے تو اس کا کسی شے سے محبت کرنا در اصل حق تعالیٰ سے محبت کرنا ہوتا ہے۔ جب وہ اپنی ذات سے محبت کرتا ہے اور اسے اپنے رب سے زندہ و قائم دیکھتا ہے تو اس کی یہ محبت اپنے رب کی وجہ ہی ہوتی ہے۔ وہ اپنے اور دوسروں کے بچوں سے پیار کرتا ہے اور انہیں اللہ تعالیٰ کی قدرت و ربوبیت کا مظہر دیکھتا ہے تو وہ گویا اپنے رب کی ذات و صفات ہی سے محبت ہوتی ہے۔ وہ اپنی بیوی سے محبت کرتا اور اس کی الفت و مودت سے مفاد حاصل کرتا ہے تو اپنی نظر کے صحیح ہونے کی صورت میں اپنے رب کی رحمت و ربوبیت کی یاد ہی کو تازہ کرتا ہے۔ مگر یہ صورت حال صرف انہی لوگوں کے لئے ہوتی ہے جو اس کی آیات میں اپنی فکر کو لگاتے اور تعمقِ فکری کے

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ذریعہ حقائق انفس و آفاق کی گہرائیوں میں ڈوب جاتے ہیں اور پھر اس بات کو پورے طور پر محسوس کرتے ہیں کہ جو کچھ زمین و آسمان اور ان کے درمیان میں ہے سب اللہ تعالیٰ کی مخلوق اور اس کی قدرت و حکمت سے زندہ و موجود ہے۔ اس حقیقت کا ثبوت انہیں اس بات سے ہاتھ آتا ہے کہ ہر شے جو موجود نظر آتی ہے۔ اس کے ساتھ قائم اور اقدار معینہ میں مقید و محصور ہے اور ہر چیز کی حیات کے لئے ایک مدت مقرر ہے۔ جس میں کمی بیشی متعلق اس شے کے اختیار میں نہیں اس کا ظاہر و نمودار ہونا اور پھر مخصوص تقدیرات میں سے گزر کر اجل مسمیٰ تک پہنچ جانا ایسی واضح و بین دلیل ہے جو اس کے خالق کی فعلیت اور قدرت و حکمت کا اظہار کر رہی ہے۔ جب اس کی نگاہ اشیاء کی عدمیت تک پہنچ جاتی ہے اور وہاں اسے اللہ تعالیٰ کے دستِ قدرت اور فعلیت کے سوا کچھ نظر نہیں آتا اور جو اشیاء ظاہر و نمودار ہو رہی ہیں عدم میں ان کا کہیں نام و نشان بھی موجود نہیں پاتا تو وہ اس بات کے تسلیم کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ جو کچھ ظاہر و موجود ہے وہ سب اسی کی قدرت و حکمت کی نمود ہے اور اُس واحد القہار کے سوا کسی شے میں یہ طاقت نہیں کہ اپنے یا دوسرے کو پیدا کرے اور زندہ و قائم رکھ سکے۔

جب یہ بات ایک حقیقت و ملکہ کی طرح اس کے ذہن میں جم جاتی ہے تو آیات کے مفہوم و معانی تک پہنچ جانا اس کے لئے آسان ہو جاتا ہے۔ اور اس طرح حق تعالیٰ کی ذات و توحید اور صفاتِ عالیہ کی معرفت حاصل کرنے پر اُس کے دل میں جو ایمان روشن ہوتا ہے وہ اسے تسلیم و نیاز مندی اور عبودیت کی منازل کے نشانات دکھلا دیتا ہے اور اس کی روح میں حق تعالیٰ کے لئے حقیقی شکر گزاری کا جذبہ نمودار ہو جاتا ہے۔ یہ شکر گزاری کا احساس ہی اس کے لئے اللہ تعالیٰ کی رضا و انعامات کا دروازہ کھول دیتا ہے۔ اور اس طریق پر بندہ جو کچھ اپنے رب سے وصول کرتا ہے۔ اس کی لذت اور حقیقی قدر و قیمت کو وہی شخص جان سکتا ہے۔ ایسا شخص جب ان آیات کی تلاوت کرتا ہے کہ یہ بات اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا اور پھر تم چلتے پھرتے آدمی بن گئے تو اس کی آنکھیں فوراً اس حقیقت کو دیکھنے لگتی ہیں کہ بیشک اسی کی ذات اس بات پر قادر ہے کہ مٹی کے اجزا و عناصر میں اس طرح کا انقلاب پیدا کرے کہ وہ ایک دیکھتا سنتا اور چلتا پھرتا صاحبِ شعور انسان بن جائے۔

اور جب وہ اس بات کو سنتا ہے کہ یہ بھی اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے تمہارے نفسوں میں سے ہی عورتوں کو تمہارے جوڑے کے طور پر پیدا فرما دیا۔ جن سے تم سکون و لذت حاصل کرتے

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ہو اور اس نے تمہارے درمیان مودّت و رحمت کو پیدا فرمایا تو اس کا فکر اس نعمت پر فوراً اللہ تعالیٰ کے شکر کی طرف جھک جاتا ہے۔

جب وہ عالم لوگ زمین و آسمان کی خلقت اور انسانوں کی زبان و رنگ میں اختلاف و بوقلمونی دیکھتے ہیں تو اس میں انہیں اللہ تعالیٰ ہی کی قدرت و حکمت کے نشانات نظر آتے ہیں کہ زمین کے مختلف قطعات اور آب و ہوا کے جغرافیائی اختلافات کی بنا پر انسانوں کی رنگت اور ان کے بول چال میں عظیم امتیازات پیدا ہو گئے ہیں۔ یہ امر آسمان و زمین کے عناصر کے تاثرات کی وجہ سے ہی واقع ہوتا ہے۔ اور ان عناصر و قویٰ اور مؤثرات کو پیدا کر کے ایک نظام و ترتیبِ خاص کے تابع بنانے والی اسی کی ذات واحد القہار ہے۔
اور جب یہ دل کے کانوں سے آیات کو سننے والے لوگ انسان کے روز و شب میں نیند کے اندر مبتلا ہونے کی تقدیر کو دیکھتے ہیں۔ اور اس کے ذریعہ آرام دہ نئی زندگی کو اپنانے کی صورتِ حال پر غور کرتے ہیں تو اس میں اللہ تعالیٰ کی حکمت و حسنِ صنعت کو موجود پاتے ہیں اور انسان کا رزق و روزی اور اسبابِ معیشت کیلئے تگ و دو اور جستجو کرنا ان کے سامنے اللہ تعالیٰ کی حسنِ ترکیب اور عجائبِ صنعت کو روشن و نمودار کرتا ہے۔

حکمت در حکمت

یہ ایسی تقدیرات ہیں جو ایک طرف انسان کی زندگی اور اس کے قوائے عملیہ میں قوت و نمو پیدا کرتی ہیں اور دوسری طرف اللہ تعالیٰ کی صفات و شیونات کو مسلسل طور پر ظاہر ہونے کا ذریعہ و بہانہ ملتا ہے۔ کائنات کی تخلیق و احیاء کے اس نظام خاص میں حق تعالیٰ کی صفات کو اظہار کے جو مواقع ملتے ہیں وہ کوئی دوسرا طریق اختیار کرنے پر تصور میں نہیں آسکتے اور چونکہ امرِ حق اسی طریق سے متعلق ہو گیا ہے۔ اس لئے انسان کی حیات و نمو کا راز بھی اسی بات میں مضمر ہے کہ وہ زندگی کی جدوجہد اور کشمکش میں مبتلا ہے۔ انسان کی سعی کامیاب اور کوشش ناتمام دونوں اس کی زندگی کو پروان چڑھانے اور تقویت دینے کا کام کرتی ہیں اور اپنے فضل کو حاصل کرانے کے لئے اس کے اندر طلب و آرزو کا پیدا فرمانا اللہ تعالیٰ کی ایسی صنعت و حکمتِ عجیبہ ہے جو ایک پنتھ اور دو کاج کا کام کر رہی ہے۔ اسی کے ذریعہ انسان اپنی زندگی کے ممکنات کو اپناتا ہے اور اسی حکمت کے ذریعہ خدا کو اپنی صفات کے تماشا کو دیکھنے اور دکھانے کا موقع ہاتھ آتا ہے۔ حقیقت میں تو اس کا اپنی صفات کو خود ہی دیکھنا ہے۔ دکھانا تو صرف اس اعتبار سے ہے۔ جو اس نے بعض انسانوں پر اپنی صفاتِ سمع و بصر کا پرتو ڈال کر انہیں آیات کے

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

حق میں سینے "بصیر بنادیا ہے اور وہ لوگ اس کی ذات وصفات پر شہادت دینے اور دوسروں کو اس کے نظارہ کی طرف بلانے پر مامور ہیں۔

قدرت کا کمال

اگر یہ حقیقی حسن سماعت وبصیرت رکھنے والے لوگ نہ ہوں تو اس کی صفات کو دیکھنے کا اعتبار قائم نہ ہوسکے اور آیات کا اظہار مہمل و بے نتیجہ ہو جائے یہ اس کی قدرت کا کمال ہے کہ اس نے اپنی ذات کے ماسوا کے طور پر ایسی مخلوق پیدا فرمادی ہے جو اس کی صفات پر شہادت دیتی اور اس کے نظارہ سے حظ حاصل کر کے زبانِ حال وقال سے اس کی حمد وتسبیح بیان کرتی ہے۔ یہی صاحبِ عقل لوگ ہیں۔ جو دیدۂ ہوش کو ہر وقت اس کی طرف لگائے رکھتے ہیں اور جب اس بات کو دیکھتے ہیں کہ اس نے کس طرح آسمان سے بارش کے ذریعہ پانی کو نازل فرمایا اور اس کے وسیلہ سے مردہ زمین کو زندہ کردیا ہے تو اس کی اس صنعت پر تہ دل سے اس کی تعریف اور شکر گزاری کو بجالاتے ہیں۔

جب وہ اس بات کو دیکھتے ہیں کہ کائنات کا یہ سارا سلسلہ زمین وآسمان کو ان خاص تقدیرات پر قائم کرنے سے ہی واقع ہوتا ہے اور یہ امر صرف اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہے۔ وہی اشیاء کی تقدیرات کا پیدا فرمانے اور انہیں مخصوص حالات پر قائم رکھنے والا ہے۔ اسی کے قہر وغلبہ اور جبر واقتدار کے سامنے ہر شے سرنگوں اور اس کے حکم کی تعمیل پر آمادہ و مجبور ہے۔ جو کچھ آسمان وزمین میں موجود ہے۔ سب اسی کی ملکیت ہے۔ وہی ہر شے کو نئے سرے سے پیدا فرماتا اور اس کے دوبارہ پیدا کرنے پر قدرت رکھتا ہے۔ اس کا اوّل مرتبہ پیدا فرمانا ہی اس بات کی دلیل ہے کہ موت کے بعد جب وہ انہیں دوبارہ زندہ کرنا چاہے گا اور انہیں اپنی طرف پکارے گا تو ہر شے کا پیدا ہوکر اس کی طرف دوڑ جانا عین ممکن اور اس کی ذات کے نزدیک نہایت آسان ہے وہ نہایت غالب وحکمت والا ہے۔

شرک وتوحید کی مثال

اپنی ان صفات اور علویت کے متعلق اس نے انسان کو اس کے نفس کی طرف توجہ دلا کر یہ مثال بیان فرمائی ہے کہ تمہارا اپنے مال کا بلا شراکت غیرے مالک اور اس کے تصرف پر غالب ہونا جو حیثیت رکھتا ہے۔ اس کے برابر ہرگز وہ حیثیت نہیں ہوسکتی۔ جس میں کسی مال کی ملکیت میں تمہارا کوئی شریک اور اس کے خرچ کرتے وقت تمہارے دل میں اس کا خوف اور ڈر موجود ہونا لازمی ہو۔ ان دونوں میں

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

میں انتہائی فرق ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی مثال اس پہلے شخص کی ہے جو بلا شراکت غیرے اپنے مال کا واحد اور مکمل مالک ہے۔ اس کے خرچ کرنے میں وہ آزاد و خود مختار ہے۔ اور اسے کسی شریک کا خوف و خطر لاحق نہیں۔ اہلِ عقل کے لئے اس مثال میں اللہ تعالیٰ کی توحیدِ خالص اس کا قہر و غلبہ اور مخلوق پر مکمل تصرف و اختیار کا اظہار ہوتا ہے۔ وہ اس کی ذات کے سوا کسی غیر کے سامنے سرنگوں ہونے سے آزاد ہو جاتے ہیں اور صرف اسی کی حمد و ثنا اور تسبیح و تہلیل کرنے پر مجبور رہتے ہیں۔

فطرتِ الٰہیہ کا فطرتِ انسانی پر انطباق

اللہ تعالیٰ حضورؐ پاک سے فرماتے ہیں کہ آپ ان ہوا و ہوس کے بندوں اور جاہل و مشرکین لوگوں کے اثر کو قبول نہ فرمائیں اور اپنے چہرۂ اقدس کی توجہ کو دینِ حنیف اور اپنے رب کے ساتھ خلوص کی طرف قائم و برقرار رکھتے ہوئے فطرت کے اصول و قوانین کو مدِ نظر رکھیں۔ فطرتِ الٰہی انسانی فطرت سے ملحق ہے اور کوئی سلیم الفطرت انسان جس کے ضمیر پر حجابات نہ پڑے ہوں۔ حق تعالیٰ کی فطرت سے اعراض دابا اختیار نہیں کر سکتا۔ اس کے باطن کی آواز اور دینِ فطرت ایک ہی چیز ہوتے ہیں اور ان میں کسی قسم کا فرق و تباین واقع نہیں ہوتا۔ آپؐ چونکہ فطرتِ الٰہیہ پر قائم ہیں۔ اس لئے آپؐ کے باطن کی آواز عین حق کی آواز ہے جس میں شک کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔

فطرت کی آواز

انسان کی فطرت اپنی حقیقت پر قائم ہوتے ہوئے حق تعالیٰ کی طرف انابت و اتفاق کو قبول کرتی ہے۔ اس کی توحید کا عقیدہ اور نماز کا قیام اس کے روح کی آواز و آرزو ہوتی ہے اور حق تعالیٰ کی طرف سے ہدایت و رہنمائی کے طور پر بھی اسے اسی بات کا حکم دیا جاتا ہے۔ یہ امر ایک قانونِ حق اور تقدیرِ معینہ کے طور پر ہوتا ہے۔ جس میں کسی قسم کی تبدیلی کا امکان نہیں ہے۔ مگر جو لوگ جہالت و غفلت میں گرفتار ہیں اور ضمیر کی آواز کو نہ سنتے ہوئے احکامِ حق سے اس کا تطابق نہیں کر سکتے وہ اس بات کو نہیں جانتے اور اس علم سے بے بہرہ ہیں۔

دینِ قیّم جو حقیقت میں ایک ہی ہے ان لوگوں کے ہاتھ نہیں آتا اور وہ اپنے نفس کے اغوا و ہوا مختلف ٹولے اور گروہ در گروہ ہو جاتے ہیں۔ اپنے ظن و اوہام کے ساتھ نفس کی پیچیدگی اور بے بصیرتی

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

جاہل دل کی پسندیدگی کی وجہ سے وہ اپنے اس ناکارہ متاع پر ہی شاداں وفرحاں ہوتے رہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا مکر

یہ اللہ تعالیٰ کے مکر اور حکمت کی کارفرمائی ہے کہ ہر شخص کو اس کے حال پر خوش اور سرمست رکھ کر اس میں اسے مشغول رکھتا اور اسی کے ذریعہ اس کی آئندہ زندگی کی اقدار کا قیام فرماتا ہے اور ظاہر طور پر اس شخص کو اپنے حال میں جو نفسی سرور حاصل ہوتا ہے وہ اسی کے ساتھ اپنی زندگی کی قدر و قیمت کو باندھ لیتا ہے۔ اس طریق سے انسان اپنی عصبیت میں تقویت اور اپنی بے خودی میں وقر و امتیاز کو محسوس کرتا ہے اور یہ ایک ایسا جال ہے جس کی خوشنمائی کا احساس اسے اس کے تاروں سے باہر جانے نہیں دیتا۔ اور جب تک اس کے آخری نتیجہ کے طور پر اس کی برائی نظر نہیں آجاتی وہ اسے چھوڑنے پر آمادہ نہیں ہوتا۔

جاہلانہ عصبیت کا تاثر

اس عصبیت وجہالت کی برائی دین حق اور فطرت سے بیگانگی و ناآشنائی کی شکل میں ہی ظاہر ہوتی ہے مگر انسان کے حجابات اتنے کثیف اور گاڑھے ہیں کہ یہ معمولی تکلیفات کے احساس کی بھی پرواہ نہیں کرتا۔ بعض اوقات جب اس کا کسی مصیبت سے سامنا ہوتا ہے۔ تو یہ حق کی طرف نگاہ اٹھاتا اور اس کے حضور میں گڑگڑا کر دعا مانگتا ہے کہ وہ اس مصیبت کو ٹال دے اور جب اسے یقین ہو جاتا ہے کہ یہ بلا اس سے ٹل گئی۔ تو پھر اپنے نفس میں مشغول ہو کر اللہ تعالیٰ کو بھول جاتا ہے اور اس کا شکر ادا کرنے کی بجائے الٹا اپنی ہوا و ہوس میں گرفتار ہو کر کفران نعمت کا مرتکب ہوتا اور مشرکانہ حرکات کرتا ہوا اپنی اسی عصبیت و گروہ بندی میں ڈوب جاتا ہے۔

اشیاء و اشخاص کے غلبہ و اقتدار سے مرعوب ہو کر اس کی یاد اور توحید کو بھول جانا ہی شرک اور کفرانِ نعمت ہے اور اس کی قدرت و حکمت کو جاری و ساری نہ دیکھنا ہی انسان کی گمراہی کا سب سے بڑا باعث ہے۔ اپنے نفس کے اقدار و اطوار کے اعتبار سے عام انسان کی یہ حالت ہے کہ اگر اس تک اچھائی کی کوئی بات پہنچتی ہے تو اس پر بہت نازاں و فرحاں ہوتا ہے اور اگر اپنے اعمال بد کی وجہ سے کسی برائی سے دوچار ہوتا ہے تو فوراً یاس و ناامیدی میں گرفتار ہو جاتا ہے اور اپنی طبیعت کے ہلکے پن کی وجہ سے کچھ بھی صبر و استقامت کا مظاہرہ نہیں کرتا۔ مصیبت کے وقت اس کی رحمت سے ناامید ہو جانا اور یاس و بے صبری کا پہلو اختیار کرنا انسان کی سب سے بڑی کمزوری اور اس کا روحانی و اخلاقی مرض ہے

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

جس کی دوا اللہ تعالیٰ سے رابطہ کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

انسان کے نفسی اشتعال اور ہلکے پن کی وجہ سے اس میں کبر و ناز کی خصوصیات پیدا ہو جاتی ہیں اور ان صفات کے حامل جب نکبت و ادبار میں گرفتار ہو جاتے ہیں تو نہایت خفیف حرکات اور پست اطوار پر اتر آتے ہیں۔ اور ان کی فطرت کی بے مائیگی ظاہر و نمایاں ہو جاتی ہے۔

انسان کے اندر ان صفاتِ رذیلہ کا اظہار بالعموم مال و دولت کے انبار یا رزق و روزی کے سلسلہ میں احتیاج و افتقار کی وجہ سے ہی ہوتا ہے۔ ان ہر دو صورتوں میں اکثر انسان حدِ اعتدال سے تجاوز کر جاتے ہیں اور اپنی ذہنی و قلبی اور اخلاقی حالت کو متوازن نہیں رکھتے۔ اس کا سب سے بڑا سبب صرف یہی امر ہوتا ہے کہ اسبابِ معیشت اور رزق کے متعلق ان کا عقیدہ اللہ کی ربوبیت کے ساتھ صحیح طور پر قائم نہیں ہوتا۔ اگر ان کا اپنے رب کی ذات و صفات پر ایمان ہو۔ اور وہ امور و اشیاء کو اسی کی طرف سے سمجھتے ہوں تو ان کے دل کی ہرگز یہ حالت واقع نہ ہو۔

کبر و یاس کی صفات کا اس کے حالات پر تأثر

مذکورہ صفات معاشی معاملات کے علاوہ انسان کی زندگی کے دیگر اہم واقعات و حالات میں بھی اپنا گہرا تأثر رکھتی ہیں۔ علم و معرفت کے حصول روحانی ارتفاع و ارتقاء کے امور، خدمتِ خلق اور دیگر عملی جد و جہد کے مواقع، باطل کے خلاف جہاد اور اسباب زندگی کے حصول میں تگ و دو کے مقامات پر بھی انسان کے یہ خصائص و نفسی کیفیات اکثر و بیشتر اپنا سر اٹھاتے اور اس کی ناکامی کے اسباب و محرکات بن جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات پر ایمان کا فقدان انسان کو صرف اس کے نفس ہی کے سپرد کر دیتا ہے اور باطنی طور پر اسے حق کی طرف سے کسی قسم کی امداد و اعانت پہنچنے نہیں پاتی۔ اللہ ولی الذین آمنو ۔ والذین کفرو لا مولیٰ لھم کی آیت ان کے حال پر صادق آجاتی ہے۔ اور اگر اسے تھوڑی سی کامیابی حاصل ہو جاتی ہے تو اس کا نفس تعلی و استکبار کی شیطانی خصوصیات میں گرفتار ہو جاتا ہے۔ اور جب اس کا نفس ضعف و اضمحال کی صورت میں کسی امر کو اپنے لئے مشکل و دشوار پاتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ [illegible] ہونے کی وجہ سے فوراً یاس و ناامیدی کی طرف مائل اور عملی طور پر ان کا شکار ہو جاتا ہے۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

تقویتِ ایمان

ایمان کی قلبی قوت نہ ہونے کی صورت میں مذکورہ معاملات کا وقوع پذیر ہونا لازمی امر ہے اور اس کے برخلاف خدا پر کامل ایمان کی صورت میں انسان کا دل ہر قسم کی بُری صفات سے مامون ومصون اور حق کی مدد سے معمور و سرشار رہتا ہے۔ یہ ایمان ہی کی قوت وخصوصیت تھی کہ دس کے مقابلہ میں ایک کو مقرر فرمایا گیا تو وہ اس میں کامیاب وکامران ثابت ہوا۔

ایمان کے اندر انسان کے لئے جو حقیقی تقویت ہے۔ اسے کسی طرح نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ یہ کوئی بناوٹ ومصنوعیت یا تصوریت نہیں ہے بلکہ ایسی ٹھوس حقیقت ہے جسے اپنانے والے آنکھوں سے دیکھتے اور دل سے محسوس کرتے ہیں۔ جس طرح بھوکے آدمی کو پیٹ بھر کر کھانے سے اپنے اندر انقلاب محسوس ہوتا ہے اسی طرح حقیقی ایمان کے دل میں داخل ہو جانے سے آدمی اپنے باطن میں یقینی طور پر انقلاب کو معلوم کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے ربط وتعلق رکھنے والے خواص اور اولیاء وانبیائے کرام کو چھوڑ کر عامۃ المومنین میں بھی اس کے ہزاروں نظائر واعتبارات دیکھے اور معلوم کئے جا سکتے ہیں۔ ایمان کی قوت جس طرح ایک عام انسان کو توکل واطمینان سے نواز دیتی ہے۔ کفر کی حالت ہرگز اسے پیدا نہیں کر سکتی۔

فکر ونظر کا عمومی مفاد

اللہ تعالیٰ کی دعوتِ فکر ونظر پر جو لوگ حقائق اشیاء و امور اور حق تعالیٰ کے افعال وصفات کے علم کے حصول میں مشغول ہوتے ہیں وہ اگر اپنی کوتاہ وتنگ دامانی۔ انسانی فطری کمزوری وضعف کی موجودگی اور اپنے مطلوب کی عظمت ووسعت کی وجہ سے حقیقت الحقائق اور ذاتِ مطلق کی معرفت تک نہیں پہنچ سکتے تو بھی اپنے فکر کی تحریک اور تعمق نظری کی وجہ سے اشیاء و امور کے اکثر حقائق تک پہنچ جاتے ہیں۔ ان کے ذہن وخیال کی ورزش اور فکر ونظر کی مسلسل کد وکاوش ان کے حواس میں جلا دینے اور ان کے باطنی قویٰ میں حرکت پیدا کر دیتی ہے۔ اور اس طریق سے وہ اکثر علمی وسیاسی امور میں قیادت وسیادت کی اہلیت حاصل کر لیتے ہیں۔

یہ فطرت کا قانون ہے کہ انسان جن قویٰ سے زیادہ کام لیتا اور جنہیں ورزش کا زیادہ موقعہ

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ہے ان کی قوت و احساس زیادہ ہو جاتے ہیں ۔ اسی کلیہ کی رو سے ان اشخاص کے فکر و اجتہاد میں جمود و سکوت پیدا نہیں ہوتا اور ان کی دماغی قوتیں روشن و بیدار رہتی ہیں ۔

فکری تعلیم و تربیت سے بے اعتنائی کا نتیجہ

قرآن پاک کی فکری تعلیمات پر عملدرآمد کو چھوڑنے سے اُمتِ مسلمہ میں جو عظیم نقصان واقع ہوا ہے اور حقائقِ اشیاء و امور سے جاہل و غافل ہو کر ان کی اکثریت جس طرح نکبت و ادبار اور سیاسی و معاشی پستی میں چلی گئی ہے ۔ اس کا کفارہ و ازالہ کرنا اور انہیں ان کے حقیقی مقام تک پہنچانا کوئی آسان کام نہیں ہے ۔ فکر کے جمود کی وجہ سے اجتہادی قوتیں مفلوج ہو گئی ہیں ۔ اور ان حالات میں جو لوگ اجتہاد کا نعرہ لگاتے ہیں ۔ وہ بھی اپنے نفس کے اغوا و ہوا کو ہی اس کا علم بردار بنا لیتے ہیں ۔ حقیقی اجتہاد کا اپنانا اور نفس کے اغوا سے بچنا مخصوص احوال ہی سے پیدا ہو سکتا ہے ۔

تقلید اپنی جگہ حق ہے اور اس سے انسان جو فوائد حاصل کر سکتا ہے ان کی اہمیت کچھ کم نہیں ہے ۔ مگر پوری قوم میں فکر کا جمود اور آیات پر تدبر سے بے اعتنائی ایک ایسی حالت ہے ۔ جس نے دلوں پر قفل لگا دیئے ہیں ۔ اور ان میں احساسات لطیف اور ذوقِ سلیم کا پیدا ہونا موقوف کر دیا ہے ۔ آج مذہبی طبقہ کی جو جہالت ہو رہی ہے اس کی زیادہ تر ذمہ داری اسی بے شعوری علمی ذوق کا فقدان اور جاہلانہ عصبیت و تقلیدِ جامد کے سر آتی ہے ۔

فکر کی ضرورت و اہمیت اور اس کا مفاد

فکر کی حدود کا متعین کرنا اور اس کے فقدان کی بجائے قوم کے اذہان کو اس سے مالا مال کرنا وقت کا سب سے زیادہ اہم مسئلہ ہے ۔ اور فکر کی تربیت و ورزش کے لئے اللہ تعالیٰ نے جو طریق کار واضح فرمایا ہے ۔ اس سے بہتر و اصلح کوئی طریقہ نہیں ہو سکتا ۔ اس میں دین و دنیا کے سارے فوائد مضمر ہیں ۔ اور علوم و معرفت کے جو خزانے انسان کے ہاتھ آتے ہیں ۔ وہ ساری کائنات کو خرید لینے اور اس پر محیط ہو جانے کا ذریعہ بن سکتے ہیں ۔ اشیاء و امور کے حقائق کو جاننے میں ان کی نفسیاتی و سائنسی توجیہات کا سارا علم آ جاتا ہے ۔

آیات پر صدق دلی اور حقیقی غور و فکر سے فرد واحد کی اجتہادی صلاحیت میں جو رفعت و شان پیدا ہو جاتی ہے ۔ اسی کے اندازہ پر اگر قوم کا بیشتر حصہ اس سے مستفید ہو جائے تو اس کی سربلندی اور فوز و فلاح

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کے امکانات پورے طور پر روشن و تابندہ ہو سکتے ہیں۔

آیات پر غور و فکر کے اعراض نے ہی اس قوم کے اجتماعی شعور میں اسلام سے حقیقی محبت کا فقدان اور اس کے حق میں کذب و منافقت کو بھر دیا ہے۔ اور وہ صدق دل سے اس کو اپنانے اور اس کے شعائر کو قائم کرنے پر آمادہ و مستعد نظر نہیں آتی۔

ان کی عزت و وقعت دلوں سے کم ہو گئی ہے اور اغیار کے اخلاق و شعار اس طرح پسند خاطر ہو گئے ہیں کہ لوگوں کے اذہان غیر شعوری طور پر ان سے مرعوب ہو کر ان کی غیر حقیقی عظمت اور چمک دمک کے سامنے جھک گئے ہیں۔ اپنے شعور میں کسی ذاتی اصول و نظریہ کے نہ ہونے اور سیاسی و اقتصادی غلامی کی وجہ سے ہی یہ صورتِ حال پیدا ہوئی ہے۔ اور اس کا ازالہ صرف بلند فکری کی تربیت ہی سے ہو سکتا ہے۔ جس کا راز آیات پر تدبر کرنے میں مضمر ہے۔

حقیقی خودداری کی بنیاد

اللہ تعالیٰ پر ایمان و ایقان ہی حقیقت میں انسان کی خودداری کی بنیاد ہے اور صرف اسی کے ذریعہ ہی ہم ذہنی غلامی سے نجات حاصل کر سکتے ہیں۔ جب تک یہ چیز پیدا نہ ہو جائے کسی تبلیغ کا ہمیں دوسری قوتوں کی مرعوبیت سے بچانا اور پیچھے ہٹانا کام نہیں آ سکتا۔ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات پر ایمان کو دل میں پیدا کرنے کیلئے دوسرے قدرتی وسائل کے ساتھ آیات پر غور و فکر کرنے کا طریقہ ایسا فطری و حقیقی ہے کہ اس کا عامل خدا کی رحمت سے کبھی محروم نہیں رہتا اور خلوص و صدق دل کی موجودگی میں اس کے لئے ایمان و اطمینان کا دروازہ ضرور کھل جاتا ہے۔ مندرجہ ذیل آیات میں اللہ تعالیٰ نے اسی امر کی دعوت فرمائی ہے۔

اللہ الذی خلق السموات والارض .... افلا یبصرون (۳۲ : ۴ تا ۲۷)

استویٰ علی العرش

اللہ تعالیٰ کی ذاتِ پاک وہی ہے۔ جس نے آسمان و زمین اور ان کے درمیان کی ہر شے کو حکمت و تدبر کے پورے تقاضوں اور امر حق کے ساتھ چھ دنوں میں پیدا فرمایا اور پھر عرش پر مستوی و مستقر ہو گیا عرش جو ہر قسم کے امر و خلق کا منبع و مبدا ہے اور اشیاء کی تخلیق و ربوبیت کے متعلق جہاں سے ہر قسم کے امور و احکام صادر ہوتے ہیں اس کے قبضہ و تصرف کے استقرار کا مقام بن گیا۔ جس طرح بادشاہ اپنے تخت اور موجودہ زمانہ میں صدرِ مملکت اپنے دفتر میں بیٹھ کر ہی سرکاری طور پر احکام و فرامین صادر

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کرتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے تخلیق اشیاء کے متعلق تقدیرات کے نزول اور امور کی ترتیب کا مقام عرش مجید ہی کو بنایا ہے تاکہ اشیاء و امور میں تنظیم و استحکام کا سلسلہ پیدا ہو سکے۔ جس کے بغیر امرِ حق کا ظہور اور ایک منظم دستور کا قیام نہیں ہو سکتا۔ اسی بات کا نام اللہ تعالیٰ کی سنتِ جاریہ اور امور و اشیاء کی تقدیرات کا استقرار و اتقان ہے۔ اگر صورتِ حال اس طرح وقوع پذیر نہ ہو تو اشیاء و امور میں عدمِ استحکام اور فتور واقع ہو جائے۔

یہ اللہ تعالیٰ کی سنتِ جاریہ ہی ہے جو عام طور پر تبدیل و تحویل نہیں ہوتی اور اسی بات کے ذریعہ ہر شے میں ربط و ضبط اور حسن و خوبی کا مستحکم نظام اور امرِ حق پیدا ہو گیا ہے۔ ہر شے اور ہر امر تقدیرات خاص کا پابند اور انہی کے ذریعہ تخلیق و نمود اور قیام و وجود حاصل کر رہے ہیں اور کوئی شے غیر منظم و بے ترتیب طریقہ پر پیدا نہیں ہوتی۔ یہ سارا سلسلہ اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ اس کے حکم کے بغیر نہ کوئی امر وقوع پذیر ہو سکتا ہے۔ اور نہ کوئی شے جامۂ وجود کو اپنا سکتی ہے۔ اس امر میں کوئی اس کا شریک نہیں ہے اور نہ کوئی شے ذاتی طور پر اس کے اذن کے بغیر دوسروں کی مدد کر سکتی ہے۔ امرِ حق کا قیام اور تقدیرات میں استحکام خود بخود ہی پیدا نہیں ہو گیا۔ بلکہ یہ بات اس کے تدبر و ارادہ اور حکمتِ عملی کا ثبوت ہے۔ وہی امور کو اپنی تدبیرِ خاص کے ساتھ آسمانوں سے زمین پر نازل فرماتا اور اس میں تخلیق و ربوبیت کا ظہور کر کے ان کی تکمیل فرماتا ہے۔

آسمانی امور

یہ امور مقناطیسی کشش کی طرح ایسے غیر محسوس تار ہیں۔ جو آسمان سے لٹک رہے ہیں۔ اور زمین کی ہر شے ان سے وابستہ ہے۔ کسی چیز کی تخلیق و حیات کو ہم آسمانوں سے غیر متعلق اور بلا واسطہ قرار نہیں دے سکتے۔ اور یہ سارے امور اس کے علم و حکمت اور تدبیر کے تابع خاص وقت اور تقدیرات کے ساتھ وقوع پذیر ہو رہے ہیں۔

اس کا ایک دن ہمارے ایک ہزار سال کے برابر ہے اور اس میں اس بات کا اشارہ ہے کہ اس کے کاموں میں تعجیل اور عدم حکمت کا امکان نہیں ہے۔ اس کی ہر بات ایک سوچی سمجھی سکیم کے طور پر دار دہوتی ہے اور اس میں کسی طرح غیر موزونیت نہیں ہوتی۔

اس نے انسان کی تخلیق کی بنیاد مٹی سے رکھی اور پھر اس کی نسل کو نچڑے ہوئے بے قدر پانی سے

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

آگے چلایا۔ نطفہ کی بوند کو سنوارا بنایا اور اسے پوری طرح انسانی صورت کا جامہ پہنا کر اپنی روح اس میں پھونک دی اور انسان کے لئے دل و دماغ اور دیکھنے سننے کے اعضا بنا دیئے تاکہ وہ اپنی حسن تخلیق اور تکمیل اعضا سے فائدہ حاصل کر کے خدا کا شکر گزار ہو۔

یہ اس کی صفات جمال اور رحمت کا مظاہرہ ہے۔ مگر اکثر لوگ جن کے شعور پر غلامانہ ذہنیت اور متشددانہ طبیعت کا غلبہ ہے۔ اس کی صفات قہر و جلال کو دیکھ کر ہی اس کے حضور میں نیازمندی اختیار کرنے پر آمادہ ہوتے ہیں۔ انہیں لوگوں کو متنبہ کرنے کے لئے اپنے قہر و غلبہ کا اظہار کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ کیا یہ بات بھی انہیں ہدایت کی طرف نہیں بلاتی کہ قرون اولیٰ میں کتنی قومیں وامتیں جو پورے استعمار کے ساتھ اپنے مساکن میں چلتی پھرتی تھیں۔ خدا نے ہلاک اور تباہ و برباد کر دیں اور آج ان کا نام و نشان بھی موجود نہیں ہے۔

بھلا کس فرد یا قوم کا دل چاہتا ہے کہ اسے صفحۂ ہستی سے مٹا دیا جائے۔ ہر فرد اور قوم اپنے بقائے اصلح کی متمنی اور اپنی طرف سے جہد للبقا کے عمل میں ہی مصروف ہے مگر اس کی تقدیرات اور اجل معینہ کے سامنے کسی کی پیش نہیں جاتی اور ہر قوم امر حق سے منحرف ہونے کی بنا پر جلدی ہی زوال اور معدومیت کی طرف کھینچ لی جاتی ہے۔ تاریخ کے دفاتر اس بات پر شہادت ہیں کہ کتنی بڑی بڑی قومیں صفحۂ ہستی پر نمودار ہوئیں اور اپنے استعمار واستبداد کے ڈنکے بجا کر بالآخر عدم و نیستی کی طرف روانہ ہو گئیں۔ کس فرد یا قوم کا دل یہ نہیں چاہتا تھا کہ وہ اس دنیا میں ہمیشگی حاصل کرے اور موت و زوال سے اس کا سامنا نہ ہو؟ یہ اس جابر و قہار کی ذات ہی ہے۔ جو ہر شے کو حیات کے اس عرصۂ کارزار سے کھینچ کر پیچھے ہٹاتی اور کتم عدم میں منہ چھپا لینے پر مجبور کرتی ہے۔ اگر انسان اس حقیقت کے تصور میں گم ہو جائے اور اس کی غلبیت کو محسوس طور پر دیکھنے لگے تو ہر شئے کا عجز اور حق تعالیٰ کا غلبہ و اقتدار اس کے دل میں عبرت و بصیرت کی آنکھ کو وا کر دے اور وہ رب العالمین کے حضور میں نیازمندی کو اختیار کرنے سے فرار حاصل نہ کر سکے۔

اپنی ذات پر دلیل اور نشان کے طور پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ؛ اللہ الذی سخر لکم البحر ۔ ۔ ۔ ۔ ثم الی ربکم ترجعون ۥ (۲۵ / ۱۳ تا ۱۵)

اللہ کی وہی ذات ہے۔ جس نے تمہارے لئے سمندر اور دریاؤں کو مسخر کر دیا۔ اور ان کی تقدیرات

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

طرح معین فرمادیں کہ تم اس کے امر کے ساتھ اس میں جہاز اور کشتیاں چلا سکتے ہو اور اس کے فضل

صورت میں رزق و روزی اور اسباب معیشت کو حاصل کرتے ہو۔ اہل فکر کے لئے اس کی طرف سے

یک ایسا احسان ہے جس پر اس کا شکر ادا کرنا واجب ہو جاتا ہے۔

انسانی شرف وکرامت

اور وہ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہی ہے۔ جس نے آسمان و زمین کی ہر شے کو انسان کا مسخر اور خدمت

بنا دیا اور انسان کو ہر قسم کی اشیاء کی اقدار کا علم عطا کر کے اس قابل بنایا کہ وہ ان سے فائدہ حاصل کرے

مین پر اللہ تعالیٰ کی خلافت کا حق ادا کر سکے۔

اگر ہر قسم کے حیوانات اور دیگر اشیاء انسان کے تابع فرمان نہ ہوں تو اس کے اشرف المخلوقات

ثابت ہونے کا خواب شرمندہ تعبیر نہ ہو سکے۔ اہل فکر و نظر کے لئے جمیعًا کے لفظ میں انسانی

ف وکرامت کا اتنا بڑا راز ہے۔ جس کے افشا ہونے پر کائنات کی کوئی چیز اس کے قبضہ و تصرف سے

ظر نہیں آتی۔

آج کا ظاہر پرست انسان سائنسی ترقی کے ذریعہ اشیاء کے متعلق جن تقدیرات کا علم حاصل کر چکا

للہ تعالیٰ کی اشارۃ و بشارت کے مطابق یہ انسانی تصرف کے حقیقی حدود کے مقابلہ میں بہت کم اور

وسعت و عظمت کے سامنے بالکل ہیچ و حقیر ہے۔

حقیقی انسانیت کا حامل اور زمین میں اللہ تعالیٰ کا سچا خلیفہ اپنے باطن میں جس علم و معرفت اور

اقدار کا مالک ہوتا ہے۔ اس آیت کے مفہوم کے مطابق وہ فی الواقعہ زمین و آسمان کی ہر شے

ور قابض و متصرف ہوتا ہے۔

اہل اللہ اور اہل باطن کا دائرہ اقتدار تو پہلے سے ہی ثابت و مسلّم ہے۔ اور اولیاء اللہ کو اشیائے

ن پر جو تصرف حاصل ہے وہ ان کی کرامات کے اظہار سے ثابت و واضح ہوتا رہتا ہے اور جو

ان کے ساتھ حقیقی تعلق رکھتا ہے۔ وہ ان سے کسی طرح انکار نہیں کر سکتا۔

للہ تعالیٰ اس بات پر بھی قادر ہے کہ ظاہری طور پر بھی انسان کو اس بات کی صلاحیت عطا

ور علمی و سائنسی ترقی کے ساتھ اس بات کو ممکن کر دے کہ وہ اپنی حسب خواہش کائنات کی

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ہر چیز کو کام میں لا سکے۔ اور ان کی خدمت گزاری سے فائدہ حاصل کر کے انسانی شرف و برتری کا مشاہدہ کر سکے۔

بجلی، پانی اور ہوا میں انسان کا تصرف اس کے اقتدار کے اظہار کی ابتدائی منزل ہے اگر سائنسی علم کو ترقی دیتا اور اشیاء کی تقدیرات سے واقف ہوتا ہوا زمین و آسمان کے عناصر اور ان قوتوں کے مزید راز کو معلوم کر لے تو اس کا ان پر محیط و غالب اور کارفرما ہو جانا محال نہیں ہے اور ستاروں تک پہنچنے کا خیال خدا کی طرف سے ہی انسان کے دل میں ڈالا گیا ہے اور شاید اس انسان کے دائرہ اختیار و اقتدار کی وسعت کا اظہار ہی مقصودِ فطرت ہے۔ اہلِ طلب و جستجو لوگوں حقائق و تقدیرات اشیاء کے متعلق تحقیق و تدقیق کا کام ہمیشہ سے جاری رہا ہے اور ان لوگوں کی سے ہی انسان اکثر عناصر ارضی پر قابو حاصل کرنے میں کامیاب ہوا ہے اور اس نے اپنے آرام اور ضروریات زندگی کی اکثر باتوں میں اشیاء سے فائدہ حاصل کیا ہے ورنہ جہالت کے ادوار میں بہت سے ایسے لوگ بھی ہوئے ہیں جو ان کی باتوں کو برا مانتے اور ان کی کارروائی میں روڑے اٹکا رہے ہیں۔

اگر ترقی کی راہ پر چلنے والے اشخاص کے راستہ کو روکنے والے لوگ موجود نہ ہوتے تو شا انسان اپنے آج کے مقام سے کئی منزل آگے بڑھ گیا ہوتا۔

یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کا عجیب راز ہے کہ ہر آگے بڑھنے والے انسان کا راستہ روکنے اور پیچھے کی طرف کھینچنے والے بھی انسان ہی پیدا کر دیتے ہیں۔ اور لطف یہ ہے کہ ایسے لوگ بھی اپنے جا معتقدات کی بنا پر اپنے آپ کو سچا اور قائم علی الحق ہی تصور کرتے ہیں۔

سائنسی تجربات اور ریسرچ کا کام کرنے والے لوگ اگر بلند ہمتی اور استقلال پر ثابت قدم رہتے تو اپنے اور دیگر انسانی معاشرہ کے لئے اس قدر سہولت و آرام کو ہرگز اپنا نہ سکتے۔ انسانی ضرو کو پورا کرنے کے لئے خدا نے انسانی دل و دماغ ہی سے کام لیا ہے اور انہیں اس بات کا شوق دلا اپنی ربوبیت ہی کا اظہار فرمایا ہے۔

اگر حکومتوں میں جاہ پسندی، استعمار و استبداد اور ہوس ملک گیری کی ناجائز خواہشات نہ ہوتی وطنی و قومی عصبیت کا دائرہ اتنا تنگ نہ ہو تو سائنس کی جملہ ایجادات انسان کی خدمت گزاری آ

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کے آرام وآسائش کے کاموں میں لگائی جاسکتی ہیں اور آج اس کی ترقی سے امن عالم کو جو خطرہ لاحق ہو رہا ہے وہ بالکل دور ہو سکتا ہے۔ اس میں حقائق اشیاء کے علم اور سائنس کا ذاتی طور پر کوئی قصور نہیں ہے۔ اگر انسان خدا پر ایمان اور اس کے احکامات کو دل وجان سے بجا لانے پر آمادہ ہو جائے تو اس کے تمام علوم و فنون اسے ارتقاع وارتقاء کی منزل تک لے جا سکتے ہیں اور اس کام کے لئے ان لوگوں کا آگے آنا اور ہمت واستقلال سے کام کرنا ازبس ضروری ہے۔ جو اپنے دل میں مخلوق خدا کے ساتھ ہمدردی اور سچی محبت رکھتے ہیں۔ اگر تمام ملکوں میں یہ عنصر غالب اکثریت حاصل کرلے تو اس جمہوری دور میں لڑائی کا روکنا اور مہلک بموں کا استعمال نہ کرنا ممکن ہو سکتا ہے۔ اور اس طرح ہم علم کے تقدس اور مفاد کو محفوظ رکھ سکتے ہیں۔

انسان ہی خدا کا آلۂ کار

ہوتا وہی ہے جو منظور خدا ہوتا ہے۔ مگر اس عالم رنگ وبو میں ہر کام کی تکمیل کے لئے انسان کو ہی آلۂ کار بنایا گیا ہے۔ امن وترقی کو بحال رکھنے کے لئے افراد انسانی کو ہی تگ ودو کرنی پڑتی ہے اور ان کے لئے صلح پسندی کا ایک ایسا طریق کار اختیار کرنا ضروری ہے۔ جس میں مخالف عناصر سے غلط طریقہ پر جھگڑنے اور ان کے بُرے جذبات کو ہیجان میں لانے سے بچاؤ ہوتا ہو۔ اس طرح ان لوگوں کے اپنے وقت کا بھی نقصان نہیں ہوتا اور دوسروں کے اصلاح پذیر ہونے کا امکان بھی ہاتھ آجاتا ہے۔

مومنین کا فطری شعار

حضور پاکﷺ جو انسانی صلاح وفلاح اور ہدایت کے علم بردار ہیں اپنی تعلیمات کے درمیانی دور میں جب مخالفین کے دائرہ میں گھر جاتے ہیں اور آپ کے صحابہ کرامؓ و مومنین اپنے اندر گھبراہٹ وجوش محسوس کرتے ہیں تو ان کی رہنمائی کے لئے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ آپ مومنین سے فرمادیجئے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی آیات اور ہدایت کی طرف رجوع نہیں کرتے ان کے ساتھ نرمی اور عفو ودرگزر کا رویہ اختیار کریں اور ان کے کسب واعمال کو زبردستی روکنے کی کوشش نہ کریں اس طرح تمہارے لئے صبر ورضا کا اجر وثواب اور ان کیلئے اپنے برے اعمال کا عذاب وعقاب مہیا ہونے کا موقعہ پیدا ہو جائے گا اور اللہ تعالیٰ کو اسی طرح منظور ہے کہ ہر قوم کو اس کے نیک وبد اعمال کے نتائج تک پہنچائے۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

حق تعالیٰ کا طریقِ کار

حق و باطل کے درمیان اللہ تعالیٰ جن تقدیرات کو ظہور دینا چاہتے ہیں۔ ان کا یہی تقاضا ہے کہ ہر فریق اپنے اپنے عمل اور راستہ پر گامزن رہے تاکہ دونوں اپنے اپنے انجام تک پہنچ کر ہدایت و ضلالت کے فرق و امتیاز کو دیکھ لیں۔ جو شخص نیک اعمال اختیار کرتا ہے اس کی جزا اس کے اپنے نفس کے لئے ہے اور جو برائی کا راستہ پسند کرتا ہے اس کے بُرے اثرات خود اسی کے لئے ہیں اور پھر بالآخر سب کو اپنے رب کی طرف ہی رجوع کرنا ہے۔

انسانی نفع و نقصان کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ نے نیکی و بدی کی اقدار کو پیدا فرما کر ہر شخص کے لئے امتحان کی صورتِ حال مہیا فرما دی ہے اور جو بات اس کی مشیت و رضا اور علم و ارادہ میں موجود ہے اس پر مخلوق کو عذر و اعتراض کی کوئی گنجائش و مجال نہیں ہے۔

اس کے قانون کو ماننا اور اس کی مقررہ تقدیرات کا احترام کرنا ہر شے پر فرض و واجب ہے اور جو شخص یا چیز ایسا نہیں کرتی وہ فطری طور پر اپنے نقصان و خسران سے دوچار ہوتی ہے۔ ظاہر و باطن میں فطرت کا ایک ہی قانون جاری و ساری ہے۔ جو شخص اس کی مشیت اور تقدیرات کا حق ادا نہیں کرتا اس کے لئے اس کی سزا اور عذاب و عتاب سے بچنا محال و ناگزیر ہے۔

طبیعت کے احکامات اپنی جگہ حق ہیں اور ان سے لاپرواہی کرنے والا ضرور اس کی شکست و ریخت سے دوچار ہوتا ہے۔ اگر وہ علم طب و طبیعات سے تھوڑا سا واقف بھی ہو تو اس بات کو جان جاتا ہے کہ اس کی صحت میں فتور اس کی طبیعت کے تقاضوں کو پورا نہ کرنے کی وجہ سے ہی واقعہ ہوا ہے۔ اسی طرح دینی و روحانی اور اُخروی امور و معاملات میں جو بات احکاماتِ الٰہی کے مخالف اور فطرتِ انسانی کے متضاد ہو اس کا بُرا نتیجہ ضرور انسان کے پیش آتا ہے اور وہ کسی طرح اس سے فرار حاصل نہیں کر سکتا۔

انسان کی فطرت اور احکامِ الٰہی میں ہرگز مخالفت نہیں ہے۔ جو شخص خداوند تعالیٰ کے احکامات کو پسند نہیں کرتا وہ درحقیقت اپنی فطرت کے خلاف ہی نبرد آزما ہوتا ہے وہ اپنے نفس امارہ کے غلبہ اور روح کے محجوب ہونے کی وجہ سے اس حقیقت کا احساس و ادراک نہیں کرتا۔ دین و فطرت کے احکامات کو تسلیم کرکے ان پر خلوصِ دل سے عملدرآمد کرنے کے بعد ہی انسان اس قابل ہوتا ہے کہ وہ نیک و بد اعمال کے اثرات کو اپنے باطن میں معلوم و محسوس کر سکے اور جب تک وہ ایسا نہیں ہوتا اس کے لئے خیر و شر کے اثرات سے واقف ہونا

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ممکن نہیں ہے۔ چونکہ انسانی اکثریت ان امور میں جاہل و بے حس ہے اور نفس کے حجابات میں محبوس ہونے کی وجہ سے نیکی و بدی کے اثرات سے غافل ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پاکؐ کے ذریعہ کافۃ الناس کو جتلا دیا ہے کہ ہر شخص کی نیکی و بدی کا اثر اس کے اپنے نفس پر وارد ہونے والا ہے۔ اور وہ اس امر سے کسی طرح بچ نہیں سکتا۔

اگر آج وہ اس بات کو محسوس نہیں کرتا تو کل موت کے بعد اسے یہ حقیقت واضح طور پر نظر آجائے گی اللہ تعالیٰ کی طرف جانا اور موت کے دامن میں پناہ لینا ایسا امر ہے جس سے مومن و کافر کوئی شخص بھی انکار نہیں کر سکتا۔

انسان پر غفلت کا جو پردہ تنا ہوا ہے۔ اسے ہٹانے اور یاد دہانی دلانے کے لئے ہی اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف رجوع کا مذکور فرمایا ہے ورنہ ہر عقلمند اور حساس انسان اس بات کو صریحاً دیکھ رہا ہے کہ اس کا انجام موت اور اللہ تعالیٰ کے حضور میں جانے کے سوا کچھ نہیں۔

در دلِ کافر نشاطِ رنگ و بُو　　در دلِ مومن نشاطِ جستجو

(فاضل)

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

اس کتاب کا دوسرا حصہ

قرآنی سائنس

کے

حقیقی اعمال واحوال

زیرِ ترتیب ہے انشاءاللہ جلدی شائع ہو جائے گا۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

اس کتاب کا دوسرا حصہ

قرآنی سائنس

کے

حقیقی اعمال واحوال

زیر ترتیب ہے انشاءاللہ جلدی شائع ہو جائے گا۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari